آئینہ مذہبِ شیعہ

شیعہ مذہب کے اصول وقواعد
اور
عقائد وافکار کا جائزہ

تالیف
ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری

ترجمہ
حافظ ابو الحسنین الاثری

مکتبۃ آل البیت کراچی

❁ اولاً: حجت امام کے قول میں ہے، اجماع میں نہیں: 435

❁ دوم: جو عامہ (اہلِ سنت) کے مخالف ہو، اسی میں ہدایت ہے: 444

❁ اس نظریے کا تنقیدی پہلو: 448

دوسرا باب:

❁ **اصولِ دین کے متعلق شیعہ کا عقیدہ** 457

❁ **پہلی فصل: توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ** 459

⊙ **پہلی بحث**: توحید کی وہ آیات جو شیعہ نے ولایتِ ائمہ پر محمول کی ہیں 461

❁ پہلی آیت: 461

❁ دوسری آیت: 464

❁ تیسری آیت: 466

❁ چوتھی آیت: 467

⊙ **دوسری بحث**: شیعہ کے نزدیک ولایت قبولیتِ اعمال کی اساس ہے 473

⊙ **تیسری بحث**: شیعہ کا یہ اعتقاد کہ ائمہ، اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں 478

❁ پہلا مسئلہ: شیعہ کا قول ہے: لوگوں کے لیے ائمہ کے سوا کوئی ذریعہ ہدایت نہیں۔ 481

❁ دوسرا مسئلہ: شیعہ کا قول ہے: ائمہ کے اسما کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی۔ 483

❁ تیسرا مسئلہ: ائمہ سے استغاثہ کرنا: 488

❁ چوتھا مسئلہ: شیعہ کا قول ہے: درباروں کا حج بیت اللہ کے حج سے بڑا عمل ہے: 492

❁ عرفات کے دن کربلا کی زیارت دیگر تمام ایام کی نسبت افضل ہے: 499

❁ قبرِ حسین کی زیارت تمام اعمال سے افضل عمل ہے: 502

❁ شیعہ کا قول ہے کہ کربلا کعبہ سے افضل ہے: 502

❁ حسین کے زائرین کے پاس فرشتے آتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ سرگوشیاں کرتا ہے: 506

❁ مناسکِ مزارات: 507

❁ ① قبروں کا طواف: 508

۞ ② قبر کے پاس نماز:.. 509

۞ ③ قبر پر اوندھا گرنا:... 511

۞ ④ قبر کو بیت اللہ کی طرح قبلہ بنانا: 514

۞ شیعہ کے نزدیک مزاروں کی اہمیت کا تنقیدی پہلو:... 518

⊙ **چوتھی بحث**: شیعہ کا عقیدہ ہے کہ امام جو چاہے حلال وحرام کر سکتا ہے 525

⊙ **پانچویں بحث**: شیعہ کا عقیدہ کہ قبرِ حسین کی مٹی ہر بیماری سے شفا ہے 531

⊙ **چھٹی بحث**: شیعہ کا نقوش ورموز کے ساتھ پکارنا اور نامعلوم سے فریاد رسی کرنا 536

⊙ **ساتویں بحث**: شیعہ کا جاہلیت کے تیروں سے مشابہ اشیا کے ساتھ استخارہ کرنا 540

❁ **دوسری فصل**: **توحیدِ ربوبیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ** 547

⊙ **پہلی بحث**: شیعہ کا عقیدہ کہ رب امام ہی ہے... 550

۞ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول:.. 551

⊙ **دوسری بحث**: شیعہ کا عقیدہ ہے کہ دنیا اور آخرت ساری کی ساری امام کے لیے ہے، وہ جس طرح چاہتا ان میں تصرف کرتا ہے... 553

⊙ **تیسری بحث**: کائنات کے حوادث کو ائمہ کی طرف منسوب کرنا.............................. 556

⊙ **چوتھی بحث**: جزوِ الٰہی جو ائمہ میں حلول کر گیا 561

⊙ **پانچویں بحث**: شیعہ کا عقیدہ ہے کہ دن اور رات کو نفع ونقصان پہنچانے میں اثر انداز ہوتے ہیں.. 565

❁ **تیسری فصل**: **اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات کے متعلق شیعہ کا عقیدہ**........................ 570

⊙ **پہلی بحث**: اِثبات میں غلو کی گمراہی، جسے تجسیم کہا جاتا ہے 571

⊙ **دوسری بحث**: شیعہ کے ہاں تعطیل.. 578

۞ پہلا مسئلہ: شیعہ کا قول کہ قرآن مخلوق ہے:.. 585

۞ دوسرا مسئلہ: دیدارِ الٰہی کا مسئلہ:.. 593

۞ تیسرا مسئلہ: نزولِ باری تعالیٰ: 595

⊙ **تیسری بحث**: شیعہ کا اپنے ائمہ کو اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات کے ساتھ موصوف کرنا ... 599

⊙ **چوتھی بحث**: شیعہ کا اپنے مذہبِ تعطیل کی تائید کے لیے تحریف کا دعویٰ کرنا..... 610

❁ **چوتھی فصل**: ایمان اور ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کا عقیدہ 612

⊙ **پہلی بحث**: ایمان اور وعد و وعید کے متعلق شیعہ کا نظریہ 613

❁ پہلا مسئلہ: شیعہ کے نزدیک ایمان کا مفہوم: 613

❁ دوسرا مسئلہ: تیسری گواہی:.. 65

❁ تیسرا مسئلہ: نظریۂ ارجاء: 617

❁ چوتھا مسئلہ: وعد (ثواب کا وعدہ) کے متعلق شیعہ کا عقیدہ:.. 620

❁ پانچواں مسئلہ: وعید کے متعلق شیعہ کا نظریہ:.. 622

⊙ **دوسری بحث**: ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کا نظریہ 625

❁ فرشتوں پر ایمان: 625

❁ کتابوں پر ایمان: 629

❁ پہلا مسئلہ: شیعہ کا دعویٰ کہ کتب الٰہیہ اماموں پر نازل ہوتی ہیں:.. 630

❁ ① مصحف فاطمہ رضی اللہ عنہا: 632

❁ ② ایک کتاب، جو شیعہ کے دعوے کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات سے قبل نازل ہوئی:..... 640

❁ ③ لوحِ فاطمہ:.. 643

❁ ④ شیعہ کا دعویٰ کہ آسمان سے بارہ صحیفے اترے ہیں، جو ائمہ کی صفات پر مشتمل ہیں: 646

❁ اس نظریے پر نقد اور تبصرہ:.. 646

❁ تیسرا مسئلہ: شیعہ کا یہ دعویٰ کہ تمام آسمانی کتابیں ائمہ کے پاس موجود ہیں: 650

❁ اس نظریے پر نقد و تبصرہ:.. 654

❁ رسولوں پر ایمان:.. 658

❁ شیعہ کا ائمہ کو انبیا اور رسولوں سے افضل قرار دینا:.. 659

❁ امام کے معجزات: 667

❁ یومِ آخرت پر ایمان:.. 676

❁ تقدیر پر ایمان: 686

شیخ الاسلام کا قول: 695

WWW.SUNNILIBRARY.COM

دفاع صحابہ ورد رافضیت

علماء اہل سنت کی تحقیقی کتب

فری ڈاؤن لوڈ

آن لائین پڑھیں۔

تیسری فصل

اجماع کے متعلق شیعہ کا عقیدہ

اجماع اہلِ سنت کا ایک بنیادی قاعدہ ہے۔ یہ کتاب و سنت کے بعد وہ تیسری بنیاد ہے، جس پر علم اور دین میں اعتماد کیا جاتا ہے۔[1]

اسی لیے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''جو کتاب وسنت اور اجماع کا قائل ہے، وہ اہلِ سنت والجماعت میں داخل ہے۔''[2]

اہلِ سنت دین کے متعلق لوگوں کے تمام اقوال اور اعمال انھی تین اصول کے ترازو میں تولتے ہیں۔[3] انھیں ''أهل الجماعة'' کا نام دیا گیا ہے، کیوں کہ جماعت اجتماع (اتفاق) سے ماخوذ ہے اور اس کا متضاد افتراق ہے۔[4] منظّم اور منضبط اجماع وہ ہے، جس پر سلف صالحین قائم تھے، کیوں کہ ان کے بعد اختلاف بہت زیادہ ہوگیا اور امت منتشر ہوگئی۔[5] شیعہ صحابہ اور سلف کے اجماع یا امت کے اجماع کو اجماع تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے اس باب میں مخالفانہ عقائد ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اولاً: حجت امام کے قول میں ہے، اجماع میں نہیں:

اہلِ سنت کی اصول کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ شیعہ کہتے ہیں:

''یقیناً اجماع حجت ہے، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ وہ اجماع ہے، بلکہ اس وجہ سے حجت ہے کہ وہ

[1] دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۳/ ۱۵۷) اس سلسلے میں الآمدي: الإحکام في أصول الأحکام (۱/ ۲۰۰) الغزالي: المستصفیٰ (۱/ ۱۷۳ وما بعدها) الشافعي: الرسالة (ص: ٤٠٣، نمبر ۱۱۰۵) اور (ص: ٤٧١ وما بعدها) ابن عبد البر: التمهيد (٤/ ٢٦٧) ملاحظہ کریں۔

[2] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۳/ ۳٤٦)

[3] المصدر السابق (۳/ ۱۵۷)

[4] اگرچہ لفظ جماعت ان اکٹھے ہونے والے لوگوں کا نام بن چکا ہے۔ دیکھیں: المصدر السابق (۳/ ۱۵۷)

[5] المصدر السابق (۳/ ۱۵۷)

معصوم امام کے قول پر مشتمل ہے، جب کہ امام اکیلے کا قول ہی ان کے ہاں حجت ہے۔‘‘[1]

اب ہم شیعہ کے مصادر سے ان کی رائے لیتے ہیں۔ ابن المطہر الحلی کا قول ہے:

’’اجماع ہمارے نزدیک معصوم کے قول پر مشتمل ہونے کی بنا پر حجت ہے، ہر وہ جماعت، وہ زیادہ ہو کہ تھوڑی، امام کا قول اس کے جملہ اقوال میں ہوگا تو اس جماعت کا اجماع امام (کے قول) کی وجہ سے حجت ہوگا، اجماع ہونے کی وجہ سے نہیں۔‘‘[2]

اس جیسی باتیں ان کے کئی علما نے کہی ہیں۔[3]

لہٰذا ان کے ہاں اجماع امام کے وجود کے بغیر حجت نہیں، جس کی عصمت کا وہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اجماع کی حجیت کا دارومدار اس کے قول پر ہے، نفسِ اجماع پر نہیں۔

حقیقت میں یہ لوگ اجماع کے قائل ہی نہیں، بلکہ وہ معصوم کے قول کی حجیت کے قائل ہیں۔ اجماع سے حجت لینے کا ان کا دعویٰ ایسی چیز کا نام ہے، جس کا وجود ہی نہیں۔ ابن مطہر کا یہ قول ’’اجماع ہمارے نزدیک حجت ہے۔‘‘ فضول کلام ہے، کیوں کہ اصل میں وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اجماع ہمارے ہاں حجت نہیں، کیوں کہ حجت امام معصوم کے قول میں ہے، کیوں کہ یہی ان کے مذہب کا تقاضا ہے۔ انھوں نے امام کو نبی کے قائم مقام یا اس سے بھی بڑا درجہ دیا ہے۔ چناں چہ اس کے کان میں کچھ ڈالا جاتا ہے، اس کے پاس فرشتہ آتا ہے، بلکہ وہ جبرائیل اور میکائیل سے بھی بڑی کوئی مخلوق دیکھتا ہے وغیرہ وغیرہ، جس کی تفصیل سنت کے متعلق ان کے عقیدے کی بحث میں گزر چکی ہے۔

انھیں امام کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں تھی۔ شیعہ کے پاس ہر زمانے میں ایک نبی ہوتا ہے، جسے امام کہا جاتا ہے، لہٰذا اس کا قول حجت ہے، اجماع حجت نہیں۔ اس وجہ سے انھوں نے کہا ہے:

’’ہمارے نزدیک جب عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہے، جو ہمارے امامیہ کی کتب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں کہ تکلیف (شرعی احکام کی پابندی) کا زمانہ کسی شریعت کے محافظ امام معصوم سے

---

[1] الإسنویٰ، نهاية السول (٣/ ٢٤٧)

[2] ابن المطهر: تهذيب الوصول إلى علم الأصول (ص: ٧٠) ط: طهران ١٣٠٨هـ.

[3] دیکھیں: المفيد: أوائل المقالات (ص: ٩٠۔ ١٠٠) قوامع الفضول (ص: ٣٠٥) حسين معتوق: المرجعية الدينية العليا (ص: ١٦) نیز ان کی عمومی اصول کی کتابیں ملاحظہ کریں۔

خالی نہیں، جس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، جب امت کسی قول پر اجماع کرتی ہے، وہ بھی ان میں شامل ہوتا ہے، کیوں کہ وہ امت کا سردار ہے اور اس کا قول غلطی سے محفوظ ہے تو وہ اجماع حجت ہوتا ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک اجماع کی حجیت اس حیثیت سے ہے کہ وہ اس حجت کو، جو امام کا قول ہے، منکشف کرتا ہے۔[1]

کسی وقت یہ زمین امام سے خالی نہیں ہوتی، ''کیوں کہ (ان کے عقیدے کے مطابق) اگر زمین امام سے خالی ہو جائے تو وہ دھنس جائے۔''[2]

اس کا یہ مطلب ہوا کہ اجماع کا قانون مسلسل کالعدم ہے۔ اگر آپ ان کے اجماع کے متعلق اقوال میں غور وفکر کریں تو آپ ان کے ہاں سنت اور اجماع میں سوائے ایک لفظ کے شائد کوئی فرق تلاش نہ کر سکیں، کیوں کہ سنت معصوم کا قول ہے تو ان کے ہاں معتبر اجماع، معصوم کے قول کو سامنے لاتا ہے۔ اس لیے یہ بات قابلِ تعجب ہے کہ یہ لوگ اپنی اصول کی کتابوں میں اجماع کو ایک قاعدے کے طور پر کیوں متعین کرتے ہیں، کیوں کہ یہ ایسی چیز کا نام ہے، جس کا ان کے ہاں وجود ہی نہیں!

انھوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ان کے فقہا کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں، چاہے وہ ایک سو ہوں۔

وہ کہتے ہیں: ''اجماع ہمارے نزدیک امام کے ساتھ مل جانے کی بنا پر ہے، اگر ہمارے فقہا میں سے ایک سو (کے اقوال) بھی اس کے قول سے خالی ہوں تو وہ حجت نہیں ہوں گے اور اگر اس کا قول صرف دو میں ہو تو ان کا قول حجت ہوگا، ان دونوں کے متفق ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ امام کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے۔''[3]

اس کا مطلب ہوا کہ اجماع لغو ہے، اس کے قائل ہونے کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ انھوں نے سنت کو اجماع کا نام دے دیا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ پہلے زمانوں میں بھی شیعہ پر یہ اعتراض ہوا تھا، چناں چہ ایک شیعہ عالم نے شریف مرتضٰی سے نقل کیا ہے:

''ہم اجماع کی حجیت کا آغاز کرنے والے نہیں کہ اس کو لغو کہہ کر رد کر دیا جائے، بلکہ اس کا آغاز ہمارے مخالفین نے کیا اور اس کو ہمارے سامنے پیش کیا، لہٰذا ہمارے پاس ان کی موافقت کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا، ہم نے اصل حکم میں، کیوں کہ وہ فی نفسہٖ صحیح ہے، ان کی موافقت کی، اگرچہ

[1] النحاريري: معالم الدين (ص: ٤٠٦)

[2] أصول الكافي (١/ ١٧٩)

[3] معالم الدين (ص: ٤٠٥)

ہم اس کی علت اور دلیل میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔[1] یعنی انھوں نے صرف ان کی نقل اتارتے ہوئے ان کی تقلید کی ہے۔

''قوامع الفضول'' کا مولف لکھتا ہے:

''اگر امام کی حالت کا علم ہو جائے کہ وہ اس اجماع میں داخل ہے یا خارج یا اس کا قول تقیے وغیرہ کی حالت میں تھا تو اجماع کا فائدہ معدوم ہوجاتا ہے، لیکن جو چیز سنگینی کو کم کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اجماع کا باب انھوں (مخالف) نے قائم کیا ہے، ہم نے نہیں کہ اس کے ذریعے ہم پر اعتراض ہو سکے۔''[2]

جب اہلِ سنت اس کو اصل اور قاعدہ قرار دیتے ہیں تو تم ان کا مقابلہ کیوں کرتے ہو؟ حالاں کہ درحقیقت تمھارے امام کے بارے میں عقیدے ہی میں متضاد اقوال ہیں؟!

محمد رضا مظفر کہتا ہے:

''اجماع جب تک معصوم کے قول کو منکشف نہ کرے، تب تک اس کی امامیہ کے نزدیک کوئی علمی حیثیت نہیں۔ اگر وہ قطعیت کے ساتھ اس کے قول کو ظاہر کر دے، تو حجت حقیقت میں امام کا وہ منکشف قول ہوگا نہ کہ اس کو ظاہر کرنے والا ذریعہ، تب وہ سنت میں داخل ہوگا اور اس کے مقابلے میں مستقل دلیل نہیں ہوگا۔''[3]

رضا صدر کہتا ہے:

''ہمارے یعنی امامیہ کی جماعت کے نزدیک اجماع سنت کے مقابلے میں مستقل حجت نہیں، بلکہ اسے بیان کرنے والا ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے معصومین کی رائے معلوم کی جاتی ہے۔''[4]

شیعہ کا ایک معاصر عالم محمد جواد مغنیہ ذکر کرتا ہے:

''اجماع کے مسئلے میں متقدم شیعہ اور متاخر شیعہ کے موقف میں تضاد پایا جاتا ہے، کیوں کہ متقدمین شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ مصادرِ تشریع یہ چار ہیں: کتاب، سنت، اجماع اور عقل۔ اجماع پر

---

[1] قوامع الفضول (ص: ۳۰۵)

[2] المصدر السابق (ص: ۳۰۵)

[3] المظفر: أصول الفقه (۳/ ۹۲)

[4] رضا الصدر: الاجتهاد والتقليد (ص: ۱۷)

انھوں نے غلو کی حد تک اعتماد کیا ہے، بلکہ قریب ہے کہ وہ اس کو ہر اصل اور فرع پر دلیل قرار دیں، جب کہ متاخرین نے لفظِ اجماع کو ان مصادر کے ساتھ شمار تو کیا ہے، لیکن انھوں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، بلکہ انھوں نے اس پر اس وقت تک اعتماد نہیں کیا، جب تک وہ معتبر اصل میں کسی دوسری دلیل کے کے ساتھ مل کر نہ آئے۔''[1]

لیکن یہ کلام مطلق نہیں، کیوں کہ متاخرین میں کچھ اجماع کو مستقل دلیل شمار کرتے ہیں۔[2] اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تیسری صدی سے ان کے امام کا ظہور منقطع ہے، لہٰذا اس کی اجماع کی حجیت بیان کرنے والی رائے تک کس طرح پہنچا جا سکتا ہے؟

حر عاملی اور اس کے موقف کو اپنانے والے اخباریوں کی رائے ہے کہ اس (منتظر) کے غیب ہونے کے بعد اس کی رائے تک پہنچنا ناممکن ہے، لہٰذا اجماع ثابت ہی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس کے ان میں شامل ہونے کے بارے میں پتا کرنا ممکن نہیں، نہ اس کے غیب ہونے کے بعد اس کا گمان ہی کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ نامعلوم وہ خشکی پر ہے کہ تری میں، مغرب میں ہے یا مشرق میں، جب کہ اصولی یہ موقف رکھتے ہیں کہ اجماع ثابت ہو جاتا ہے اور امام کی رائے جاننا ممکن ہے۔[3]

---

[1] مغنية: أصول الفقه للشيعة الإمامية بين القديم والحديث، مجله رسالة الإسلام، السنة الثانية، العدد الثالث (ص: ٢٨٤_ ٢٨٦)

[2] ان کے عالم الشعرانی نے، جس کو یہ عالم متبحر کا لقب دیتے ہیں، یہ موقف اپنایا ہے کہ اجماع حجت ہے اور مستقل دلیل ہے۔ (الشعراني: تعاليق علمية على شرح الجامع للمازندراني (٢/ ٤١٤)

لہٰذا مغنیہ کا یہ قول نا قابلِ تسلیم ہے، لیکن میرے خیال کے مطابق اس مسئلے میں اختلاف اصولیوں اور اخباریوں کے درمیان ہے، مثلاً حر عاملی، جو اخباری ہے، سمجھتا ہے کہ ''کتبِ اصول میں اس بحث کے ضمن میں جو کچھ مذکور ہے، وہ عامہ یعنی اہلِ سنت کی طرف سے ہے، جس کی کوئی دلیل ہے نہ کوئی اصلاً وجہ ہی۔ (الفصول المهمة، ص: ٢١٤) اس کے مقابلے میں اصولی شیعہ نے اس اصل (قاعدے) پر بحث کی ہے اور اپنی اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس کا اقرار کیا ہے، اگرچہ ان کا امام کے بارے میں مذہب اس قول کو قبول نہیں کرتا۔ شیعہ کا معاصر عالم شعرانی اس اصول اور قاعدے کے قول کی تاکید میں کہتا ہے: ''طبرسی نے طویل حدیث میں ابوالحسن علی بن محمد عسکری سے "الاحتجاج" میں کہا ہے: ساری امت کا اس بارے میں اتفاق ہے، ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کریم تمام فرقوں کے ہاں حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ان کا اس پر اجماع ہے اور اس میں وہ صحیح موقف پر ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اس کی تصدیق میں صحیح راہ پر ہیں، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی ...۔'' شعرانی کہتا ہے: یہ اجماع کی حجیت، اس کے مستقل دلیل ہونے، اس کے علم کے امکان اور اس مشہور حدیث: ''میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی۔'' کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔'' (الشعراني: تعاليق علمية: ٢/ ٤١٤)

[3] حائري: مقتبس الأثر (ص: ٦٣)

شیعہ عالم ہمدانی ”مصباح الفقیہ“ میں لکھتا ہے:

”اجماع کی حجیت میں مدار متاخرین کے ہاں قرار پانے والی شرط پر ہے، تمام کے اتفاق پر نہیں، ایک زمانے کے لوگوں کے اتفاق پر بھی نہیں، اگر ہے تو صرف شیعہ علما محافظینِ شریعت کے فتوؤں میں سے حدس وتخمین کے ذریعے سے معصوم کی رائے تک رسائی حاصل کرنے پر ہے اور اس میں اختلافِ موارد اور مصادر کی بنا پر تبدیلی ہوتی رہتی ہے، کبھی کوئی مسئلہ ایسا ہوتا ہے، جس میں اگرچہ تمام نامور علما کی آرا متفق ہوتی ہیں، لیکن امام کی موافقت کا یقین نہیں ہوتا اور کوئی ایسا مسئلہ ہوتا ہے، جن میں امام کی موافقت کا یقین ہو جاتا ہے، اگرچہ اس مسئلے کی شہرت ہی کی وجہ سے ہو۔“[2]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں امام کے قول کے انکشاف کے لیے جو طریقہ استعمال کیا جاتا ہے، وہ حدس ہے۔ غور کیجیے کہ کس طرح یہ لوگ اندازے اور گمان کے ذریعے امام کے قول کے انکشاف کو قابلِ اعتماد دلیل قرار دیتے ہیں، جب کہ ان کے ہاں سلف کا اجماع قابلِ اعتماد نہیں!

یہ انتہائی عجیب وغریب تضادات ہیں، ان کے تمام نامور علما کے اتفاق سے بھی امام کی موافقت کا یقین نہیں ہوتا اور دوسری طرف شہرت کی وجہ سے، اس کا یقین ہو جاتا ہے، چاہے اتفاق نہ بھی ہو۔ یہ الٹے پیمانے ہیں، یہ حقیقت میں ان کا اعتراف ہے کہ ان کے علما گمراہی پر اکٹھے ہو سکتے ہیں!

حقیقت میں اجماع کی حجیت کے انکار کے باوجود انھوں نے مجہول گروہ کے قول پر عمل اور مشہور گروہ کے قول کو ترک کیا ہے۔ یہ انحراف کے نتائج ہیں، انھوں نے اس شاذ مذہب کی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ امام مجہول گروہ کے ساتھ ہے۔ ”معالم الدین“ کا مولف رقمطراز ہے:

”اگر امامیہ میں اختلاف ہو جائے اور دو قول ہو جائیں، ایک گروہ کا نسب معلوم ہو، لیکن امام ان میں نہ ہو تو حق دوسرے گروہ کے ساتھ ہوگا، چاہے وہ مجہول النسب ہی ہو۔“[3]

حتی کہ انھوں نے امام کے غیب ہونے کے زمانوں میں اجماع کے وقوع پذیر ہونے کے لیے مجہول گروہ

---

[1] حدس کا لغوی معنی ہے: ظن اور تخمین (اندازہ لگانا)۔ (مختار الصحاح، مادہ حدس) بعض اوقات حدس سے فلسفی اصطلاح بھی مراد لی جاتی ہے، جس کا معنی ہے: موضوعِ تفکیر کا براہِ راست ادراک کرنا۔ یہ ان کے ہاں براہِ راست خواب اور الہام کے مشابہ ہے۔ (المعجم الفلسفي، ص: ٦٩۔ ٧٠)

[2] مصباح الفقیه (ص: ٤٣٦) الاجتهاد والتقلید (ص: ١٧)

[3] معالم الدین (ص: ٤٠٦)

کے وجود کو شرط قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''سچ تو یہ ہے کہ ہمارے اس زمانے اور اس جیسے زمانوں میں کسی دوسری جہت سے عموماً اجماع کے واقع ہونے کی اطلاع پانا ناممکن ہے، کیوں کہ امام کے قول کو معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ یہ مجہول مجتہدین کے وجود پر موقوف ہے، تاکہ وہ بھی ان میں شامل ہو جائے اور اس کا قول ان کے اقوال میں چھپا ہوا ہو، لیکن اس کے دور ہونے کی وجہ سے مقطوع ہے، ہر وہ اجماع جس کا شیخ کے زمانے سے لے کر ہمارے اس زمانے تک اصحاب کے کلام میں دعویٰ کیا جاتا ہے اور وہ متواتر نقل یا معتبر آحاد، یا علم کا فائدہ دینے والے قرائن کے ساتھ مستند نہیں تو پھر ضروری ہے کہ اس سے شہرت مراد لی جائے، جس کا شہید نے ذکر کیا ہے۔''[1]

ان کے ہاں قابلِ اعتماد دلیل مجہول گروہ کا قول ہے اور یہ نایاب ہے۔ شیخ الطائفہ طوسی کے زمانے سے لے کر اس کا کوئی اتا پتا نہیں، جو اجماع موجود ہے، وہ اجماع منقول ہے۔[2] گویا شیخ کے زمانے سے پہلے اس جیسا اجماع پایا جاتا تھا۔ یہ جو اجماعِ صحابہ کا انکار کرتے ہیں، ایک مجہول گروہ کے قول کو تلاش کرتے ہیں، تاکہ اس کو اختیار کریں۔

پھر اس حد تک تو یہ صحیح ہیں کہ اپنے علما کے اقوال کو، چاہے وہ متفق ہی ہوں، کسی شمار میں نہیں لاتے، لیکن صحابہ اور تابعین کے اجماع سے اعراض کر کے گمراہ ہو چکے ہیں۔ یہ جسے اجماع کا نام دیتے ہیں، اس تک

---

[1] معالم الدين (ص: ٤٠٦)

[2] اثنا عشریہ کی اصطلاح میں اجماع کی دو قسمیں ہیں:

① اجماع محصل: اس سے مراد وہ اجماع ہے، جس کو فقیہ اہلِ فتویٰ کے اقوال سے تتبع (تلاش) کر کے حاصل کرتا ہے۔

② اجماع منقول: اس سے وہ اجماع مراد ہے، جس کو فقیہ خود تلاش کر کے حاصل نہیں کرتا، بلکہ اس کو اس کے لیے وہ فقہا نقل کرتے ہیں، جنھوں نے اسے حاصل کیا ہوتا ہے، خواہ یہ نقل ایک ذریعے سے ہو یا کئی ذرائع سے، پھر یہ نقل بعض اوقات تواتر کی طرح واقع ہوتی ہے۔ اس کا حکم حجیت کے اعتبار سے اجماع محصل کا حکم ہوتا ہے، کبھی یہ نقل خبرِ واحد کے طور پر ہوتی ہے۔ اگر اصولیوں کی زبان پر مطلقاً اجماع کا ذکر ہو تو اس سے دوسری قسم مراد ہوتی ہے۔ اس کی حجیت پر بھی ان میں اختلاف ہے۔ (المظفر: أصول الفقة: ٣/ ١٠١)

شیعہ عالم الحلی ''مقتبس الأثر'' میں کہتا ہے: فقہاے جعفریہ کی اصطلاحات میں اجماع کے کئی اطلاقات (معانی) ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے: اجماع امام کی قطعی رائے کا نام ہے۔ ایک اجماع محصل ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ واقع نہیں ہوا اور ایک اجماع منقول ہے، جو خبر واحد کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''یہ مقبول ہے۔'' (مقتبس الأثر: ٣/ ٦٢)

پہنچنے کے لیے اتنی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ ان کے اجماعات بھی ان کی روایات کی طرح تضاد کا شکار ہیں، جن کو آپ "الاستبصار" اور "بحار الأنوار" وغیرہ کے مطالعے کے دوران میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

بلکہ اجماع کے دعوے میں ایک ہی عالم کے اقوال میں تعارض پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "من لا یحضرہ الفقیہ" کے، جو ان کتابوں میں ہے جن پر ان کے ہاں عمل کا دارومدار ہے، مولف ابن بابویہ القمی کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

"... یہ ایک مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کرتا ہے، پھر اس کے خلاف ایک اور اجماع کا دعویٰ کر دیتا ہے، ایسا اس کی کتاب میں بہت زیادہ ہے۔"[1]

یہاں تک کہ "جامع المقال" کے مصنف کو کہنا پڑا:

"اس کے اس طریقے سے اجماع کے دعوے پر کس طرح اعتماد اور اس کی نقل کا کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"[2]

بلکہ یہ ایسے مسئلے میں بھی اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں، جس کا کوئی قائل ہی نہیں ہوتا۔ شیعہ عالم نوری طبرسی کہتا ہے:

"بعض اوقات شیخ اور سید کسی ایسے معاملے میں امامیہ کے اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں، جس کا بہ ظاہر ایک بھی قائل نہیں ہوتا۔"[3]

ایسے ہی شیعہ عالم طوسی نے بڑے تاکیدی انداز میں "ایک ہی شخص یا دو ہم عصروں یا قریبی زمانے کے اشخاص کے متعارض اجماعات کے وجود کا ذکر کیا ہے، نیز اس نے مدعی کے اپنے اس فتوے سے رجوع، جس میں اس نے اجماع کا دعویٰ کیا تھا، مدعی کے اپنے پیش رؤں کے کلام میں بلاعنوان مسائل میں اجماع کا دعویٰ اور وہ مسائل جن میں مدعی کے بعد، بلکہ اس کے زمانے یا اس سے پہلے اختلاف مشہور تھا، ان میں بھی اس کے اجماع کے دعوے کا ذکر کیا ہے۔[4]

یہ طبرسی کا قول ہے، جو باخبر اور ان کی کتابوں پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔ وہ اپنے مذہب کی تائید کی

---

[1] جامع المقال فيما يتعلق بأحوال الحديث والرجال، الطريحي (ص: ١٥)

[2] المصدر السابق.

[3] فصل الخطاب (ص: ٣٤)

[4] المصدر السابق.

خاطر، جس کے لیے اس نے "فصل الخطاب" تالیف کی، یہ انکشاف کرنے پر مجبور ہوا ہے اور اس کے خلاف اجماع کے دعویٰ کو رد کرتا ہے۔

اس غیر مقصود اعتراف سے ہم نے یہ استفادہ کیا ہے کہ ان کا اس قاعدے، اس کی تحدید اور تطبیق سب میں اضطراب ہے۔

پھر وہ (یہ کہنے کے باوجود کہ اجماع معصوم کے قول کو ظاہر کرتا ہے) اس کو عمل میں نہیں لاتے، بلکہ اپنے اصحاب کے اتفاق کو تلاش کرتے ہیں، معصوم کے قول کو نہیں۔

اس لیے "معالم الدین" کے مصنف نے جب اپنے ایک بڑے عالم کی یہ بات ذکر کی کہ قابلِ اعتماد دلیل معصوم کا قول ہے، اس کے بغیر فقہا کا اتفاق نہیں، تو یہ بات کہی:

"اصحاب کے فقہی مسائل میں اجماع سے دلیل لیتے وقت ان کی اس اصل سے غفلت اور دعوائے اجماع میں تساہل پر تعجب ہوتا ہے، یہاں تک کہ انھوں نے اسے صرف اصحاب کی ایک جماعت کا اتفاق سمجھ لیا ہے اور اس کے اس مفہوم سے بغیر کسی واضح قرینے اور دلیل کے دور ہو گئے ہیں، جس کے لیے یہ اصطلاح متعارف ہوئی تھی۔"[1]

جبکہ اس کی حجیت پر کوئی قابلِ اعتبار دلیل نہیں، پھر بھی اس کو اپنے بنیادی دلائل میں شمار کرتے ہیں اور اس کے دعوے اور تطبیق میں شدید تناقض کا شکار ہیں، جب کہ کسی قول میں تناقض اس کے باطل ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔

اجماع کی حجیت کے متعلق اہلِ سنت کے مذہب اور شیعہ کے مذہب میں جو فرق ہے، وہ مزید واضح ہو جائے گا، اگر آپ تصور کریں کہ ان کے امام محمد الجواد سے، جس کو انھوں نے پانچ سال[2] کی عمر میں اپنا امام بنا لیا تھا، اس عمر میں کوئی قول یا رائے صادر ہو یا روافض کی کوئی جماعت کسی شرعی حکم یا قول کو اس کی طرف منسوب کرے، جو تمام امت اسلامیہ کے خلاف ہو، تو حجت اس کی رائے میں ہوگی، امت کے اجماع میں نہیں۔[3]

اگر ان کے منتظر سے، جس کے متعلق تاریخ کہتی ہے کہ اس کا کوئی وجود نہیں، جس طرح آگے ذکر ہوگا، کوئی قول منقول ہو، چاہے وہ خطوط کی حکایات کے ذریعے ہی سے ہو اور اس قول یا حکم میں تمام مسلمانوں نے اس کی

---

[1] معالم الدين (ص: ٤٠٥۔ ٤٠٦)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ١٠٣)

[3] **اصولِ کافی میں تین سال کی عمر میں امام کی امامت کا قول مذکور ہے۔ دیکھیں:** أصول الكافي، كتاب الحجة، باب الإشارة والنص على أبي جعفر الثاني (١/ ٣٢١) الإرشاد (ص: ٢٩٨) الطبرسي: إعلام الورىٰ (ص: ٣٣١) **ان دونوں میں مذکور ہے: "چاہے وہ تین سال سے بھی کم ہو۔"** بحار الأنوار (٢٥/ ١٠٢۔ ١٠٣)

مخالفت کی ہوتو اس معدوم کا، جس کا وجود ہی نہیں، قول معتبر ہوگا اور تمام مسلمانوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

اس مسئلے کے اثبات میں شیعہ عالم مفید کہتا ہے:

''اگر وہ (امام) ایسا قول کہے، جس کی مخلوق میں کسی نے بھی موافقت نہ کی ہو تو حجت اور دلیل کے لیے وہی کافی ہوگا۔''[1]

یہ مذہب انتہائی زیادہ باطل ہے، جس میں بحث مباحثے کی ضرورت نہیں۔ اسی لیے مفید نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس میں اس کے گروہ نے الگ راہ اپنائی ہے، وہ کہتا ہے:

''یہ خاص امامیہ کا مذہب ہے، اس میں معتزلہ، مرجیہ، خوارج اور اصحاب الحدیث ان کے مخالف ہیں۔''[2]

دوم: جو عامہ (اہلِ سنت) کے مخالف ہو، اسی میں ہدایت ہے:

جمہور مسلمانوں کے ہاں اجماع میں امت کے اجماع کو دیکھا جاتا ہے، کیوں کہ امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ [النساء: ۱۱۵][3]

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

---

[1] أوائل المقالات (ص: ۱۰۰)

[2] المصدر السابق.

[3] جو اجماعِ امت کی مخالفت کرتا ہے، وہ مومنوں کی راہ کا پیروکار نہیں رہتا۔ (دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام: ۱۹/ ۱۹٤) اسی لیے امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس کی مخالفت حرام ہے۔ انھوں نے بہت زیادہ غور وفکر اور طویل سوچ بچار کے بعد یہ بات کہی ہے اور یہ بہترین اور مضبوط استدلال ہے، اگرچہ کچھ لوگوں کو اس کی سمجھ نہیں آئی اور انھوں نے اس آیت میں اس دلالت کو بعید سمجھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۹۰) شیخ الاسلام کی اس آیت اور اجماع کے متعلق بڑی عمدہ اور بے مثال تحقیق ہے۔ دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱۹/ ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۹۲ وما بعدها) تفسیر القاسمي (۵/ ٤۵۹ وما بعدها)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ﴿وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یہ پہلی صفت کے ساتھ جڑی ہوئی بات ہے۔ کبھی مخالفت شارع کی نص کی ہوسکتی ہے تو کبھی اجماع امت کی، یقیناً انھیں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ وہ غلطی پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس مفہوم کی بہت زیادہ احادیث ہیں، بعض علما نے اس کے معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۹۰)

حدیثِ نبوی ہے:

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ امرِ الٰہی پر قائم رہے گا، جو ان کا ساتھ چھوڑے یا ان کی مخالفت کرے، وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، حتی کہ اللہ کا حکم آئے گا اور وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔''[1]

نیز آپ ﷺ سے کئی ایسی روایات اس معنی میں منقول ہیں کہ میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی۔[2]

یہ جمہور مسلمانوں کے ہاں ہے، رہا شیعہ کا گروہ تو ان کے ہاں اجماع میں امام کو دیکھا جاتا ہے، امت کو نہیں اور اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، جو بارہ اماموں کی امامت کا قائل ہو، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ، ان کے خیال کے مطابق، امام ان میں شامل ہو، یا ان کا اجماع امام کے قول کو ظاہر کرنے والا ہو، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب قول النبيﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق (٢/ ١٥٢٤) اسی معنی میں یہ حدیث صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب قول النبيﷺ لا تزال طائفة من أمتي... (٨/ ١٤٩) میں بھی موجود ہے۔

[2] حافظ سخاوی فرماتے ہیں: اس حدیث کا متن مشہور ہے، سندیں بہت زیادہ ہیں اور مرفوع وغیرہ کے کئی شواہد ہیں۔ (المقاصد الحسنة، ص: ٤٦٠) آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمھیں تین خصلتوں سے پناہ دی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم گمراہی پر اکٹھے نہیں ہو گے۔ (سنن أبي داود: ٤/ ٤٥٢، رقم الحديث: ٤٢٥٣)

حافظ ابن حجر "تلخیص" میں لکھتے ہیں: اس کی سند منقطع ہے۔ دوسری جگہ کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔ (عون المعبود: ١١/ ٣٢٦) امام احمد نے ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دے دیا۔'' (مسند أحمد: ٦/ ٣٩٦)

حافظ ابن حجر "تلخیص" میں لکھتے ہیں: ''اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن اس میں ایک مجہول راوی ہے۔ (عون المعبود: ١١/ ٣٢٦)

امام ترمذی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ امت محمد یہ کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے، جو جماعت سے علاحدہ ہوا، وہ آگ میں چلا جائے گا۔'' ابو عیسیٰ کہتے ہیں: "حديث غريب من هذا الوجه" (سنن الترمذي: ٤/ ٤٦٦، رقم الحديث: ٢١٦٧) حافظ ابن حجر "تخريج المختصر" میں کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، اسے ابو نعیم نے "الحلية" اور ''لالکائی'' نے "السنة" میں نقل کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، لیکن وہ معلول ہے۔ حاکم نے کہا ہے: اگر یہ محفوظ ہوتی تو میں صحیح کی شرط پر اس پر صحت کا حکم لگاتا، لیکن اس میں معتمر بن سلیمان پر اختلاف ہوا ہے اور اس میں سات اقوال ہیں، پھر انھوں نے وہ سارے ذکر کیے ہیں، یہی اضطراب کا سبب ہے اور مضطرب ضعیف کی قسم ہے۔ (بحواله فيض القدير: ٢/ ٢٧١) سنن ابن ماجہ کے الفاظ ہیں: « إن أمتي لا تجتمع على ضلالة » (سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب السواد الأعظم: ٢/ ١٣٠٣، رقم الحديث: ٣٩٥٠) اسے امام سیوطی نے ''الجامع'' میں ذکر کیا ہے اور اس پر صحت کی علامت لگائی ہے۔ (فيض القدير: ٢/ ٤٣١) لیکن سندھی نے کہا ہے: ''زوائد میں ہے: اس کی سند میں ابو خلف اعمی ہے، اس کا نام حازم بن عطا ہے اور وہ ضعیف ہے۔'' (حاشيه سندهي على سنن ابن ماجه: ٢/ ٤٦٤)

حافظ عراقی رحمہ اللہ بیضاوی کی احادیث کی تخریج میں ذکر کرتے ہیں: ''یہ حدیث کئی طرق سے آئی ہے اور وہ سب محلِ نظر ہیں۔ (المصدر السابق) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس کے کئی طرق ہیں، لیکن کوئی بھی کلام سے خالی نہیں۔'' (بحواله فيض القدير: ٢/ ١٢٠٠) اس کو علمائے اصول نے بھی استدلال کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: المستصفیٰ (١/ ١٧٥) الآمدي: الإحكام (١/ ٢١٩)

ہے، لیکن امتِ محمد یہ کے مجتہد علما کے اتفاق کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ بلکہ بات ان کے اجماع کو معتبر نہ ماننے سے بڑھ کر یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت ہی میں ہدایت ہے! یہ مخالفت کا اصول ان کے ہاں ترجیح کے قواعد میں ایک قاعدے اور ان کے مذہب کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان کی ایسی عبارات کثیر تعداد میں ہیں، جو اس اصول کی تاکید کرتی اور اس کی دعوت دیتی ہیں۔ چناں چہ اصولِ کافی میں ایک سوال مذکور ہے، جو ان کے کسی امام سے کیا گیا ہے:

''اگر ہمیں دو روایات ملیں، ایک عامہ یعنی اہلِ سنت کے مطابق ہو اور دوسری ان کے مخالف تو کون سی روایت لی جائے گی؟ تو جواب آیا: جو عامہ کی مخالفت کرے، اس میں ہدایت ہے۔ میں نے (راوی) نے کہا: میں آپ پر قربان ہوں! اگر دونوں روایات ان (عامہ) کے موافق ہوں؟ انھوں نے کہا: دیکھا جائے گا کہ ان کے حکمران اور قاضی کس کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں تو ایک کو ترک کر دیا جائے گا اور دوسری کو لے لیا جائے گا۔ میں نے کہا: اگر ان کے حکام دونوں خبروں کے ساتھ موافقت رکھیں؟ اس نے کہا: اگر ایسی صورت ہو تو اس کو موخر کر دو، یہاں تک کہ تم اپنے امام کو ملو، کیوں کہ شبہات کے وقت توقف کرنا، ہلاکتوں میں کودنے سے بہتر ہے۔''[1]

شیعہ کے ثقہ عالم کلینی نے ذکر کیا ہے کہ ان کی روایات میں اختلاف کے وقت وجوہِ تمییز میں سے ان کے امام کا یہ قول بھی ہے:

''جو روایت قوم (اہلِ سنت) کی موافقت میں ہو، اسے چھوڑ دو، کیوں کہ ہدایت ان کی مخالفت میں ہے۔''[2]

ابوعبداللہ نے (جس طرح یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں) کہا:

''جب تمھارے پاس دو مختلف احادیث آئیں تو اس کو لو، جو قوم کی مخالفت کرتی ہو۔''[3]

حسن بن جہم سے مروی ہے، وہ کہتا ہے:

''میں نے نیک بندے (امام علیہ السلام) سے کہا: جو آپ کی طرف سے ہمارے پاس آتا ہے، کیا ہمیں اسے تسلیم کیے بغیر چارہ ہے؟ اس نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! تمھارے پاس ہماری بات کو تسلیم کیے

---

[1] الكليني: أصول الكافي (١/ ٦٧ـ ٦٨) ابن بابويه القمي: من لا يحضره الفقيه (٣/ ٥) الطوسي: التهذيب (٦/ ٣٠١) الطبرسي: الاحتجاج (ص: ١٩٤) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٨/ ٧٥ـ ٧٦)

[2] أصول الكافي، خطبة الكتاب (ص: ٨) دیکھیں: وسائل الشيعة (١٨/ ٨٠)

[3] وسائل الشيعة (١٨/ ٨٥)

بغیر کوئی چارہ نہیں، تو میں نے کہا: ابوعبداللہ سے ایک بات مروی ہوتی ہے، پھر اس سے اس کے خلاف بھی مروی ہوتی ہے تو کون سی بات ہم لیں؟ اس نے کہا: اس کو لے جس میں وہ قوم (اہلِ سنت) کی مخالفت کرتا ہے اور جو قوم کی موافقت میں ہو، اسے چھوڑ دے۔"[1]

اس اصول کو اختیار کرنے کی وہ یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ ابو بصیر، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

"خدا کی قسم! تم کسی چیز پر نہیں ہو، جس پر وہ ہیں اور جس چیز پر تم ہو، وہ اس پر نہیں، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، وہ حنیفیت (اسلام) میں سے کسی چیز پر نہیں۔"[2]

یہ بے دین لوگ جو امت میں افتراق اور اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں، ان جاہل پیروکاروں کو دھوکے کے جال میں پھنسائے ہوئے ہیں، جن کی غور وفکر کی صلاحیتیں بے کار ہو چکی ہیں، ان کے دل نام نہاد "آلِ بیت کے مصائب" سے بھرے پڑے ہیں اور ان کی عقلیں بہت بڑے ثواب کے نشے میں مخمور ہیں، جو محض حبِ آلِ بیت کی بنا پر ان کی راہ دیکھ رہا ہے۔

یہ ملحدین ان پیروکاروں کو یہ جھانسا دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس اصول کے پیچھے یہ قاعدہ کارفرما ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کی فرماں برداری میں جو بھی موقف اختیار کرتے، امت ان کے حکم کو معطل کرنے کے لیے ان کی مخالفت کرتی، وہ امیر المومنین سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتے، جس کو وہ لوگ نہیں جانتے تھے، جب وہ ان کو فتویٰ دیتے تو وہ اس کو اپنی طرف سے بنا کر پیش کرتے، تاکہ لوگوں پر اس کو مشتبہ بنا دیں۔"[3]

باوجودیکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں حضرت علی سے مشورہ لیتے، ان کے قول کو اختیار کرتے اور ان کے فتوے پر عمل کرتے اور صحابہ اپنے مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔[4]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"میں اس امت میں زندہ نہیں رہ سکتا، جس میں اے ابوالحسن! تم نہ ہو۔[5] میں اس مشکل میں نہ زندہ

---

[1] وسائل الشيعة (١٨/ ٨٥)

[2] المصدر السابق.

[3] ابن بابويه: علل الشرائع (ص: ٥٣١) وسائل الشيعة (١٨/ ٨٣)

[4] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ١٦٠) اس میں انھوں نے ابن المطہر کا کلام نقل کیا ہے۔

[5] مناقب آلِ أبي طالب (١/ ٤٩٢۔ ٤٩٣) الصادقي: علي و الحاكمون (ص: ١٢٠)

رہوں، جس کو حل کرنے کے لیے ابو الحسن نہ ہو۔''[1]

لہٰذا ہم ان دو اقوال میں سے کس کو لیں اور کس کی تصدیق کریں؟ لیکن تناقض ان جھوٹوں کی عادت ہے اور جھوٹ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے پیروکاروں کو یہ درج ذیل وصیت کرتے ہیں، جو اختلاف کو مزید گہرا کرتی، اس کے تسلسل کی ضمانت دیتی اور اس گروہ کو مسلمانوں کی جماعت اور ان کے اجماع سے علاحدہ کرنے کی ذمے داری اٹھاتی ہے۔ علی بن اسباط سے روایت ہے، وہ کہتا ہے:

''میں نے رضا سے کہا: کوئی ایسا معاملہ رونما ہو جاتا ہے، جس کو جاننا میرے لیے ضروری ہوتا ہے، لیکن جس علاقے میں مَیں رہ رہا ہوں، وہاں آپ سے اظہار ولاء کرنے والا کوئی نہیں، جس سے میں اس کے متعلق فتویٰ لوں؟ اس نے کہا: فقیہِ شہر کے پاس جا اور اس سے اپنے معاملے کے متعلق پوچھ، اگر وہ تجھے کوئی فتویٰ دے تو اس کے خلاف عمل کرو، کیوں کہ حق اسی میں ہے۔''[2]

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے شیعہ کے ایک عالم کا کہنا ہے:

''اس گروہِ حق پر اللہ تعالیٰ کی جملہ نعمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے شیطان اور عامہ کے علما کے درمیان راہ خالی کر دی ہے، اس نے ان کو تمام نظری مسائل میں گمراہ کر دیا ہے، یہاں تک کہ ان کے خلاف بات کو اختیار کرنا، ہمارے لیے ضابطہ بن چکا ہے، اس کی مثال وہ قول ہے، جو عورتوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان سے مشورہ کرو اور ان کی مخالفت کرو۔''[3]

یہ عبارتیں انتہائی زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ کسی ایسے ملحد اور بے دین کی وضع کردہ ہیں، جس نے امت اور دین کو نقصان پہنچانا چاہا ہے، اس نے یہ چاہا ہے کہ اس قوم کے لیے اسلام سے نکلنے کا ایک وسیع دروازہ کھول دے کہ وہ دین کے ہر اس کام کی مخالفت میں چلیں، جس پر امتِ اسلام قائم ہے۔

جس قوم کے عقائد اس طرح کے ہوں، وہ کس طرح اتحاد بین المسلمین کی دعوت دیتی ہے اور کس طرح وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان اہلِ سنت کے ساتھ مل بیٹھنے کا امکان ہے، جن کی مخالفت میں رشد و ہدایت ہے؟!

اس نظریے کا تنقیدی پہلو:

اس جائزے کے دوران میں جو سرسری باتیں ہم نے عرض کی ہیں، ان کے ساتھ ساتھ مسئلے کی مزید

---

[1] الإرشاد للمفيد (ص: ٩٧۔ ٩٨) مناقب آلِ أبي طالب (١/ ٤٩٤)

[2] ابن بابويه: علل الشرائع (ص: ٥٣١) الطوسي: التهذيب (٦/ ٢٩٥) وسائل الشيعة (١٨/ ٨٢۔ ٨٣) بحار الأنوار (٢/ ٢٣٣)

[3] الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة (ص: ٧٠۔ ٧١)

وضاحت کے پیش نظر چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں۔

جہاں تک اجماع کی حجیت کے ثبوت کا تعلق ہے تو اصول کی کتابوں نے اس کی تفصیل اور دلائل کی ذمے داری کو قابلِ کفایت حد تک نبھا دیا ہے۔ شیعہ اجماع کا نام کی حد تک تو اقرار کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس کی مخالفت کرتے ہیں، جس طرح پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

شیعہ کے ایک معاصر عالم مغنیہ نے اپنے قدیم شیعہ کا اجماع کے قول پر اتفاق نقل کیا ہے، نیز متاخرین نے اس کو اپنے دلائل کے اصول میں تو شمار کیا ہے، لیکن اس پر اعتماد نہیں کیا۔[1]

اس کا یہ مطلب ہوا کہ انھوں نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے، جس کو وہ اپنے دلائل کے اصول میں شمار کرتے ہیں۔ یا پھر یہ ہے کہ قدیم شیعہ نے گمراہی پر اتفاق کر لیا یا ان کے متاخرین نے اس حق کی مخالفت کی، جس پر ان کے متقدمین کا اجماع اور اتفاق تھا۔

بات جو بھی ہو، حقیقت یہی ہے کہ ہر ایک بات کا انجام انکار کی صورت ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کے بعض علما نے خصوصاً اصول کی کتابوں میں اس موضوع پر بہت زیادہ دعوے کیے ہیں، لیکن اجماع کا دعویٰ بحث و تفتیش کے نتیجے میں محض لغو ثابت ہوتا ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں، علاوہ ازیں اس اجماع تک پہنچنے میں ان کی وہ حیرت، جسے یہ ''برہان جلی'' کا نام دیتے ہیں، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ کسی اصول پر جمتے نہیں۔ اس کی سب سے واضح مثال ان کا اجماع کے ثبوت کے لیے مجہول النسب عالم کی اس حیثیت سے شرط لگانا ہے کہ ہوسکتا ہے، وہی امام غائب ہو۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کو ان کی سب سے بڑی جہالت شمار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> میں نے ان کے علما کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ جب ان کا کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے اور اس میں دو اقوال ہوں، ایک کہنے والا معروف ہو، جب کہ دوسرے کا کہنے والا مجہول تو ان کے ہاں درست قول وہ ہوتا ہے، جس کا قائل مجہول ہو۔''
>
> وہ کہتے ہیں:
>
> ''کیوں کہ اگر اس کا قائل معروف نہیں تو یہ معصوم کا قول ہے۔ کیا یہ سب سے بڑی جہالت نہیں؟''

تعجب کیجیے کہ یہ کس طرح کسی قول کے عدمِ علم اور عدمِ صحت کو اس کی صحت کی دلیل قرار دیتے ہیں!

---

[1] دیکھیں (ص: ۴۳۸، ۴۳۹)

یہ کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرا قول جس کا قائل مجہول ہے، وہ معصوم کا قول ہے؟ ایسا ہونا کیوں ناممکن نہیں کہ معصوم نے اس قول کی موافقت کی ہو، جس کا قائل معروف ہے اور دوسرا قول ایسے شخص نے کہا ہو، جس کو سمجھ ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، بلکہ ہوسکتا ہے، وہ کسی انسان یا جن شیطان نے کہا ہو؟!

یہ جہالت کو جہالت کے ساتھ ثابت کرتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے قائل کے عدمِ علم کو معصوم کا قول قرار دینے کی دلیل بنایا ہے۔ جو نورِ سنت سے اعراض کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دے کر بھیجا، تو وہ بدعت کے تہہ درتہہ اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔[1]

شیعہ عالم حر عاملی، مصنف الوسائل، نے ان کے اس موقف پر تنقید کی ہے،[2] وہ کہتا ہے:

> ''ان کا مجہول النسب کا ان میں داخل ہونے کو مشروط قرار دینے کا قول عجیب وغریب ہے۔ ایسی کون سی دلیل ہے، جو اس پر دلالت کرتی ہے؟ اس کے ساتھ اس کے معصوم ہونے کا علم یا اس کا گمان کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟''[3]

ایک اور بات جو اس سے اہمیت میں کم نہیں، وہ یہ ہے کہ ایک بچہ ایک پانچ سالہ زیرِ پرورش بچے کے قول کو پوری امت کے قول کے قائم مقام کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ بلکہ امت کا اجماع رد کر دیا جاتا ہے اور ایک بچے یا معدوم کا قول لیا جاتا ہے۔ یہ فساد کی انتہا ہے!

اگر آپ ان کے برائے نام اجماع کو تلاش کریں، جو معصوم کی رائے ظاہر کرتا ہے، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، تو آپ کو ایسی روایات ملیں گی، جو ایک دوسری کے ساتھ ٹکراتی ہیں، جس طرح آپ تہذیب اور استبصار کی روایات میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ شیخ الطائفہ نے ''مقدمة التهذيب'' میں اس کی وضاحت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ نظریہ بہت زیادہ لوگوں کا شیعہ مذہب ترک کرنے کا سبب بنا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[4]

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شیعہ کے ہاں سب سے اہم مسئلہ امام کا مسئلہ ہے، جس کی تعیین میں شیعہ کے فرقوں اور مذاہب میں بہت زیادہ تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کے متعلق ان کے رجحانات میں شدید اضطراب ہے۔ فریقین کی فرقوں اور نظریات کے موضوع پر کتابیں اس کے بیان اور تفصیل سے بھری پڑی ہیں۔

---

[1] منهاج السنة (٣/ ٢٦٥۔ ٢٦٦)

[2] کیوں کہ یہ اخباری ہے، جو اجماع کی دلیل کے قائل نہیں۔

[3] مقتبس الأثر (٣/ ٦٣)

[4] دیکھیں (ص: ٣٩٣)

لہٰذا اجماع کہاں رونما ہوا؟ یہاں تو مذہب کی اصل اور بنیاد ہی میں اختلافات اور تنازعات کا ایک جہاں آباد ہے! ایسے ہی آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاں اجماع کے دعوے باہم متضاد ہیں۔ شیعہ جہاں بھی مسائل میں جماعت مسلمین سے علاحدہ ہوئے ہیں اور ان پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، یہ تمام اقوال خواہ اصول میں ہوں یا فروع میں، فساد کی انتہا کو چھو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا اس منتظر پر ایمان، جو پیدا ہی نہیں ہوا، امام کے اوصاف اور معجزات میں مبالغہ آرائی، اس طرح کے دیگر کئی شاذ مسائل ہیں، جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

بلکہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''شیعہ کا کوئی ایک بھی ایسا قول نہیں، جس پر ان کا اتفاق ہو۔''[1]

یہ ایسا سچ ہے، جس کا خود شیعہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ اصولِ کافی میں ہے:

''زرارہ بن اعین ابوجعفر سے روایت کرتا ہے کہ میں نے ان سے ایک مسئلے کے متعلق سوال کیا تو اس نے مجھے جواب دیا، پھر اس کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے بھی اس کے متعلق سوال کیا، تو انھوں نے اس کو اس جواب کے الٹ جواب دیا، جو مجھے دیا تھا، پھر ایک اور آدمی آیا تو اس کو میرے جواب اور میرے بعد میں آنے والے کے جواب کے برعکس جواب دیا۔ جب دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے کہا: اے رسول اللہ کے فرزند! دو عراقی آپ کے شیعہ آپ کے پاس سوال لے کر آئے، آپ نے دونوں کو علاحدہ علاحدہ جواب دیا؟ انھوں نے کہا: اے زرارہ! یہ ہمارے لیے اور تمھارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ جو کچھ تم ہم سے بیان کرتے ہو، اس کی تصدیق کرنا شروع کر دیں گے، اور یہ ہماری بقا اور تمھاری بقا کو کم کرنے کا موجب ہوگا۔''[2]

یہ عبارت اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ تقیے کے عقیدے کی بنا پر ان کے اقوال اور آرا میں اختلاف اور تباین ان کے مذہب کے اصول میں شامل ہے، تاکہ ،ان کے دعوے کے مطابق، شیعہ کے دشمن ان کے مذہب سے واقف نہ ہو جائیں، جس کے نتیجے میں مذہب ضائع ہوگیا اور ائمہ کی رائے کی حقیقت پوشیدہ ہی رہی، لہٰذا اس اختلاف اور اضطراب کے سائے میں کسی قول یا حکم پر کس طرح اجماع ہوسکتا ہے؟!

امام ابوجعفر یقیناً اس سے بری ہیں، لیکن یہ ملحدین کی اختراع ہے، تاکہ شیعہ ابوجعفر اور دیگر علماے آلِ بیت کی آرا سے واقف نہ ہوسکیں اور ان کے لیے ان کے کفر اور غلو کو پھیلانا آسان ہو جائے۔ اسی طرح اگر ائمہ

[1] منهاج السنة (٢/ ١٢٩)

[2] أصول الكافي (١/ ٦٥)

اہلِ بیت اس غلو کی تکذیب کریں تو کہتے ہیں: یہ تقیے کی وجہ سے ہے!!

تحفہ اثنا عشریہ کے مولف علامہ ہند فرماتے ہیں:

''ان کا دعویٰ کہ اجماع ان کے دلائل میں سے ہے، باطل ہے، کیوں کہ یہ ان کے ہاں اصالتاً حجت نہیں، بلکہ قولِ امام پر مشتمل ہونے کی بنا پر ہے، تو حجت امام کے قول میں ہے، نفسِ اجماع میں نہیں۔ یہ امام کی عصمت کے ثبوت میں بھی اختلاف کرتے ہیں، جس طرح اس کی تعیین میں اختلاف کرتے ہیں۔

''ایسے ہی صدر اول، یعنی امت میں اختلاف رونما ہونے سے پہلے، کا اجماع ان کے ہاں غیر معتبر ہے، کیوں کہ ان تمام نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کی عدمِ تقسیم اور متعے کی حرمت پر اجماع کیا تھا، جو ان کی نگاہ میں باطل ہے۔ اگر یہ اجماع ان کے ہاں غیر معتبر ہے تو امت میں اختلاف اور کئی فرقے پیدا ہونے کے بعد خصوصاً اختلافی مسائل میں، جن میں استدلال اور قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اجماع کا کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے؟''

اس کے بعد تحفہ کے مصنف ان کے ہاں تناقض کی کئی صورتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:

''ان کے بعض فرقے کسی معاملے میں اپنے فرقے کا اجماع نقل کرتے ہیں تو دوسرے اس کی تکذیب کرتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے عالم شہید ثانی نے، جو ان کے جلیل القدر علما میں سے ہے، اس موضوع پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے کہ شیخ الطائفہ نے کئی جگہوں پر اپنے فرقے کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور دوسری جگہوں[1] میں اس کے خلاف کہہ دیا ہے۔

اس کے بعد تحفہ کے مصنف نے اس کی عبارت نقل کی ہے۔[2]

---

[1] شیعہ عالم زین الدین عاملی نے جو ان کے ہاں ''شہیدِ ثانی'' کے لقب سے مشہور ہے، ۴۰ مسائل ذکر کیے ہیں، جن میں شیخ الطائفہ طوسی نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور دوسری جگہوں پر ان میں سے اکثر کی مخالفت کی ہے۔ ایسے ہی ان کے بعض علما اپنے تفردات پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ شیعہ عالم مجلسی نے اس روش کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے جب فروع کی طرف رجوع کیا تو بھول گئے کہ اصول میں کیا مقرر کیا ہے، اس لیے انھوں نے اکثر مسائل میں اجماع کا دعویٰ کر دیا، چاہے ان میں اختلاف ظاہر ہوا یا نہ ہوا، اس نے منقول روایات کی موافقت کی یا نہ کی۔ دیکھیں: الشيعة في الميزان (ص: ٣٢٣)

یہ ضروری نہیں کہ اس کا سبب بھولنا ہی ہو، جس طرح مجلسی کہتا ہے، بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی فروع کی کتابیں غالباً اہلِ سنت کی کتابوں سے منقول ہیں، لہٰذا وہ ان کی امامت کے مسائل میں آرا سے علاحدہ ہوگئی ہیں۔

[2] دیکھیں: تحفة الأثنا عشرية (ورقة: ١١٨ قلمی نسخه) مختصر التحفة (ص: ٥١)

میں کہتا ہوں: ان کا یہ مذہب کہ اجماع اس اعتبار سے حجت ہے کہ وہ صرف معصوم کی رائے ظاہر کرتا ہے، اس حیثیت سے حجت نہیں کہ امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی، جس طرح اہلِ سنت کا موقف ہے، یہ حقیقت میں اجماع کا انکار ہے، کیوں کہ اس میں ان کے نزدیک ثابت شدہ حدیث: ''میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی۔''[1] کی مخالفت ہے۔ یہ حدیث اہلِ سنت کی سندوں سے بھی وارد ہوئی ہے، جس کی تخریج گزر چکی ہے۔[2]

لہٰذا اس نص کو کیوں نہیں لیا جاتا، جس سے دونوں فریق استدلال کرتے ہیں؟ یہی نہیں بلکہ ان کی کتاب ''الاحتجاج'' میں، جو ان کی معتبر کتاب ہے، جس طرح مجلسی وغیرہ نے کہا ہے، ابوالحسن علی بن محمد عسکری سے یہ روایت آئی ہے، یہ ایک لمبی حدیث ہے، جس میں اس نے کہا ہے:

> ''ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے، ان میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن امت کے تمام فرقوں کے نزدیک حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں، وہ اس بات پر اجماع کی حالت میں ہیں اور وہ درست ہیں، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی تصدیق میں صحیح راہ پر ہیں، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی''۔
>
> ''تو اس نے یہ بتایا کہ جس بات پر امت کا اجماع ہو اور اس میں وہ ایک دوسرے کی مخالفت نہ کریں تو وہ حق ہوگا۔ یہ حدیث کا مفہوم ہے، وہ بات نہیں جو جاہلوں نے تاویل کی یا دشمنوں نے کتاب اللہ کے حکم کو منسوخ کرنے، جھوٹی اور جعلی روایات کو قبول کرنے اور کتاب اللہ کی واضح اور روشن آیات کی مخالفت میں ہلاکت خیز خواہشات کی اتباع کرنے کے لیے کہا ہے۔''[3]

اس عبارت میں آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے امام نے یہ نہیں کہا: اس کو دیکھو جس پر اس جماعت کا اتفاق ہے، جن میں معصوم ہے اور دوسری جماعت کی رائے ترک کر دو، نہ یہ کہا ہے کہ اس جماعت یا مجہول النسب شخص کو تلاش کرو، ہوسکتا ہے منتظر اس جماعت کے اندر ہو یا وہ مجہول النسب خود ہی امام ہو، بلکہ یہ کہا ہے کہ جس پر امت کا اجماع ہوا ہے اور انھوں نے اس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کی تو وہ حق ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ حق کے درست ہونے کی اساس کتاب وسنت پر اعتماد کرنا ہے اور اجماع کی صورت میں حق کا درست ہونا نبی کریم ﷺ کے اس فرمان: ''میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی'' سے ثابت ہے۔

---

[1] دیکھیں: الشعراني: تعاليق علمية (٢/ ٤١٤)

[2] دیکھیں: (ص: ۴۴۵)

[3] بحار الأنوار (٢/ ٢٢٥)

یہ حدیث جمہور مسلمانوں کی اجماع کی حجیت ثابت کرنے والی دلیلوں میں سے ایک حدیث ہے اور اس نے اس کے علاوہ جھوٹی روایات قبول کرنے سے خبردار کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ گروہ راہِ شذوذ کیوں اختیار کرتا ہے؟ ان جھوٹی روایات کو کیوں قبول کرتا ہے؟ اپنے امام کے قول کو کیوں نہیں اپناتا؟ امت کے خلاف کیوں چلتا ہے؟ اس کے اجماع کو کیوں تسلیم نہیں کرتا اور اس کے مقابلے میں ایک چھوٹے سے بچے یا معدوم کی رائے کو اپناتے ہوئے پوری امت کے اجماع کو کیوں چھوڑتا ہے؟!

یہ سارے سوالات اس وجہ سے ہیں کہ کسی زندیق نے یہ اصول گھڑ دیا کہ جس میں عامہ کی مخالفت ہو، اسی میں بھلائی اور ہدایت ہے۔ چناں چہ ''انھوں نے اہلِ سنت والجماعت کی مخالفت کو، جو نبی اکرم ﷺ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہیں، نجات کے لیے اصل اور قاعدہ قرار دے دیا، لہٰذا جونہی اہلِ سنت کوئی کام کرتے، وہ اس کو چھوڑ دیتے اور اگر وہ کسی چیز کو ترک کرتے تو یہ اس کو اپنا لیتے، اس طرح یہ لوگ دین سے بالکل خارج ہوگئے۔ یہی کھلی گمراہی اور یقینی ہلاکت ہے۔''[1]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ [النساء: ١١٥]

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

اگر یہ قاعدہ یعنی ''جو عامہ کے مخالف ہو، اسی میں ہدایت ہے۔'' ایسے ہی ہوتا، جس طرح یہ گروہ عقیدہ رکھتا ہے تو ائمہ سب سے پہلے اس کو اپنی ذات پر لاگو کرتے، جب کہ وہ حقیقت جس میں شیعہ بھی ہمارے ساتھ موافقت کرتے ہیں، یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مخالفانہ کوئی راہ نہیں اپنائی، بلکہ وہ تو، ان کے عالم شریف مرتضیٰ کے بہ قول: ان کی آرا میں داخل تھے، ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے، ان کا عطیہ قبول کرتے، ان کی لونڈیوں سے نکاح کرتے، ان کے ساتھ نکاح کا رشتہ قائم کرتے اور شوریٰ میں داخل تھے، وغیرہ[2]

---

[1] الآلوسي: كشف غياهب الجهالات (الورقة: ٦)

[2] المرتضىٰ: تنزيه الشريعة (ص: ١٣٢)

جس چیز پر انھوں نے اجماع کیا، وہ ان کے مخالف نہیں چلے۔ آپ رضی اللہ عنہ اختلاف ناپسند کرتے تھے، جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''ایسے ہی فیصلے کرو، جیسے تم کیا کرتے تھے، میں اختلاف ناپسند کرتا ہوں، تا کہ لوگ ایک جماعت بنے رہیں۔''[1]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''میں اختلاف ناپسند کرتا ہوں۔ یعنی وہ اختلاف جو نزاع کا سبب بنے۔''

امام ابن التین کہتے ہیں:

''اس مخالفت سے مراد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت ہے، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ مخالفت ہے، جو نزاع اور فتنے کا سبب بنے، اس بات کی تائید اس کے بعد والی ان کی یہ بات بھی کرتی ہے کہ ''تا کہ لوگ جماعت بنے رہیں۔''[2]

لہٰذا شیعہ جہاں بھی الگ ہوتے ہیں اور شذوذ اختیار کرتے ہیں، تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ نہیں، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اجماع میں امت کے ساتھ تھے، کیوں کہ اسی میں راستی ہے، نہ کہ ان کی مخالفت میں، جس طرح امت کے خلاف بغض رکھنے والا یہ گروہ دعویٰ کرتا ہے، جس کا کام ہی افتراق و انتشار پیدا کرنا ہے۔ اس لیے ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امت کی موافقت کرنے کا تقیے کے دعوے کے علاوہ کوئی جواب نہیں پاتے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔نعوذ باللہ۔ صحابہ کرام کے ساتھ منافقانہ رویہ رکھتے تھے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس افترا سے بَری رکھا ہے۔

یہ ایسا دعویٰ ہے جو دین اور شریعت تو ایک طرف عقل اور تاریخ کے بھی مخالف ہے، لہٰذا شیعہ علما، جس طرح آپ دیکھتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر، اس خود ساختہ قاعدے کی تطبیق ثابت نہیں کر سکے، بلکہ انھوں نے اپنے عالم شریف مرتضیٰ کی زبان سے ان کی امت کی موافقت کا اقرار کیا ہے، حتی کہ ان کی خلافت اور امور جہانبانی سنبھالنے کے وقت بھی جس کے ہوتے ہوئے تقیہ ختم ہو جاتا ہے، وہ یہ ثابت نہیں کر سکے کہ انھوں نے امت کی موافقت سے انکار کیا ہو۔

شیعہ عالم نعمت اللہ جزائری کہتا ہے:

---

[1] صحيح البخاري مع فتح الباري (٧/ ٧١)

[2] فتح الباري (٧/ ٧٣)

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو اس قرآن کو چھپانے اور اس کے اظہار پر قادر نہ ہوئے، کیوں کہ اس کی وجہ سے ان کے سابقہ (خلفا) کی برائی اور عیب کا اظہار ہوتا ہے، ایسے ہی وہ نمازِ ضحیٰ کو روکنے، حج اور عورتوں کے متعے کو جاری کرنے، قاضی شریح کو منصبِ قضا اور معاویہ کو گورنری سے معزول کرنے پر قادر نہ ہوئے۔''[1]

فریقین کے اقتباسات سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امت کے اجماع کی مخالفت نہیں کی، جب کہ امامیہ نے اپنے لیے امت کی مخالفت کا اصول وضع کر کے ان کے طریقہ کار کی مخالفت کی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور طرفدار ہیں نہ وہ ہی ان کے امام ہیں!!

---

[1] الأنوار النعمانية (٢/ ٣٦٢)

دوسرا باب

اصولِ دین کے متعلق شیعہ کا عقیدہ

اس باب میں چار فصلیں ہیں:

پہلی فصل: توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

دوسری فصل: توحیدِ ربوبیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

تیسری فصل: اسما وصفات کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

چوتھی فصل: ایمان اور ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

پہلی فصل

توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ

توحیدِ الوہیت سے مراد ہے کہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، کیوں کہ وہی ذات یہ استحقاق رکھتی ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی بے لوث بندگی کی جائے اور عبادت کی کوئی بھی قسم اس کے علاوہ کسی اور کے لیے نہ بجالائی جائے۔[1]

یہی وہ توحید ہے، جس کی انبیاے کرام نے دعوت دی ہے، کیوں کہ یہ بات معلوم ہے کہ ان کی اقوام توحیدِ ربوبیت کا اقرار کرتی تھیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کے متعلق بتایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا:

﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الأعراف: ٥٩، ٦٥، ٧٣، ٨٥]

''اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہی رسولوں کی عام دعوت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل: ٣٦]

''اور بلاشبہہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الأنبياء: ٢٥]

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔''

یہی نجات کی اصل اور عبادات کی قبولیت کی اساس ہے۔ فرمایا:

---

[1] توحیدِ الوہیت کی تعریف کے متعلق دیکھیں: شرح الطحاوية (ص: ١٦) لوامع الأنوار (١/ ٢٩) العزيز الحميد (ص: ٣٦) وغيرها.

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: ٤٨]

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا۔''

تو کیا شیعہ نے اس بنیادی قاعدے اور مضبوط رکن کا خیال رکھا ہے یا ان کا ائمہ کے متعلق اعتقاد ان کے عقیدہ توحید پر بھی اثر انداز ہوا ہے؟

درج ذیل سات مباحث میں ہم ۔ان شاء اللہ۔ اسی موضوع پر گفتگو کریں گے۔

پہلی بحث: شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اصولِ دین میں سب سے اہم اصل اور مسئلہ جس میں لوگ گمراہی کا شکار ہوئے ہیں، یعنی توحیدِ عبادت، اس کے متعلق ذکر ہونے والی قرآنی آیات کی سب سے اہم غایت یہ ہے کہ حضرت علی اور ائمہ کی ولایت ثابت کی جائے اور ان کے ساتھ امامت میں کسی کو بھی شریک نہ کیا جائے۔

دوسری بحث: شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ قبولِ اعمال کی بنیاد بارہ اماموں کی امامت اور ولایت پر ایمان رکھنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین رکھنا۔

تیسری بحث: ان کا یہ نظریہ ہے کہ ائمہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں، اسی لیے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور خوف و رغبت کے ساتھ ان کو پکارتے ہیں۔

چوتھی بحث: ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ائمہ شریعت سازی اور حرام و حلال قرار دینے کا حق رکھتے ہیں۔

پانچویں بحث: شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی مٹی ہر بیماری کا علاج اور ہر خوف سے محفوظ رکھنے والی ہے۔

چھٹی بحث: یہ لوگ مصیبتوں سے چھٹکارا پانے اور پریشانیوں سے دور رہنے کے لیے مختلف نقوش اور رموز کے ذریعے دعا کرتے ہیں اور طلبِ ہدایت کے لیے مجہول و نامعلوم سے مدد مانگتے ہیں۔

ساتویں بحث: زمانہ جاہلیت کے رِقاع (ٹکڑوں) سے مشابہ اشیا کے ساتھ استخارہ کرنا۔[1]

---

[1] ان آخری چار مسائل کو ایک دوسری صورت میں توحیدِ ربوبیت کے ساتھ ملانا ممکن ہے اور بلاشبہہ توحیدِ الوہیت توحیدِ ربوبیت کو شامل ہے اور توحیدِ ربوبیت توحیدِ الوہیت کے لیے لازم۔

پہلی بحث

توحید کی وہ آیات جو شیعہ نے ولایتِ ائمہ پر محمول کی ہیں

سب سے پہلے ہمیں یہ دھچکا لگتا ہے کہ وہ قرآنی آیات جو خداے واحد کی عبادت کا حکم دیتی ہیں، انھوں نے ان کا معنی حضرت علی اور ائمہ کی امامت میں تبدیل کر دیا ہے اور وہ نصوص جو شرک سے منع کرتی ہیں، انھوں نے ان سے مقصود ائمہ کی ولایت میں شرک ٹھہرانا قرار دے دیا ہے۔

پہلی آیت:

اس آیت:﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر: ٦٥]

''اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا۔''

کی تفسیر میں شیعہ کی حدیث کی صحیح ترین کتاب ''الکافي''[1] اور تفسیر میں معتمد کتاب ''تفسیر القمي''[2] اور ان کی دیگر معتبر کتب[3] میں منقول ہے:

''یعنی اگر تم نے ولایت میں اس کے علاوہ کسی کو شریک ٹھہرایا۔''[4]

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

''اگر تم نے اپنے بعد علی (رضی اللہ عنہ) کی ولایت کے ساتھ کسی دوسرے کی ولایت کا حکم دیا تو ضرور بہ ضرور تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے۔''[5]

---

[1] أصول الكافي (١/ ٤٢٧) رقم (٧٦)

[2] تفسير القمي (٢/ ٢٥١)

[3] دیکھیں: البرهان (٤/ ٨٣) و تفسير الصافي (٤/ ٣٢٨)

[4] یہ الفاظ شیعہ عالم کلینی نے اپنی کتاب ''الکافي'' میں کہے ہیں۔

[5] یہ الفاظ قمی نے اپنی تفسیر میں کہے ہیں۔

برہان کے مصنف نے تفسیرِ قرآن میں اس سابقہ آیت کی تفسیر میں اس مذکورہ مفہوم کی چار روایات درج کی ہیں۔[1]

ان کے ہاں اس آیت کا شانِ نزول کچھ اس طرح مذکور ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ علی (رضی اللہ عنہ) کو لوگوں کے لیے علم متعین کر دیں تو معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر چغلی لگائی کہ اس کی ولایت میں پہلے اور دوسرے (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو بھی شریک کر لیں، تاکہ لوگ آپ کی بات سے مطمئن ہو جائیں اور آپ کی تصدیق کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت:

﴿ يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [المائدة: ٦٧]

''اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔''

نازل کی تو رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل (علیہ السلام) سے شکایت کی کہ لوگ میری تکذیب کرتے ہیں اور میری بات نہیں مانتے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت:

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الزمر: ٦٥]

''بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔''

نازل کی۔''[2]

یہاں ہم اس آیت کا سیاق وسباق اور تفسیر ذکر کرتے ہیں، تاکہ قاری ان کی قرآنِ کریم میں تحریف کی حدود اور دین کی عظیم بنیاد توحید میں تبدیلی کر کے دینِ اسلام میں تحریف کی سازش کا ادراک کر سکے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ [الزمر: ٦٤ تا ٦٦]

---

[1] البرهان (٤/ ٨٣)

[2] البرهان (٤/ ٨٣)

''کہہ دے پھر کیا تم مجھے غیر اللہ کے بارے میں حکم دیتے ہو کہ میں (ان کی) عبادت کروں اے جاہلو! اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔ بلکہ اللہ ہی کی پھر عبادت کر اور شکر کرنے والوں سے ہو جا۔''

آیت کا سیاق بالکل واضح ہے کہ یہ آیت توحیدِ عبادت کے متعلق ہے، لیکن شیعہ نے حکم میں تبدیلی کر کے آیت کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی ولایت کے متعلق سمجھ لیا ہے، حالاں کہ ان کا آیت میں قطعاً کوئی ذکر ہی نہیں۔ گویا انھوں نے یہ مراد لیا ہے کہ لفظ ''اللہ'' سے حضرت علی کو تعبیر کیا گیا ہے اور ''عبادت'' سے ولایت کو، جب کہ آیت کا معنی بالکل واضح اور دلالت اس کی روشن ہے۔ آیت کے حقیقی معنی اور ان کی ذکر کردہ تاویل کے درمیان کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں۔

اہلِ علم اس آیت کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں:

''مشرکین نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی پوجا پر مبنی اپنے دین کی دعوت دی اور کہا کہ یہ تیرے آبا و اجداد کا دین ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا کہ مشرکوں کو یہ جواب دیں۔''[1]

آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے محمد! اپنی قوم کے مشرکوں سے کہہ دیجیے: اے اللہ تعالیٰ سے ناواقف لوگو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو، جب کہ کسی بھی طرح کی عبادت اس کے سوا کسی کے لائق ہی نہیں؟

چونکہ غیر اللہ کی عبادت کا حکم کسی احمق اور جاہل کی طرف ہی سے ہوسکتا ہے، اس لیے ان کو ایسے وصف سے پکارا ہے، جس میں یہ عناصر موجود ہیں اور ﴿اَيُّهَا الْجَاهِلُوْنَ﴾ کہا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے نبی اور اس سے پیشتر انبیا کو وحی کی کہ اگر تم نے اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرایا تو تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی خطرناکی، سنگینی اور برائی بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا کہ جن سے شرک کا صدور ناممکن ہے، ان کے لیے بھی یہ منع ہے تو ان کے علاوہ دیگر کا کیا حال ہوگا؟

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ﴾ یعنی بلکہ صرف اللہ کی عبادت کر اور جس کا حکم تجھے مشرکین دیتے ہیں، اس کی عبادت نہ کر اور اللہ کے سوا ہر معبود اور بت کو چھوڑ کر صرف اکیلے اللہ کی عبادت کر۔[2]

[1] حافظ ابن کثیر وغیرہ نے بعض سلف سے یہی اس کا شانِ نزول نقل کیا ہے۔ دیکھیں: تفسير ابن كثير (٤/ ٦٧) تفسير البغوي (٤/ ٢٨٤)

[2] دیکھیں: تفسير الطبري (٢٤/ ٢٤) تفسير القرطبي (١٥/ ٢٧٦۔ ٢٧٧) البحر المحيط لأبي حيان (٧/ ٤٣٨) فتح القدير للشوكاني (٤/ ٤٧٤) روح المعاني للألوسي (٢٤/ ٢٣۔ ٢٤)

اس آیت کا معنی، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، بالکل واضح ہے اور یہ صرف اسی شخص پر مشتبہ ہوسکتا ہے، جو ہوائے نفس کا غلام اور خودغرض ہو اور اس کی خواہش پرستی نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہو اور وہ حق کو دیکھنے سے قاصر ہو۔

یہ ٹولا جس نے یہ روایات وضع کیں، ان کا سب سے بڑا مقصد اور اہم فکر اپنے دعواے امامت کی سند تلاش کرنا تھی، اس لیے یہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے رہے اور دین اور شریعت تو ایک طرف رہے، ان کا استدلال لغت یا عقل کی کسی دلیل پر بھی مبنی نہیں۔

میرے خیال کے مطابق بعید نہیں کہ ان میں کچھ لوگوں نے عمداً یہ رویہ اختیار کیا ہو، تا کہ شیعہ کی نوجواں نسل اور اہلِ خرد کو دینِ اسلام سے دور کر دیا جائے، کیوں کہ جب وہ دیکھیں گے کہ یہ دلائل اور اس جیسے مسائل عقلی طور پر فاسد ہیں اور اگر یہی اسلام ہے تو خود اسلام کے بارے میں ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں گے۔ یہ اس کینہ پرور گروہ کے دور رس مقاصد میں سے ایک مقصد ہے، جو امت اور دینِ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف اور شیعہ کو دینِ اسلام سے دور کرنا چاہتے ہیں، بالخصوص آپ اس گذشتہ عبارت میں ملاحظہ کرتے ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ پر کیچڑ اچھالا گیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف اپنے رب کی مخالفت منسوب کی ہے کہ آپ ﷺ نے ابتدا میں اپنے رب کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ یہ امر معصوم کے مقام اور شان میں اس قوم کی طرف سے گستاخی ہے، جو انبیا سے چھوٹے درجے کے لوگوں یعنی ائمہ کی عصمت کا مبالغانہ دعویٰ کرتے ہیں اور بلاشبہہ انبیا کی گستاخی کرنا کفر ہے۔[1]

ایسے ہی اس عبارت میں نبی معصوم ﷺ کے ساتھ بدسلوکی بھی واضح ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ کو اپنی قوم سے ڈرتے ہوئے ایک سراسیمہ شخص کی طرح دکھایا گیا ہے، جو اپنے رب کا حکم نافذ کرنے میں تردد کا شکار ہے اور اس وقت تک اس کی یہی حالت رہتی ہے، جب تک اس کو اس کے اعمال ضائع ہوجانے کی دھمکی نہیں مل جاتی۔

دوسری آیت:

﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا﴾ [المؤمن:١٢]

''یہ اس لیے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جب اس اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تو تم انکار کرتے تھے اور

[1] دیکھیں: محمد بن عبد الوهاب: رسالة في الرد على الرافضة (ص:٦)

اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔''

یہ آیت، جیسا کہ واضح ہے، بیان کرتی ہے کہ مشرکین ایک اللہ کی عبادت سے اِعراض کرتے ہیں۔ دراصل یہ الفاظ مشرکین کی بات کا جواب ہیں کہ جب انھوں نے جہنم سے نکالنے اور دوبارہ دنیا میں بھیجنے کی درخواست کی اور کہا: ﴿فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ ''کیا اس سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟'' تو ان کو یہ جواب دیا گیا:

﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ﴾ [المؤمن: ١٢]

''یہ اس لیے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جب اس اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تو تم انکار کرتے تھے۔''

یعنی آج تم جس عذاب میں ہو، اس کا یہ سبب ہے کہ جب دنیا میں صرف ایک اللہ کی طرف پکارا جاتا تو تم نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کی توحید کو چھوڑ دیا اور جب اس کے ساتھ بتوں وغیرہ کو شریک کیا جاتا تو تم اس شرک پر ایمان لے آتے اور شرک کی دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کی جہنم سے نکالنے کی درخواست قبول نہ کرنے کا سبب بیان فرما رہے ہیں کہ انھوں نے توحیدِ الٰہی کو ترک کر دیا اور عبادت میں، جس میں سرفہرست دعا ہے، اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا۔ یہ آیت ما قبل آیت سے مل کر آخرت میں مشرکوں کی سزا کی خبر دیتی ہے کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، وہ اس سے کبھی نہیں نکلیں گے اور وہ دنیا میں لوٹ جانے کی درخواست کریں گے، لیکن ان کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کرنے کی وجہ سے ان کی درخواست قبول نہیں ہوگی۔[1]

لیکن شیعہ اپنے ائمہ سے اس آیت کی تاویل میں اس مفہوم کے خلاف مفہوم نقل کرتے ہیں، جو مسلمانوں نے اس سے سمجھا ہے۔ ان کی روایت کہتی ہے:

''اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ﴾ کی تفسیر میں ابوجعفر سے مروی ہے کہ تم علی کی ولایت کا انکار کرتے ہو۔ ﴿وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا﴾ اور جس کی ولایت نہیں، اس کو اس کی ولایت میں شریک کرتے ہو اور اس پر ایمان رکھتے ہو: ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ پس حکم کو بلند و بالا اور بہت بڑے اللہ ہی کے لیے ہے۔''[2]

---

[1] دیکھیں: تفسير الطبري (٢٤/ ٤٨) تفسير البغوي (٤/ ٩٣-٩٤) تفسير ابن كثير (٤/ ٧٩-٨٠) فتح القدير (٤/ ٤٨٤) تفسير القاسمي (١٤/ ٢٢٧) ابن سعدي: تيسير الكريم الرحمن (٦/ ٥١٢ وغيرها)

[2] البرقي: كنز جامع الفوائد (ص: ٢٧٧) بحار الأنوار (٢٣/ ٣٦٤) نیز دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ٢٥٦) أصول الكافي (١/ ٤٢١) البرهان (٤/ ٩٣-٩٤) تفسير الصافي (٤/ ٣٣٧)

یہ بات معلوم ہے کہ یہ تاویل باطنی تاویلات کی قسم سے ہے، کیوں کہ نہ آیت کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں، نہ اس کا سیاق وسباق ہی، اسی لیے ”مجمع البیان“ کے مولف نے اپنے گروہ کی اپنے ائمہ سے منقول روایات کے مطابق تاویلات سے اعراض کرتے ہوئے اس آیت کے ظاہری مقتضا اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں اس کی تفسیر کی ہے۔[1] لیکن تقیے کی گھٹن آلود فضا میں ایسی معتدل آوازیں بہت جلد اپنی موت آپ مر جاتی ہیں۔

تیسری آیت:

﴿ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ﴾ [النمل: ٦٠]

اس آیت کی تفسیر میں بھی ان کی روایات اس گمراہ منہج اور تاویل فاسد کی راہ پر گامزن ہیں۔ ابوعبداللہ سے مروی ہے (جس طرح یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں) کہ انھوں نے کہا: یعنی کیا ایک ہی صدی میں امامِ ہدایت کے ساتھ امامِ ضلالت بھی موجود ہے؟![2]

یہ اور اس جیسی دیگر روایات ان غالی رجحانات کی نشو ونما کے لیے بڑی زرخیز مٹی ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ قرار دیتے ہیں اور جو اس گروہ میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں، وگرنہ اس آیت کا ان کے امام کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اِثبات ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ﴾ [النمل: ٥٩، ٦٠]

”کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جنھیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ (کیا وہ شریک بہتر ہیں) یا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ رونق والے باغات اگائے، تمھارے بس میں نہ تھا کہ ان کے درخت اگاتے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو راستے سے ہٹ رہے ہیں۔“

---

[1] دیکھیں: مجمع البیان (٥/ ١٨٦)

[2] بحار الأنوار (٢٣/ ٣٩١) كنز جامع الفوائد (ص: ٢٠٧)

اللہ تعالیٰ ہر آیت کے آخر میں فرماتے ہیں: ﴿ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ یعنی کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے، جس نے یہ کیا ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے، جو اس کی نفی پر مشتمل ہے۔ وہ لوگ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ یہ کام اللہ کے علاوہ کسی دوسرے نے نہیں کیے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ان کے خلاف بہ طورِ حجت پیش کیا اور اس کا یہ تقاضا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔[1]

چوتھی آیت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ﴾ [الأنبياء: ٢٥]

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیعہ روایات وضع کرنے والے گروہ نے ایسا معنی کرتے ہوئے، جو اس کے مشابہ یا اس کے مخالف ہے، کہا:

''ما بعث اللّٰه نبياً قط إلا بولايتنا والبراء ة من أعدائنا''[2]

''اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا، مگر ہماری ولایت کے ساتھ اور ہمارے دشمنوں سے براءت کے ساتھ۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

''ولايتنا ولاية اللّٰه التي لم يبعث نبيا قط إلا بها''[3]

''ہماری ولایت اللہ تعالیٰ کی وہ ولایت ہے کہ اس نے جو نبی بھی بھیجا، اس کو یہ دے کر بھیجا۔''

گویا ان لوگوں نے ان ائمہ کی امامت کے معاملے کو جو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، انبیاے کرام کی دعوت کی غرض و غایت اور بنیاد قرار دے دیا ہے![4]

---

[1] شرح الطحاوية (ص: ٢٥)

[2] البرهان (٢/ ٣٦٧) تفسير العياشي (دیکھیں: المصدر السابق) تفسير الصافي (٣/ ١٣٤)

[3] أصول الكافي (١/ ٤٣٧) رقم (٣)

[4] ان لوگوں نے یہ اور ان جیسی روایات جعفر صادق اور ان کے والد کی طرف منسوب کی ہیں۔ حالاں کہ وہ اس جھوٹ سے بری ہیں، تا کہ ان کم عقل پیروکاروں کو دھوکے کی گہری کھائی میں پھینک دیں، جن کی عقلوں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو انھوں نے عمر کے مختلف مراحل میں کبھی مصائبِ آلِ بیت کے موضوع پر گفتگو کر کے تو کبھی حبِ آلِ بیت کے چسکے دے کر تو ←

توحید کا حکم دینے والی اور شرک سے منع کرنے والی آیات کی تاویل میں ان کی اس بدعت پر مبنی مفہوم کی روایات سے کوئی ایسی قرآنی آیت خالی نہیں، جو توحید کے متعلق اور شرک سے منع کرنے پر مبنی ہو۔[1]

اسی لیے ایک شیعہ عالم نے اس تاویل کو قرآن میں ایک عام اور کثیر الاستعمال قاعدے کی حیثیت دے دی ہے، اس کا کہنا ہے:

''ہر وہ آیت جس کا ظاہری مفہوم ان لوگوں کے متعلق ہے، جنھوں نے اللہ کے ساتھ غیروں کو رب بنایا اور ان بتوں کو شریک بنایا، جو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے بنائے، پھر ان کی تعظیم کی، ان کے ساتھ محبت رکھی، ان کی عبادت کا التزام کیا، ان کو اپنے رب کا شریک بنا دیا اور اپنی آرا اور خواہشات کی پیروی میں نہ کہ اللہ کے حکم کے ساتھ، کہا کہ وہ ہمارے اللہ کے ہاں سفارش کرنے والے ہیں، اس کا باطنی معنی ان لوگوں کے متعلق ہے، جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے ائمہ نصب کیے، ان کی تعظیم کی، ان سے محبت کی، ان کی فرماں برداری کا التزام کیا اور ان کو اپنے اس امام کا شریک بنا دیا، جس کو اللہ نے ان کے لیے متعین کیا تھا...''[2]

← کبھی آلِ بیت اور اصحابِ نبی ﷺ کے مابین کشاکش کی جھوٹی باتیں سنا سنا کر زنگ آلود کر دیا ہے۔ تاکہ ایسی نسل تیار کریں، جو جذباتی اور نفسیاتی طور پر صحابہ کرام اور ہر غیر شیعہ مسلمان کے خلاف حسد و بغض اور کینے کے ساتھ ناکوں ناک بھری ہوئی ہو۔ ان روایات کے ان پیروکاروں پر نفسیاتی اور تربیتی آثار کا مطالعہ اور ان کا ان کی تاریخ میں ظاہر ہونے والی تحریکات کے ساتھ تقابل کرنا ایک قابلِ تحقیق موضوع ہے، تاکہ ان کہانیوں کی خطرناکی کی کمیت کا اندازہ ہو سکے، نقصان پہنچانے کی کمین گاہوں پر گھات لگائی جا سکے اور امت اور دین کے خلاف ان باطنی لوگوں کی حرکات و سکنات کا علم ہو سکے۔

[1] ان تاویلات کی مثالیں:

① ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ١٥٦] اس کی وہ اس طرح معنوی تحریف کرتے ہیں: وہ فلاں فلاں کے اولیا ہیں، جن کو انھوں نے اس امام کے سوا امام بنا لیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے امام بنایا تھا۔ (الغيبة للنعماني، ص: ٨٣، بحار الأنوار: ٢٣/ ٣٥٩، البرهان: ١/ ١٧٢)

② ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا﴾ [الروم: ٣٠] اس کی تحریف میں وہ کہتے ہیں کہ اس سے ولایت مراد ہے۔ (تفسير القمي: ٢/ ١٥٤، أصول الكافي: ١/ ٤١٨۔ ٤١٩، كنز جامع الفوايد، ص: ٢٢٤، بحار الأنوار: ٢٣/ ٣٦٥، البرهان: ٣/ ٢٦١)

③ ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ [فصلت: ٦، ٧] اس کی تحریف میں وہ کہتے ہیں: ان مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے، جنھوں نے امام اول کے ساتھ شرک کیا اور وہ دیگر ائمہ کا انکار کرنے والے ہیں...'' (تفسير القمي: ٢/ ٢٦٢، بحار الأنوار: ٢٣/ ٨٣، ٨٤، البرهان: ٤/ ١٠٦، تفسير الصافي: ٤/ ٣٥٣)

یہ اور ان جیسی کئی دیگر خطرناک تاویلات ہیں، جو انھوں نے دین کے سب سے بڑے رکن (توحید) کے متعلق کی ہیں۔

[2] مرآة الأنوار (ص: ٥٨، ١٠٠)

ان کا اسے قاعدہ قرار دینے کا مطلب ہے کہ ان کی روایات اس منکر کے اِثبات میں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ انھوں نے یہ بات کھلے لفظوں میں بھی کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کی عبادت میں شرک کی تاویل ولایت اور امامت میں شرک کے ساتھ کرنے کے متعلق روایات کثیر تعداد میں موجود ہیں، یعنی امام کے ساتھ اس کو شریک کرنا، جو اہلِ امامت سے نہیں اور آلِ محمد (بارہ اماموں) کی ولایت کے ساتھ غیر کی ولایت اختیار کرنا۔''[1]

اس طرح قرآنِ کریم کی توحید کے موضوع پر اور شرک سے منع کرنے کے متعلق کوئی بھی ایسی آیت نہیں، جس کی انھوں نے تحریف اور اس کے معنی کو موقوف کر کے اسے حضرت علی اور ائمہ کی ولایت میں نہ بدل دیا ہو، چاہے وہ اپنے معنی میں بالکل صریح، واضح اور کھلم کھلی کیوں نہ ہو۔ یہ تاویلات ہر برائی کی چابی اور ہر فتنے کا دروازہ ہیں۔[2] ایسا کیوں نہ ہو، کیوں کہ یہ تاویلات دین کی اصل، انبیاے کرام کی متفق دعوت اور ایسی چیز کے متعلق ہیں، جس کے لیے کتابیں نازل ہوئیں، رسول بھیجے گئے اور لوگ جنتیوں اور جہنمیوں کے دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔

اس سے پہلے کہ میں اس مسئلے سے قلم اٹھا لوں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابوں سے ایک روایت پیش کر دوں، جو ان کی تاویلات کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے اور ان تاویلات کے اصل اور جاے پیدایش کی وضاحت کرتی ہے۔ شیعہ کی ''تفسیر البرھان'' میں مذکور ہے:

''حبیب بن معلّی خثعمی سے مروی ہے کہ اس نے کہا: ابو الخطاب جو باتیں کرتا ہے، میں نے اس کا ابو عبداللہ سے ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ اس کی کچھ باتیں بیان کرو۔ میں نے کہا: وہ اس آیت: ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ﴾ کی تفسیر میں کہتا ہے کہ اس سے امیر المومنین مراد ہیں اور ﴿وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اس سے فلاں فلاں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) مراد ہیں۔ تو ابو عبداللہ نے تین مرتبہ کہا: جس نے یہ کہا ہے وہ مشرک ہے، میں ان سے بَری ہوں، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کو مراد لیا ہے۔ پھر اس نے کہا: وہ دوسری آیت جو ''حم'' میں ہے کہ ﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ

---

[1] مرآۃ الأنوار (ص: ۲۰۲)

[2] تاویل کے فساد اور اس کے سبب امت کو جو مصائب جھیلنے پڑے، اس کے متعلق امام ابن قیم نے بڑی عمدہ گفتگو فرمائی ہے، ان کا کہنا ہے کہ دین اور دنیا کی خرابی کی اصل جڑ وہ تاویل ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اپنے کلام سے مراد نہ لی ہو، نہ کوئی ایسی دلیل ہو، جو اس پر دلالت کرے کہ اس سے مراد وہی (تاویلی معنی) ہے۔ دیکھیں: إعلام الموقعین (٤/ ٢٥٠۔ ٢٥٤)

وَحۡدَهٗ كَفَرۡتُمۡ ﴾ اس کے متعلق اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس سے امیر المومنین مراد ہیں۔ ابوعبداللہ نے تین مرتبہ کہا: جس نے یہ بات کہی، وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے، میں ان سے بَری ہوں، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مراد لی ہے۔''[1]

پہلے گزر چکا ہے کہ یہ آخری آیت جس کی طرف مذکورہ روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کی ابوالخطاب کی طرح کی تاویل ان کی مختلف معتبر کتابوں جیسے کافی، برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں بھی منقول ہے۔[2]

پہلی آیت کی بھی اس جیسی منکر تاویل، جس کی ان کے اعتراف کے مطابق ابوعبداللہ نے مخالفت کی ہے، ایک دوسری روایت میں منقول ہے، جسے انھوں نے ابوعبداللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اسے کافی نے روایت کیا ہے۔[3] اسے صاحبِ بحار[4] وغیرہ[5] نے بھی ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابوعبداللہ شیعہ کے ان علما پر شرک کا حکم لگاتے ہیں، جنھوں نے یہ تاویل پسند کی ہے۔ شیعہ کی اور بھی بہت ساری روایات ہیں، جو آیات کی تاویل کی قبیل سے نہیں، بلکہ وہ ان کے ائمہ سے مروی مستقل روایات ہیں، جو اس منکر کو ایک قانون اور مستقل قاعدے کی حیثیت دیتی ہیں، جس طرح ان کا یہ کہنا ہے:

''جس نے کسی ایسے امام کے ساتھ، جس کی امامت اللہ کی طرف سے ہے، اس کو شریک بنایا، جس کی امامت اللہ کی طرف سے نہیں، وہ مشرک ہے۔''[6] شیعہ کے ہاں اس مفہوم کی کئی روایات ہیں۔[7]

ان کے علما نے بھی اس کی تصدیق اور توثیق تاکید کی ہے۔ شیعہ کے صدوق ابن بابویہ کا کہنا ہے:

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے، جو ہر زمانے میں ان کو امام معصوم سے خالی نہیں رکھتا۔ جس نے اس رب کی عبادت کی، جس نے ان کے لیے حجت قائم نہیں کی تو اس نے غیر اللہ کی عبادت کی۔''[8]

اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رب ہونے پر ایمان رکھتا ہے اور خالص اس کی

---

[1] البرهان (٤/ ٧٨)

[2] دیکھیں، صفحہ نمبر (٤٦٥)

[3] روضة الكافي (ص: ٣٠٤)

[4] بحار الأنوار (٢٣/ ٣٦٢، ٣٦٨)

[5] دیکھیں: البرقي: كنز جامع الفوائد (ص: ٢٧١)

[6] النعماني: الغيبة (ص: ٨٢) بحار الأنوار (٢٣/ ٧٨)

[7] مثلاً دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٤٣٧)

[8] علل الشرائع (ص: ١٤) بحار الأنوار (٢٣/ ٨٣)

عبادت کرتا ہے، لیکن اس کا یہ اعتقاد ہے کہ اس نے حضرت علی کو ولایت دی ہے نہ ان کی امامت کی وصیت کی ہے تو اس نے غیر اللہ کی عبادت کی۔ یہ اور ان جیسی دیگر روایات سے انھوں نے اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کی تکفیر کا حکم کشید کیا ہے۔

شیعہ عالم مجلسی کہتا ہے:

''جان لو! (شیعہ کی روایات میں) لفظِ شرک اور کفر کا اطلاق اس پر ہوتا ہے، جو امیر المومنین اور ان کے بعد ان کی اولاد سے ہونے والے ائمہ کی امامت کا عقیدہ نہیں رکھتا اور دوسروں کو ان پر فضیلت دینا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کفار اور آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''[1]

ان تمام دعوؤں کی کتاب اللہ سے کوئی سند اور دلیل نہیں، یہ باتیں مکمل طور پر دینِ اسلام سے جدا ہیں۔ اگر فی الواقع ان میں سے کسی قول کا وجود ہوتا، جو یہ کہتے ہیں تو قرآن کریم کی بہت ساری صریح، واضح، غیر مبہم اور غیر پیچیدہ آیات میں اس کا ذکر ہوتا اور یہ آیات امت کے سامنے یہ معاملہ بیان کرتیں اور اگر ان کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کا واضح، تسلی بخش اور قابلِ کفایت بیان ضرور کرتے اور تمام امت اس کو نقل کر لیتی اور یہ مشہور اور معروف معاملہ ہوتا اور اس کو صرف جھوٹوں کی ایک بے قیمت جماعت نقل نہ کرتی۔

اگر واقعتاً ان میں سے کوئی چیز حقیقت پر مبنی ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی اس سے اِعراض کرتے نہ اس کو قائم کرنے سے پیچھے ہٹتے، کیوں کہ وہ تو ایسے لوگ تھے، جنھوں نے اس دین کی خاطر اپنے اموال، جانیں، اہل وعیال، اعزا و اقارب، بلاد وا وطان سب کچھ قربان کر دیا تھا۔

قرآنِ کریم کی آیات بالکل صریح اور واضح ہیں کہ اس دین کی اصل اور اساس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید اور اس کی عبودیت میں انفرادیت ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کے شواہد بہت زیادہ ہیں، جیسے:

① ﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ... ﴾ [الإسراء: ٢٣]

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

② ﴿ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ [البقرة: ٨٣]

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے۔''

---

[1] بحار الأنوار (٢٣/ ٣٩٠) تیسرے باب میں شیعہ کی صحابہ کرام اور دیگر ان لوگوں کی تکفیر کا تفصیلی ذکر ہوگا، جو شیعہ کے ائمہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان شاء اللہ۔

③ ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَآ اُشْرِكَ بِهٖ﴾ [الرعد: ٣٦]

''کہہ دے مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔''

ان کے علاوہ بھی اس سلسلے میں بہت زیادہ آیات موجود ہیں، لیکن بارہ اماموں کی امامت کا قرآنِ کریم میں مطلقاً کہیں کوئی ذکر نہیں۔ شیعہ اپنی روایات اور عبارات بھی اس کا اعتراف کرتی ہیں، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ خطرناک تحریفات اور تاویلات دین میں بہت بڑی بدعت سازی، دین کی عظیم اساس سے توجہ ہٹانے، شرک کے دروازے کھولنے اور وسائلِ شریک مہیا کرنے کی بہت بڑی جسارت ہے۔

دوسری بحث

شیعہ کے نزدیک ولایت قبولیتِ اعمال کی اساس ہے

توحید قبولیتِ اعمال کی اساس اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ان کے ضائع ہونے کا سبب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [النساء: ٤٨]

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا۔''

لیکن شیعہ نے اس ساری حقیقت کو بارہ اماموں کی امامت کے لیے قرار دے دیا ہے۔ ان کی روایت میں مذکور ہے کہ مغفرت، رضائے الٰہی اور جنتیں اس کا حق ہیں، جو امامت کا عقیدہ رکھتا ہے، چاہے وہ زمین بھر کر گناہ کیوں نہ لے آئے اور لعنت، دوری اور آگ ان لوگوں کا نصیب ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ایسی حالت میں ملے کہ وہ بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہو۔ ان کا کہنا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان بہ طورِ علم نصب کیا، جس نے ان کو پہچان لیا، وہ مومن ہے اور جس نے ان کا انکار کیا، وہ کافر ہے۔ جو ان سے جاہل رہا، وہ گمراہ ہے، جس نے اس کے ساتھ کسی اور چیز کو نصب کیا، وہ مشرک ہے اور جو ان کی ولایت کا عقیدہ لے کر آیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[1]

شیعہ کی ایک روایت میں ہے:

''...جس نے ہماری ولایت کا اقرار کیا، پھر اس پر مر گیا، اس کی نماز، روزہ، زکات اور حج مقبول ہوگا اور جس نے اللہ کے سامنے ہماری ولایت کا اقرار نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سے کوئی چیز بھی قبول نہیں کریں گے۔''[2]

[1] أصول الكافي (١/ ٤٣٧)

[2] أمالي الصدوق (ص: ١٥٤۔ ١٥٥)

ابوعبداللہ (جس طرح یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں) نے کہا:

''جس نے تمھاری مخالفت کی، چاہے وہ کتنا عبادت گزار ہی کیوں نہ ہو، وہ اس آیت ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ (اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے۔ محنت کرنے والے، تھک جانے والے۔ گرم آگ میں داخل ہوں گے) کی طرف منسوب ہے۔''[1]

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! السلام (اللہ تعالیٰ) تجھے سلام دیتا ہے اور کہتا ہے:

''میں نے سات آسمان اور ان کے مشمولات پیدا کیے، سات زمینیں اور ان میں جو کچھ ہے، سب پیدا کیا اور میں نے رکن اور مقام سے عظیم کوئی جگہ پیدا نہیں کی۔ اگر کوئی آدمی مجھے وہاں اس وقت سے لے کر جب سے میں نے زمین اور آسمان پیدا کیے ہیں، پکارتا رہے، پھر مجھے اِس عالم میں ملے کہ وہ ولایتِ علی کا منکر ہو تو میں اس کو اوندھے منہ جہنم میں پھینک دوں گا۔''[2]

شیعہ کی روایات نے ولایت کے منکر کی عبادت کی عدمِ قبولیت میں مبالغے کے کسی گوشے کو نہیں چھوڑا، حتی کہ ان کی روایات میں مذکور ہے:

''...اگر وہ سجدہ کرے، حتی کہ اس کی گردن علاحدہ ہو جائے، اس سے اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں کریں گے، جب تک وہ ہماری (اہل بیت کی) ولایت کا اقرار نہ کرے۔''[3]

شیعہ روایات کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (جس طرح یہ جھوٹ بولتے ہیں) کہا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی بندہ میری عبادت کرے، حتی کہ وہ مٹ جائے اور بوسیدہ چیز میں تبدیل ہو جائے، پھر میرے پاس ان کی ولایت کا انکار کرتے ہوئے آئے، میں اسے جنت ٹھہراؤں گا نہ اسے اپنے عرش کے نیچے سائے میں کوئی جگہ دوں گا۔''[4]

شیعی روایات میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''اگر تم میں سے کوئی ایک روزِ قیامت پہاڑوں کے مانند اعمال لے کر آئے، لیکن ولایتِ علی بن ابو طالب

---

[1] تفسير القمي (٢/ ٤١٩)

[2] أمالي الصدوق (ص: ٢٩٠) بحار الأنوار (٢٧/ ١٦٧۔ ١٦٨)

[3] الخصال (١/ ٤١) المحاسن (ص: ٢٢٤) بحار الأنوار (٢٧/ ١٦٧، ١٦٨)

[4] بحار الأنوار (٢٧/ ١٦٩)

لے کر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کو اوندھے منہ جہنم میں گرا دیں گے۔''[1]

یہیں پر بس نہیں بلکہ:

''اگر کوئی بندہ قیامت کے دن ستر انبیا کا عمل بھی لے آیا، اللہ تعالیٰ اس سے یہ قبول نہیں کریں گے، تا آنکہ وہ اللہ کو میری ولایت اور میرے اہلِ بیت کی ولایت کا عقیدہ رکھ کر ملے۔''[2]

بلکہ انھوں نے توحید کو بھی ولایت کے بغیر غیر مقبول قرار دیا ہے۔ شیعہ کی روایات میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آپ کے دو صحابہ نے کہا: ہم لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ کی گواہی اس سے اور اس کے شیعہ سے قبول کی جائے گی اور آپ نے علی (رضی اللہ عنہ) کے سر پر ہاتھ رکھا اور ان دونوں سے کہا: اس کی علامت یہ ہے کہ تم دونوں اس کی جگہ پر نہ بیٹھنا اور اس کی بات کی تکذیب نہ کرنا...۔''[3]

اس کا مدعا یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک ولایت، شہادت (کلمہ شہادت) پر مقدم ہے، بلکہ یہ (ولایت) اس (شہادت) کی قبولیت کی اساس ہے اور شہادت صرف شیعانِ علی کی قبول کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عفو اور درگزر عقیدہ امامت پر موقوف ہے اور اس کا انکار اس کے غضب اور سزا کا سبب ہے۔ ان کی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات منقول ہیں، ایک شیعی روایت میں ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ حضرت جبرائیل سے اور جبرائیل اللہ تعالیٰ سے کہ انھوں نے فرمایا: میری عزت اور جلال کی قسم! میں ہر اس اسلامی رعیت کو عذاب دوں گا، جو کسی ایسے ظالم امام کی ولایت کے سامنے جھک گئی، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، چاہے وہ رعیت اپنی ذات کی حد تک نیک اور متقی ہی کیوں نہ ہو اور ہر اس رعیت سے درگزر کروں گا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصب کردہ امام عادل کی امامت کے سامنے جھک گئی ہو، چاہے اس رعیت کے اعمال بُرے اور خراب ہی کیوں نہ ہوں۔''[4]

اس مسئلے کے متعلق ان کی بہت زیادہ روایات ہیں، جن کی اکثریت بحار کے مصنف نے ذکر کی ہے۔

[1] أمالي الشيخ الطوسي (١/ ٣١٤)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ١٧٢)

[3] بحار الأنوار (٢٧/ ٢٠١)

[4] النعماني: الغيبة (ص: ٨٣) بحار الأنوار (٢٧/ ٢٠١)

مثال کے طور پر اس نے اس باب ''وہ (ائمہ شیعہ) اہلِ اعراف ہیں... جنت میں وہی داخل ہوگا، جو ان کو پہچانتا ہوگا اور جسے وہ پہچانتے ہوں گے'' میں ۲۰ روایات درج کی ہیں،[1] اور اس باب ''اعمال ولایت کے بغیر قبول نہیں کیے جائیں گے'' میں ۷۱ روایات ذکر کی ہیں۔[2]

ان تمام روایات کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے، اس میں ان کے دعوے کے مطابق کوئی چیز نہیں اور وہی ہر اختلاف میں پہلا فیصل اور مرجع اول ہے۔ قرآنِ کریم نے ذکر کیا ہے کہ قبولیتِ اعمال کی اصل اور بنیاد توحید ہے اور محرومی کا سبب شرک۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ﴾ [المائدة: ٧٢]

''بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔''

② ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: ٤٨]

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا۔''

شیعہ نے جتنے مبالغہ جات ذکر کیے ہیں، قرآنی آیات ان کی تکذیب کرتی ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ [البقرة: ٦٢]

''جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے ضمن میں ولایت کا ذکر نہیں کیا۔ ایسے ہی فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ [المائدة: ٦٩]

''جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا تو ان پر نہ کوئی خوف ہے۔''

جب کہ ان کا دعویٰ ہے کہ بارہ اماموں کی امامت نماز اور دیگر ارکانِ اسلام سے عظیم تر ہے۔[3] نماز کا قرآن میں صریح الفاظ کے ساتھ ۸۰ سے زیادہ جگہوں پر ذکر ہوا ہے اور ان کی ولایت کا ایک

---

[1] بحار الأنوار (٢٤/ ٢٤٧ـ ٢٥٦)

[2] المرجع السابق (٢٧/ ١٦٦ـ ٢٠٢)

[3] اس کے متعلق اسی کتاب میں کے تیسرے باب میں امامت کا مبحث ملاحظہ کریں۔

مرتبہ بھی کہیں ذکر نہیں ہوا تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گمراہ کرنا چاہا ہے یا ان کے لیے اپنے تک پہنچنے کی راہ ہی بیان نہیں کی؟!

یہ بہتان عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بالا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ [التوبة: ١١٥]

''اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ کسی قوم کو اس کے بعد گمراہ کر دے کہ انھیں ہدایت دے چکا ہو، یہاں تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح کر دے جن سے وہ بچیں۔''

شیعہ کی روایات میں ایسی باتیں بھی منقول ہیں، جو ان کے اس قول کے تار پود بکھیر دیتی ہیں، اگر چہ ان کی تاویلات اور تقیہ ان جیسی معتدل عبارات کا گلا دبانے سے ذرہ برابر نہیں گھبراتا، لیکن پھر بھی حجت قائم کرنے کے لیے اور ان کی عبارت میں واقع تعارض کو سامنے لانے کے لیے میں ان کی کتابوں سے کچھ ذکر کرتا ہوں۔ تفسیرِ فرات میں مذکور ہے:

''علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے کہا: جب یہ آیت: ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [الشوریٰ: ٢٣] نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل نے کہا: اے محمد! ہر دین کی اصل اور ستون ہوتا ہے، اسی طرح ایک شاخ اور عمارت۔ دین کی اساس اور ستون لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور اس کی شاخ اور عمارت تمھاری اہلِ بیت کے ساتھ اس میں محبت اور موالات کرنا ہے، جو حق کے موافق ہو اور جس کی حق دعوت دے۔''[1]

یہ روایت، شیعہ روایات جو موقف پیش کرتی ہیں، اس کی مخالفت کرتی ہے، کیوں کہ یہ دین کی اصل شہادت توحید کو قرار دے رہی ہے، نہ کہ ولایت کو اور اہلِ بیت کی محبت کو فرع اور شاخ قرار دے رہی ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ حق کی موافقت کرنے والا اور اس کی طرف دعوت دینے والا ہو۔

---

[1] تفسیر فرات (ص: ١٤٨۔ ١٤٩) بحار الأنوار (٢٣/ ٢٤٧)

تیسری بحث

شیعہ کا یہ اعتقاد کہ ائمہ، اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں

اثنا عشریہ کہتے ہیں: بارہ امام اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ اور ذریعہ ہیں۔ مجلسی اپنے ائمہ کے متعلق کہتا ہے:

''وہ رب کے پہرے دار اور اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطے ہیں۔''[1]

اس نے اس مقصد کے پیشِ نظر اس عنوان ''لوگ صرف انہی کے ساتھ ہدایت پا سکتے ہیں، وہ اللہ اور مخلوق کے درمیان وسائل ہیں اور جنت میں وہی داخل ہوگا، جس نے انھیں پہچانا ہوگا''[2] کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔ شیعہ کی روایات میں ہے کہ ابوعبداللہ نے کہا:

''ہم تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہیں۔''[3]

کتاب ''عقائد الإمامية'' میں مذکور ہے:

''بارہ امام اللہ کے دروازے اور اس کی طرف جانے والے راستے ہیں۔ وہ کشتیِ نوح کی طرح ہیں، جو اس پر سوار ہوا، وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا، وہ غرق ہوگیا۔''[4]

جہاں مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انبیا و رسل اللہ تعالیٰ کا حکم اور شریعت لوگوں تک پہنچانے میں اس کے اور لوگوں کے درمیان ذریعہ ہیں تو وہیں اثنا عشریہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معنی ائمہ میں موجود ہے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے (براہِ راست) حاصل کرتے ہیں، جس طرح ''سنت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ'' کی فصل میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

اس پر اضافہ کرتے ہوئے وہ انھیں الٰہی خصوصیات کا حامل بھی قرار دیتے ہیں، جن پر ایمان رکھنے والا

[1] بحار الأنوار (٢٣/ ٩٧)

[2] المصدر السابق (٢٣/ ٩٧)

[3] المصدر السابق (٢٣/ ١٠١)

[4] عقائد الإمامية للمظفر (ص: ٩٨۔ ٩٩)

دینِ توحید سے نکل کر مشرکین کے دین میں داخل ہوجاتا ہے، کیوں کہ ان کے قول کے مطابق مخلوق کی ہدایت ائمہ کے ہاتھ میں ہے اور کوئی دعا اس وقت تک قبول نہیں ہوتی، جب تک ان کا نام نہ لیا جائے۔ مشکلات اور پریشانیوں میں ان ہی سے فریاد رسی کی جاتی ہے، ان کی قبروں کا حج کیا جاتا ہے، ان کے مزاروں کا حج بیت اللہ کے حج سے افضل ہے، کربلا کعبۃ اللہ سے افضل ہے، ائمہ کے درباروں کی زیارت کے مناسک اور خصوصی آداب ہیں، جنھیں انھوں نے ''مناسك المشاهد'' کا نام دیا ہے۔ جس طرح بیت اللہ کا حج کیا جاتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے قیام کا باعث بنایا ہے، انھوں نے ان کا حج بھی اسی طرح قرار دے دیا ہے۔ جس طرح بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے، ان کا بھی اسی طرح طواف کیا جاتا ہے اور بیت اللہ کی طرح انھیں قبلہ بنایا جاتا ہے۔

میں ۔ان شاء اللہ۔ بڑی دیانت داری کے ساتھ یہ سارے مسائل شیعہ کی معتبر کتابوں سے پیش کروں گا۔ اس سے پہلے کہ میں یہ مسائل پیش کروں، میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ائمہ کے ''واسطہ'' ہونے کا دعویٰ اسلام کی نصوص کے سامنے بالکل اجنبی اور نامانوس ہے، کیوں کہ یہ بعینہٖ مشرکوں کا دین ہے اور انبیاے کرام کو انسانیت کو اسی شرک سے نجات دلانے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا۔

مسلمان اور اس کی اپنے رب کی عبادت اور اس سے دعا کرنے کے درمیان کوئی واسطہ اور پردہ نہیں، جو اس کو روک دے اور اس کے آگے رکاوٹ بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

''اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، تو لازم ہے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ ہدایت پائیں۔''

نیز ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ [المؤمن: ٦٠]

''مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں

عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔‘‘

اہلِ علم کہتے ہیں کہ جس نے اللہ اور اس کے درمیان واسطے بنائے، جن پر وہ توکل کرتا ہے، ان کو پکارتا ہے اور ان سے سوال کرتا ہے، یہ بالاجماع کفر ہے، کیوں کہ یہ بتوں کے پجاریوں جیسا کام ہے، وہ کہا کرتے تھے:

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: ٣] [1]

’’ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔‘‘

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا اللہ اور ہمارے درمیان واسطے کا ہونا ضروری ہے اور ہم اس واسطے کے بغیر اس تک نہیں پہنچ سکتے؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

’’اگر تو سائل کی یہ مراد ہے کہ ہمارے لیے ایسے واسطے کا ہونا ضروری ہے، جو ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچائے، تب تو یہ بات بالکل صحیح ہے، کیوں کہ مخلوق ان رسولوں کی وساطت کے بغیر، جن کو اس نے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے، قطعاً نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ کو کیا پسند ہے، اس کا حکم کیا ہے اور کس سے اس نے منع کیا ہے۔

اس بات پر تمام اہلِ ملت یعنی مسلمان، عیسائی اور یہودیوں کا اجماع ہے، وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان وسائط کو ثابت کرتے ہیں اور وہ وسائط رسول ہیں، جو اللہ کے اوامر اور نواہی پہنچاتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ﴾ [الحج: ٧٥]

’’اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی۔‘‘

’’جو ان وسائط کا انکار کرتا ہے، وہ اہلِ ملل کے اجماع کے ساتھ کافر ہے۔ اگر وسائط اور وسیلوں سے ان کی مراد یہ ہے کہ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لیے بندوں اور اللہ کے درمیان واسطہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر وہ بندوں کے رزق، مدد اور ہدایت کے معاملات میں وسیلہ اور ذریعہ ہوں، ان سے سوال کیا جائے اور ان معاملات کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جائے، تو یہ وہ سب سے بڑا شرک ہے، جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو کافر قرار دیا، کیوں کہ انھوں

---

[1] دیکھیں: البهوتي: كشاف القناع (٦/ ١٦٨۔ ١٦٩)

نے بھی اللہ کے علاوہ اولیا اور سفارشی بنا لیے تھے، جس کے وسیلے سے وہ نفع طلب کرتے اور تکلیف دور کرنے کی درخواست کرتے۔

''لہٰذا جس شخص نے انبیاء، ملائکہ، ائمہ یا اولیا کو وسائط بنایا، ان کو پکارا، ان پر توکل کیا، جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لیے ان سے سوال کیا، مثلاً گناہوں کی بخشش، دلوں کی ہدایت، مشکلات کے لیے کشادگی یا فاقہ کشی دور کرنے کا سوال کیا تو وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔''

اس کے بعد وہ مزید فرماتے ہیں:

''جس نے اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان بادشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان دربانوں جیسے ایسے وسائط مقرر کیے، جو اللہ تک اس کی مخلوق کی ضروریات پہنچاتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کی وساطت سے اپنے بندوں کو ہدایت، روزی اور مدد مہیا کریں، یعنی مخلوق ان سے سوال کرے اور وہ اللہ سے، جس طرح بادشاہوں کے ہاں وسائط ان کے قریب ہونے کی وجہ سے ان کے سامنے لوگوں کی ضروریات کا سوال پیش کرتے ہیں اور لوگ براہِ راست بادشاہ سے مانگنے کے بجائے ان سے ادب کے ساتھ مانگتے ہیں، یا یہ کہ ان کا ان وسیلوں سے مانگنا بادشاہ سے مانگنے سے زیادہ مفید ہوتا ہے، کیوں کہ وہ درخواست گزار سے زیادہ بادشاہ کے قریب ہوتے ہیں، جس نے ان کو اس حیثیت کے ساتھ وسائط اور ذرائع مقرر کیا تو وہ کافر مشرک ہے، جس سے توبہ کروانا ضروری ہے۔ اگر توبہ کر لے تو درست ہے، وگرنہ اسے قتل کر دیا جائے۔''[1]

آمدم برسر مطلب! اب میں یہاں وہ مسائل شیعہ کی کتابوں سے نقل کرتا ہوں، جن کی طرف میں نے ابھی ابھی اشارہ کیا تھا، تاکہ امامیہ اثنا عشریہ کے مذہب میں شرک کی حقیقت اور اس کی خوابیدہ دعوت واضح ہو جائے۔

پہلا مسئلہ: شیعہ کا قول ہے: لوگوں کے لیے ائمہ کے سوا کوئی ذریعہ ہدایت نہیں۔

ابوعبداللہ نے کہا:

''لوگ بہت بڑی آزمایش اور مصیبت میں ہیں۔ اگر ہم انھیں دعوت دیتے ہیں تو وہ ہماری دعوت قبول نہیں کرتے اور اگر ہم انھیں چھوڑ دیں تو ہمارے علاوہ کسی اور سے انھیں ہدایت نہیں ملے گی۔''[2]

---

[1] دیکھیں: ابن تیمیة: الواسطة بین الخلق والحق، ضمن مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱/ ۱۲۱ وما بعدها) جمع الشیخ عبد الرحمن بن قاسم. نیز دیکھیں: أبا بطین: الانتصار لحزب اللّٰه الموحدین (ص: ۳۰۔ ۳۱)

[2] أمالي الصدوق (ص: ٣٦٣) بحار الأنوار (٢٣/ ٩٩)

یہ روایت ثابت کرتی ہے کہ لوگوں کی ہدایت ائمہ کے بغیر ناممکن الوقوع ہے اور لوگ مسلسل گمراہی اور مصیبت میں ہیں، کیوں کہ وہ ائمہ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ دونوں حکم (ہدایت کو ائمہ پر موقوف کرنا اور لوگوں کی گمراہی کا حکم لگانا) عقل، نقل اور حقیقتِ حال کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور جھوٹ سے آراستہ کلام ہے۔ شیعہ کی روایات کہتی ہیں کہ ابوجعفر نے کہا:

''ہمارے ذریعے اللہ کی عبادت کی گئی، ہمارے ذریعے اللہ کی پہچان ہوئی اور ہمارے ذریعے اللہ کو ایک مانا گیا۔''[1]

یہ روایت امت سے ہدایت کی نفی نہیں کرتی، لیکن اس کا مصدر ائمہ کو قرار دیتی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت حق کی توفیق اور اسے قبول کرنے کے معنی میں رب العباد، دلوں اور آنکھوں کو پھیرنے والے، جو آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے، جو جب کسی چیز سے کہتا ہے: ہو جا، وہ ہوجاتی ہے، صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔

شیعہ ان عبارتوں کو بغیر کسی قید کے مطلقاً بول کر اس ہدایت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے ائمہ کی مشارکت ثابت کرتے ہیں، جو شرکِ اکبر ہے، کیوں کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہدایت دینے والے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ [الکهف: ١٧]

''جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے گمراہ کر دے، پھر تو اس کے لیے ہرگز کوئی راہنمائی کرنے والا دوست نہ پائے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے کہتا ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [القصص: ٥٦]

''بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔''

البتہ حق کی نشان دہی اور راہنمائی کے معنی میں ہدایت رسولوں اور ان کے سچے پیروکاروں کا فریضہ ہے، جو بارہ اماموں میں محصور نہیں۔ فرمایا:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ [یوسف: ١٠٨]

---

[1] بحار الأنوار (٢٣/ ١٠٣)

''کہہ دے یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے۔''

مطلقاً یہ بات کہہ دینا کہ بندوں کی ہدایت ائمہ کے بغیر نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت بڑی جسارت ہے۔

دوسرا مسئلہ: شیعہ کا قول ہے: ائمہ کے اسما کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی۔

شیعہ کہتے ہیں:

''وہ کامیاب نہیں ہوسکتا، جو ائمہ کے بغیر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، جس نے ایسا کیا، وہ ہلاک ہوا۔''

شیعہ کی ائمہ سے مروی روایات میں مذکور ہے:

''جس نے ہمارے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، وہ کامیاب ہوا اور جس نے ہمارے علاوہ کسی اور کے ذریعے سے دعا کی، وہ ہلاک ہوا اور ختم ہوگیا۔''[1]

اس باب میں ان کی جرأت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ انھوں نے کہا:

''انبیا کی دعائیں بھی ان ائمہ ۔صلوات اللّٰہ علیھم أجمعین۔ کے وسیلے اور ان سے سفارش طلب کرنے کی وجہ سے قبول ہوئیں۔''[2]

مجلسی نے اس بات پر شیعہ کی گیارہ روایات سے استشہاد کیا ہے۔[3] اسی طرح احوالِ انبیا کے ابواب میں بالخصوص حضرت آدم، ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے احوال اور معجزاتِ نبی کے ابواب میں اس نے اس سے ملتی جلتی بہت زیادہ روایات پیش کی ہیں۔[4]

اسی طرح ان کے بہت سارے معتبر مصادر میں بھی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات مذکور ہیں۔[5] یہ خطرناک ''نظریہ'' بڑے مکارانہ انداز اور تسلی بخش اسلوب میں ائمہ کو خدا کا درجہ دینے، محتاجوں کا ملجا، پریشان حال لوگوں کا ماویٰ، ڈرنے والے کے لیے امان، پکارنے والوں کے لیے قبلہ مقرر کرنے اور دعاؤں کی قبولیت کے

---

[1] الطبري: بشارة المصطفیٰ (ص: ۱۱۷۔ ۱۱۹) البحار (۲۳/ ۱۰۳) وسائل الشیعة (٤/ ۱۱٤۲)

[2] یہ بحار الأنوار (۲٦/ ۳۱۹) کا ایک باب ہے۔

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (۲٦/ ۳۱۹۔ ۳۳٤)

[4] المصدر السابق (۲٦/ ۳۳٤)

[5] مثال کے طور پر دیکھیں: تفسیر العیاشي (۱/ ٤۱) ابن بابویه: الخصال (۱/ ۱۳۰) معاني الأخبار (ص: ٤۲) الطبرسي: الاحتجاج (ص: ۲۷، ۲۸) نیز دیکھیں: تفسیر الحسن العسکري (ص: ۱۱۷، ۱۱۸) وسائل الشیعة (٤/ ۱۱۳۹) وغیرھا.

لیے ان کے ناموں کا وسیلہ ڈالنے کا مقصد رکھتا ہے۔ اس میں اور مشرکوں کے اپنے بتوں کے بارے میں مزاعم کے درمیان کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟!

ہاں، ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ مشرکین سختی کے وقت خالص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [العنكبوت: ٦٥]

''پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہوتے ہیں۔''

لیکن یہ لوگ سختی ہو کہ نرمی، ہر حالت میں شرک کرتے ہیں، بلکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ سختی اس وقت تک دور نہیں ہوسکتی، جب تک ائمہ کے ناموں کے ساتھ دعا نہ کی جائے۔ شیعہ کی ایک روایت کہتی ہے، جو رضا سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

''جب حضرت نوح ڈوبنے کے قریب ہوئے تو انھوں نے ہمارے وسیلے کے ساتھ دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ جب حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا گیا، تو انھوں نے بھی ہمارے وسیلے کے ساتھ دعا کی تو آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب سمندر کی راہ لی تو ہمارے وسیلے سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے خشک کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہودیوں نے قتل کرنا چاہا تو انھوں نے بھی ہمارے وسیلے کے ساتھ دعا کی تو وہ قتل ہونے سے بچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا۔''[1]

جس طرح انبیا کی دعا ائمہ کے وسیلے اور سبب کے ساتھ قبول ہوئی، ایسے ہی بعض انبیا کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کا سبب (شیعہ کی نگاہ میں) ان رسولوں کا ائمہ کے بارے میں موقف تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو (شیعہ کے جھوٹ کے مطابق) جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں ٹھہرایا تو ان کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور حسن و حسین کی تشبیہ پیش کی، انھوں نے ان کی طرف حسد کی نگاہ سے دیکھا، پھر اس پر ان کی ولایت پیش کی گئی تو انھوں نے اس کا انکار کیا تو جنت نے ان پر اپنے پتے پھینک دیے۔ جب انھوں نے اپنے حسد سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی، ولایت کا اقرار کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، علی، حسن و حسین اور فاطمہ؛ ان پانچوں کے وسیلے کے ساتھ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ یہ اس آیت میں ہے: ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ [البقرة: ٣٧][2]

---

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٢٥) وسائل الشيعة (٤/ ١١٤٣)

[2] تفسير العياشي (١/ ٤١) بحار الأنوار (٢٦/ ٣٢٦)

ایسے ہی انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس کو ولایتِ علی کا انکار کرنے کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ میں محبوس کر دیا اور ان کو اس وقت تک نہیں نکالا، جب تک انھوں نے اسے قبول نہیں کر لیا۔''[1]

یہ شیعہ کی افترا پردازی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ [الأعراف: ١٨٠]

''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ ائمہ کے ناموں کے ساتھ یا مقاماتِ ائمہ یا ان کے مزاروں پر اس کو پکارو۔ اسی طرح اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [المؤمن: ٦٠]

''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔''

اگر دعا کی قبولیت کی اساس ائمہ کے نام ذکر کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے: مجھے ائمہ کے ناموں کے ساتھ پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بلکہ شیعہ جس امر کا دعویٰ اور افترا پردازی کرتے ہیں یہ تو دعا کی عدمِ قبولیت اور رد ہونے کا سبب ہے، کیوں کہ دعا کی قبولیت اور اِجابت کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کو مخلص ہو کر پکارنا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [المؤمن: ١٤]

''پس اللہ کو پکارو، اس حال میں کہ دین کو اسی کے لیے خالص کرنے والے ہو، اگرچہ کافر برا مانیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [الأعراف: ٢٩]

''اور اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کو پکارو۔''

یہ ائمہ بھی سارے انسانوں کی طرح انسان ہیں۔ فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [الأعراف: ١٩٤]

''بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمھارے جیسے بندے ہیں، پس انھیں پکارو تو لازم ہے

---

[1] تفسير فرات (ص: ١٣) بحار الأنوار (٢٦/ ٣٣٣۔ ٣٣٤)

کہ وہ تمھاری دعا قبول کریں، اگر تم سچے ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کی دعا اور عبادت میں کسی نیک ولی، مقرب فرشتے یا نبی مرسل کو وسیلہ مقرر نہیں کیا، بلکہ سارے ہی اس کے بندے ہیں۔ فرمایا:

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ [النساء: ۱۷۲]

’’مسیح ہرگز اس سے عار نہ رکھے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتے ہی۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ [مریم: ۹۳]

’’آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، وہ رحمان کے پاس غلام بن کر آنے والا ہے۔‘‘

ایک شیعہ کی اس منہج کے مطابق دعا و مناجات کے ذریعے تربیت حقیقت میں بڑی خطرناک تربیت ہے، کیوں کہ اس کے دل اور احساسات میں غیر اللہ کے رجحان کو کاشت کیا جا رہا ہے، اس کے نفس میں خالقِ انسانیت کو چھوڑ کر انسان کی طرف توجہ کو پروان چڑھایا جا رہا ہے اور اس بُت پرستی کی گود میں اس کی تربیت کی جا رہی ہے، تاکہ اس اس کی نسل بھی اسی طریقے پر پروش پائے اور شاید اللہ کے ذکر کو بالکل ہی بھول جائے، کیوں کہ اس کی زبان پر ائمہ کا ذکر ہوگا اور دعا اور توجہ کے وقت دل میں ان کا وجود رہے گا، اس طرح یہ چیز اس کے قول وفعل میں راسخ ہو جائے گی۔

شیعہ کی بعض روایات اس مفہوم کی کچھ صراحت بھی کرتی ہیں۔ ایک روایت کہتی ہے کہ کسی شیعہ نے اپنے امام کو یہ شکوہ یا سوال لکھ کر بھیجا: ’’آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے امام تک وہ پہنچائے، جو وہ اپنے رب کی طرف پہنچانا پسند کرتا ہے‘‘ تو جواب آیا:

’’اگر تیری کوئی حاجت ہے تو تم اپنے لبوں کو حرکت دو، جواب تمھارے پاس آ جائے گا۔‘‘[1]

یعنی وہ بڑی سرعت کے ساتھ جواب دیں گے اور فوراً حاجت پوری کر دیں گے۔ اس شرک کے سامنے اولین زمانہ جاہلیت کا شرک بھی ہیچ نظر آتا ہے۔ شیعہ کے درباروں اور مزاروں پر یہ حقیقت انھی کہانیوں کے تلخ نتائج کی غمازی کرتی ہے۔

یہ دعویٰ کہ انبیا کی دعا ائمہ کے وسیلے کے ساتھ قبول ہوئی، انتہائی جاہلانہ اور احمقانہ ہے، کیوں کہ ان ائمہ

[1] بحار الأنوار (۹۴/ ۲۲)

کا انبیا کی زندگی میں وجود ہی نہیں تھا۔ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا دعویٰ ہے، کیوں کہ انھوں نے ائمہ کے اسما ذکر کرنے کو دعا کی قبولیت کی اساس اور کلید قرار دیا ہے اور یہ بات مشرکوں کے عقیدے جیسی ہی ہے، جو کہتے تھے کہ ان کے اَصنام انھیں اللہ کے قریب کرتے ہیں اور یہ جھوٹا دعویٰ ہے، کیوں کہ انبیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کو صرف اس کے اسما اور وحدانیت کے ساتھ پکارا ہے، جس طرح اَصدق القائلین یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ذکر کرتے ہیں:

﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ٨٧]

''تو اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ظلم کرنے والوں سے ہو گیا ہوں۔''

وہ کلمات جو حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے کہے، وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق یہ ہیں:

﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الأعراف: ٢٣]

''دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔''

شیعہ کے اس نظریے کا بطلان دین میں بداہتاً کسی غور وفکر کے بغیر معلوم اور واضح ہے۔ یہ کسی ملحد زندیق کی کارستانی ہے، جس نے دینِ اسلام میں شرک کی آمیزش کرنا چاہی ہے۔ فرمایا:

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الصف: ٨]

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کے ساتھ بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے، اگرچہ کافر لوگ ناپسند کریں۔''

خود شیعہ کی کتابیں ائمہ سے اپنی مناجات اور دعاؤں کے متعلق ایسی باتیں نقل کرتی ہیں، جو اس دعویٰ کی نقیض ہیں۔ امیر المومنین کہا کرتے تھے، جیسا کہ شیعہ کتب نقل کرتی ہیں:

''الٰہی! میں تیرے عفو و کرم میں غور وفکر کرتا ہوں تو مجھے اپنے غلطی چھوٹی محسوس ہوتی ہے، پھر میں تیری پکڑ کی سختی یاد کرتا ہوں تو میری مصیبت بہت بڑی ہو جاتی ہے۔ پھر انھوں نے کہا: آہ! اگر میں نے اپنے نامہ اعمال میں کوئی ایسی غلطی دیکھی، جس کو میں بھول گیا اور تم نے شمار کر لیا اور تم نے کہہ

دیا، اس کو پکڑ لو! تو افسوس جو پکڑ لیا گیا، اس کو اس کا خاندان بچا سکے گا نہ اس کا قبیلہ ہی کچھ فائدہ دے سکے گا۔"[1]

ہر امام سے انھوں نے اس جیسی دعائیں نقل کی ہیں، جنھیں ذکر کرنے کی یہاں گنجایش نہیں۔ ان میں سے اکثر دعائیں مجلسی نے "بحار الأنوار" میں ذکر کی ہیں۔[2]

تیسرا مسئلہ: ائمہ سے استغاثہ کرنا[3]:

دستگیری اکیلے اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہے، لیکن شیعہ ان امور میں، جن پر اکیلے اللہ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا، اپنے ائمہ سے دستگیری اور مدد طلب کرنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کی بعض روایات نے اس باب میں ہر امام کا ایک فرض منصبی اور ذمے داری مقرر کی ہے۔

ایک شیعی روایت میں ہے:

"علی بن حسین بادشاہوں اور شیطانوں کے اثرات سے نجات کے لیے ہیں۔ محمد بن علی اور جعفر بن محمد آخرت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت جوئی کے لیے ہیں۔ موسیٰ بن جعفر اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرنے کے لیے ہے۔ علی بن موسیٰ کے ساتھ بر و بحر میں سلامتی طلب کرو۔ محمد بن علی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرو۔ علی بن محمد نوافل، بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے۔ حسن بن علی آخرت کے لیے ہے اور صاحبِ زمان سے اس وقت مدد طلب کرو، جب تلوار تمھیں ذبح کرنے کے لیے تمھاری گردن تک پہنچ جائے، وہ تمھاری مدد کرے گا..."[4]

اس کے بعد "بحار الأنوار" کے مصنف نے ایک دعا ذکر کی ہے، جو اس مذکورہ طریقے کے مطابق ائمہ سے مدد خواہی پر مشتمل ہے، جسے اس نے اس روایت کی شرح خیال کیا ہے۔[5] مجلسی نے یہ ثابت کیا ہے:

---

[1] أمالي الصدوق (ص: ٤٨) بحار الأنوار (٩٤/ ٩٢)

[2] ملاحظہ کریں: بحار الأنوار (جلد: ٩٤)

[3] استغاثہ کا معنی ہے: غوث (مدد) طلب کرنا، جو شدت اور سختی زائل کرنے کو کہتے ہیں، جس طرح استنصار کا مطلب ہے: نصرت طلب کرنا۔ استغاثہ اور دعا میں یہ فرق ہے کہ دعا عام ہے، جو ہر حالت میں کی جاتی ہے، لیکن استغاثہ وہ دعا ہے، جو سختی اور مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے۔ دیکھیں: ابن تيمية: الرد على البكري (ص: ٨٨) سليمان بن عبد الوهاب: تيسير العزيز الحميد (ص: ٢١٤۔ ٢١٥) ابن سعدي: القول السديد (٤٨۔ ٤٩)

[4] بحار الأنوار (٩٤/ ٣٣)

[5] المصدر السابق (٩٤/ ٣٣)

''وہ ،(ائمہ شیعہ) جس طرح اس کا گمان ہے، اس کے لیے جو ان سے شفا طلب کرتا ہے، سب سے بڑی شفا اور دوائے اعظم ہیں۔''[1]

ان کی دعائیں اسی رنگ ڈھنگ اور طرز کی ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک ائمہ جائے دستگیری اور مقامِ رجا ہیں، لہٰذا ایک شیعہ، ان کی روایات کے مطابق، منتظر امام زمانہ کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے:

''ارکانِ بلاد، قضاۃِ احکام، ابوابِ ایمان...، عطیے، عطائیں، حتمی طور پر تمھاری ساتھ ہی ان کا نفاذ ہے، ان میں سے ہر چیز کا سبب اور ذریعہ آپ ہی ہو...، تمھارے بغیر کوئی نجات اور کوئی جاے پناہ نہیں، اللہ کی دیکھنے والی آنکھ! تم سے کچھ غائب نہیں ....''[2]

اس عبارت میں جو ائمہ کو خدا کا درجہ دیا گیا ہے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں، کیوں کہ یہ روایت انھیں ہر چیز کا سبب قرار دے رہی ہے۔ ان کے سوا کوئی جاے پناہ نہیں، عطا انہی کے ساتھ مخصوص اور حتمی ہے ..!!، شیعہ کی ایسی بہت زیادہ دعائیں ہیں، جو ائمہ کے متعلق غلو کرتے ہوئے انھیں خالقِ ارض وسما کے مقام و مرتبے تک پہنچا دینے والے گمراہ کن الفاظ پر مشتمل ہیں۔

یہ دعائیں ان کی "مفاتيح الجنان" اور "عمدة الزائر" وغیرہ کی طرح کی دعاؤں کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں اور یہ ان کی معتبر کتابوں کے ابواب المزار اور ادعیہ وغیرہ میں بھی مذکور ہیں۔ ان کی جمع و تدوین، مطالعہ اور تجزیہ ایک مستقل موضوع ہے۔

آپ ان سبائی دعاؤں میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ ان دعاؤں اور استغاثہ جات کے ذریعے حضرت علی کو خدا کا درجہ دینے والے اپنے سیاہ چہرے کے ساتھ رونما ہوئی ہیں۔ اس کے بعد یہ لوگ پرچیاں (رقاع) لکھتے ہیں اور انھیں ائمہ کی قبروں پر رکھا جاتا ہے، کیوں کہ ائمہ کی قبریں اور دربار، جو درحقیقت کوئی فائدہ دے سکتی ہے نہ نقصان سے دوچار کر سکتی ہیں، ان کے عقیدے کے مطابق امید کا مقام اور حاجات کے لیے رجوع کی جگہ ہیں۔

شیعہ کہتے ہیں:

''اگر تجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی کام ہو تو اللہ سے برکت طلب کرتے ہوئے ایک رقعہ لکھو اور اسے اگر چاہو تو کسی امام کی قبر پر رکھ دو، یا اس کو مہر لگا کر باندھ لو اور صاف ستھرا آٹا گوندھ کر اس کو اس میں دبا دو اور کسی جاری نہر، گہرے کنویں یا پانی کے تالاب میں پھینک دو، یہ سید علیہ السلام کے

---

[1] المصدر السابق.

[2] بحار الأنوار (٩٤/ ٣٧)

پاس پہنچ جائے گا اور وہ خود تمھارے کام کرے گا۔''[1]

پھر انھوں نے ذکر کیا ہے کہ اس رقعے میں لکھا جائے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اے مولیٰ! صلوات اللہ علیہ۔ میں نے آپ سے دستگیری چاہتے ہوئے یہ رقعہ لکھا ہے۔ اے میرے مولیٰ! پریشانی کے وقت میری مدد کر اور ضائع ہونے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے پہلے میرا مسئلہ اللہ کے حضور پیش کر دے۔ تیری وجہ ہی سے مجھ پر نعمت اور احسان ہے۔ میں اللہ جل جلالہ (امام سے قبر میں خطاب ہے) سے اپنے لیے غالب نصرت طلب کرتا ہوں۔''[2]

پھر انھوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ نہر یا تالاب پر چڑھ جائے اور منتظر امامِ زمانہ کے کسی ایک[3] دروازے کو آواز دے اور کہے:

''اے فلاں بن فلاں! سلام اللّٰه علیك۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری وفات اللہ کی راہ میں ہے اور تو اللہ کے ہاں زندہ ہے، تجھے رزق دیا جاتا ہے، میں تجھے تمھاری اس زندگی کے ساتھ مخاطب کر رہا ہوں، جو اللہ عز و جل کے ہاں ہے، یہ میرا ہمارے آقا کے نام رقعہ اور کام ہے، یہ انھیں پہنچا دے، تم ثقہ اور امین ہو۔''[4]

وہ کہتے ہیں:

''پھر اسے نہر میں پھینک دے اور یہ تصور کرے کہ تم نے اس کو دے دیا ہے۔''[5]

ان کے کئی رسائل اور خطوط ایسے بھی ہیں، جو استغاثے اور دستگیری چاہنے کے لیے معدوم منتظر امام کی خدمت میں بھیجے جاتے ہیں۔ ماہرینِ علم اَنساب اور محقق مورخین نے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ منتظر جس کا رافضہ انتظار کرتے ہیں، حقیقت میں پیدا ہی نہیں ہوا، کیوں کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے، اس لیے شیخ الاسلام نے اس امام منتظر کے متعلق کہا ہے:

---

[1] المصدر السابق (٩٤/ ٢٩)

[2] بحار الأنوار (٩٤/ ٢٩۔ ٣٠)

[3] یہ چار دروازے ہیں، جوحسبِ ذیل ہیں: عثمان بن سعید یا اس کا بیٹا محمد یا حسن بن روح یا علی سمری (حواله سابقه: ٩٤/ ٣٠) نیز اسی کتاب کی فصل ''غَیبت'' دیکھیں۔

[4] بحار الأنوار (٩٤/ ٣)

[5] بحار الأنوار (٩٤/ ٣)

''یہ ایسی چیز ہے، جس کی کوئی حقیقت ہے نہ کبھی اس کا وجود ہی تھا۔''[1]

اس کے باوجود انھوں نے ایسے امور میں اس معدوم سے مدد اور فریاد خواہی کے لیے جن پر اللہ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا، اس کی طرف رقعے بھیجنے کی مشروعیت کے لیے روایات وضع کی ہیں۔

انہی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے:

''صاحبِ زمان کے نام رقعہ لکھا جائے اور اس میں لکھا جائے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! میں خلف الرشید محمد بن حسن[2] بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب، حجۃ اللہ، نبأ عظیم (عظیم خبر)، صراطِ مستقیم، مضبوط رسی، جائے پناہ کی عصمت اور جنت و دوزخ کی تقسیم کرنے والے کے وسیلے سے تمھارے پاکیزہ آبا و اجداد اور پاک نفس صالحات، باقیات ماؤں کے وسیلے سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تم میری تکلیف دور کرنے، پریشانی حل کرنے، حسرتیں دور کرنے اور مصیبت رفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف میرا وسیلہ بنو....۔''[3]

شیعہ کہتے ہیں:

''پھر تم ایک دوسرا رقعہ اللہ کے لیے لکھو، دونوں رقعوں کو خوشبو لگاؤ، اللہ کا رقعہ امام کے رقعے میں ڈالو اور ان دونوں کو ریت کی ملاوٹ کے بغیر مٹی میں ملا کر بہتی ہوئی نہر یا پانی کے کنویں میں پھینک دو۔''[4]

اس عبارت میں دیکھیے کہ وہ اس معدوم کی وصف بیانی کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ وہ جائے پناہ کی عصمت، حسرتیں دور کرنے والا اور مصیبتیں ٹالنے والا ہے۔ حالاں کہ یہ ایسی صفات ہیں، جو صرف اسی پر صادق آتی ہیں، جو پریشان حال کی دعا سنتا ہے، اس سے تکلیف دور کرتا ہے اور وہ اس کو ہدایت دیتا ہے، جو صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتا ہے اور وہ صرف خالقِ کائنات کی ذاتِ اقدس ہے، لیکن ان لوگوں نے اس معدوم کو خدائی صفات وخصوصیات دے رکھی ہیں۔

اس عبارت کے آخری الفاظ پر غور کریں کہ ''باری تعالیٰ کے رقعے کو امام کے رقعے میں ڈال دیا جائے''

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۲۸/ ٤٠١)

[2] شیعہ روایات اس کا نام صراحت کے ساتھ لینے سے روکتی ہیں۔ (أصول الکافي: ۱/ ۳۳۲۔ ۳۳۳) یہ روایت ان کے اس فیصلے کی مخالفت کرتی ہے، لیکن ان کا تناقض ختم ہونے والا نہیں۔

[3] بحار الأنوار (۹٤/ ۲۹)

[4] بحار الأنوار (۹٤/ ۲۸۔ ۲۹)

گویا یہ لوگ حاجات کی طلب میں اس معدوم کو مقدم رکھتے ہیں۔ اس کے بعد مجلسی نے اس منتظر سے ایک دوسرے استغاثے کا ذکر کیا ہے، جس میں مرقوم ہے:

''تم جس مسئلے میں ہو، اس (امام منتظر) کی راہ سے اللہ کی طرف رجوع کر، صاحبِ زمان (یہ ان کے مہدی منتظر کا لقب ہے) سے مدد مانگ، اس کو اپنے لیے جائے پناہ اختیار کر، وہ اچھا مددگار ہے، وہ اپنے مومن اولیا کا مددگار ہے اور کہہ: اے مسلمانوں اور مومنوں کے امام! تجھ پر سلامتی ہو۔ اے نبیوں کے علم کے وارث! تم پر سلامتی ہو۔ اے دین کو بچانے والے! تجھ پر سلام ہو۔ اے کمزور مسلمانوں کو عزت دینے والے اور متکبر ظالم کافروں کو ذلیل کرنے والے! تجھ پر سلام ہو۔ اے میرے مولیٰ صاحبِ زمان! تجھ پر سلامتی ہو۔ اے مولیٰ! میری یہ فلاں فلاں ضرورت ہے، اس کی کامیابی کے لیے میری سفارش کریں۔''[1]

لیکن یہ صاحبِ زمان قتل ہوجانے کے ڈر سے اپنے شیعہ کے پاس ظاہر ہونے سے عاجز ہے، جس طرح ان کی معتبر نصوص اس کی تصدیق کرتی ہیں، جیسا کہ آگے آئے گا، تو کس طرح اسے ان اوصاف کے ساتھ متصف کیا جا رہا ہے اور اس سے ان حاجات کو پورا کرنے کی استدعا کی جا رہی ہے، جن کی صرف تکلیفیں دور کرنے والا ہی قدرت رکھتا ہے اور یہ تو اس قدر لاچار ہے کہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا، اپنے غار میں سر چھپائے بیٹھا ہے اور لوگوں کی نظروں سے چھپتا پھرتا ہے!!

چوتھا مسئلہ: شیعہ کا قول ہے: درباروں کا حج بیت اللہ کے حج سے بڑا عمل ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مجھے ثقہ لوگوں نے بتایا ہے کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو مزاروں کے حج کو بیت اللہ کے حج سے عظیم خیال کرتے ہیں، وہ ایک اللہ کی عبادت سے اس کے ساتھ شرک کرنا زیادہ بڑا عمل تصور کرتے ہیں اور یہ طاغوت پر ایمان رکھنے کی سب سے بڑی صورت ہے۔''[2]

یہ مسئلہ، جس کے متعلق رافضہ کا پیچھا اور رد کرنے والے سب سے بڑے اہلِ سنت عالم نے کہا کہ اس کو بعض ثقہ لوگوں سے یہ بات پہنچی ہے، آج اثنا عشریہ کی معتبر کتابوں میں دسیوں روایات میں بانگ دہل بیان کیا جاتا ہے۔ یہ روایات صریح الفاظ میں ذکر کرتی ہیں کہ مزار کی زیارت بیت اللہ کے حج سے افضل ہے۔

[1] بحار الأنوار (۹٤/ ۳۱۔ ۳۲)

[2] منهاج السنة (۲/ ۱۲٤)

کافی وغیرہ میں منقول ہے:

''حسین کی قبر کی زیارت بیس حجوں کے برابر ہے اور بیس حج اور عمروں سے افضل ہے۔''[1]

جب ایک شیعہ نے اپنے امام سے کہا:

''میں نے ۱۹ حج اور ۱۹ عمرے کیے ہیں تو امام نے استہزا کے اسلوب میں کہا: ایک اور حج اور عمرہ کر، تا کہ تجھے قبرِ حسین کی زیارت کا ثواب مل جائے۔''[2]

گویا وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ اتنی مشقت کیوں اٹھا رہے ہو، تیرے اس عمل سے تو حسین کی قبر کی زیارت افضل ہے، پھر آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ اس کا مزید مذاق اڑانے اور اظہارِ مسرت کے لیے اس کو بیسواں حج اور عمرہ مکمل کرنے کی ہدایت دے رہا ہے، تا کہ اس کو ایک مرتبہ حسین کی قبر کی زیارت کے برابر فضیلت حاصل ہو سکے، لیکن اس کو قبرِ حسین کی زیارت کا نہیں کہا۔

ان کی روایات مبالغہ آرائی، جنون اور پاگل پن یا الحاد اور زندیقیت کے اس گہرے گڑے میں گر چکی ہیں کہ یہ قبرِ حسین اور تمام ائمہ کی قبروں کی زیارت کو اسلام کے پانچویں رکن حج سے بھی افضل قرار دیتی ہیں۔ کیا اس حد تک بھی کوئی جا سکتا ہے کہ کسی کو یہ کہنا پڑ جائے کہ یہ مشرکوں کا دین ہے، موحد مسلمانوں کا نہیں!

کیوں کہ یہ لوگ ایسا دین پیش کرتے ہیں، جو ان کے علما اور آیات کا دین ہے، مسلمانوں اور رب العالمین کا دین نہیں۔ یہ ان کے رجال کے اوہام اور اٹکل پچو ہیں، سید المرسلین ﷺ کی وحی نہیں، بلکہ ایسے لگتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے دین، قبلے اور اللہ تعالیٰ کے گھر کو بدلنے کی سازش ہے۔ ان کی روایات مختلف اور متنوع اسلوب میں یہ مفہوم پیش کرتی ہیں، تا کہ سادہ لوح اور جاہل لوگوں پر اثر انداز ہو سکیں اور نوجوان نسل اور عجمیوں کی عقلوں کو دھوکا دے سکیں، کیوں کہ یہ لوگ بہت جلد بدعت سے متاثر ہوتے ہیں۔[3]

شیعہ کی کہانیوں میں ہے کہ ایک دیہاتی نے یمن سے زیارتِ حسین کے لیے رختِ سفر باندھا، اس کی ان کے جعفر سے ملاقات ہوئی (جس کو یہ صادق کہتے ہیں، کیوں کہ جعفر بن عبداللہ ان کے جھوٹوں سے بَری ہیں) جعفر نے اس سے قبرِ حسین کی زیارت کے اثرات دریافت کیے تو اس دیہاتی نے کہا کہ اس نے اس کی وجہ

[1] فروع الكافي (١/ ٣٢٤) ابن بابويه: ثواب الأعمال (ص: ٥٢) الطوسي: تهذيب الأحكام (٢/ ١٦) ابن قولويه: كامل الزيارات (ص: ١٦١) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١٠/ ٣٤٨)

[2] الطوسي: تهذيب الأحكام (٢/ ١٦) وسائل الشيعة (١٠/ ٣٤٨) بحار الأنوار (١٠١/ ٣٨)

[3] اس لیے ایوب سختیانی کا قول ہے کہ ''نوجوان اور عجمی کے لیے یہ باعثِ سعادت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کسی اہلِ سنت عالم کی صحبت نصیب کر دے۔'' (شرح أصول اعتقاد أهل السنة: ١/ ٦٠)

سے اپنے نفس، اہل وعیال، اموال اور حاجات پورا ہونے میں برکت دیکھی ہے۔

تو ابوعبداللہ نے کہا، جس طرح یہ روایت کہتی ہے:

''اے یمنی! کیا میں تمھارے لیے اس فضیلت میں مزید فضیلت کا اضافہ نہ کروں؟ اس نے کہا: اے فرزندِ رسول! میرے لیے اضافہ فرمائیے۔ انھوں نے کہا: ابوعبداللہ (اپنی ذات) کی زیارت رسول اللہ کے ساتھ ایک پاک اور مقبول حج کے برابر ہے۔ اس نے اس بات سے تعجب کیا، تو انھوں نے اس سے کہا: خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو مقبول اور پاک حج۔ اس نے پھر تعجب کیا تو عبداللہ بڑھاتے رہے، حتی کہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیس مقبول اور پاک حجوں کے برابر۔''[1]

اس عجیب وغریب اسلوب میں جو بچوں کے ساتھ گفتگو اور ان کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے کے انداز سے ملتی جلتی ہے، ان کے امام جعفر فیصلہ دے رہے ہیں کہ قبر کی زیارت تیس حجوں سے افضل ہے۔

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر بھی بہتان باندھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خود اسی اسلوب میں، جس کا معنی تو ایک طرف رہا، خود الفاظ اس کے جھوٹ کا پول کھول رہے ہیں، اس شرک کو برقرار رکھا ہے، ان کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

''ایک دن حضرت حسین رسول اللہ ﷺ کی گود میں بیٹھے تھے اور آپ ان کو کھیلا اور ہنسا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس بچے کو کس قدر زیادہ پسند کرتے ہیں! تو آپ نے ان سے کہا: میں اس سے محبت اور اس کو پسندیدہ کیوں نہ رکھوں، جب کہ یہ میرے دل کا ثمرہ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، لیکن میری امت اس کو قتل کر دے گی۔ جس نے اس کی وفات کے بعد اس کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں میرے ساتھ ایک حج کا ثواب لکھ دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ حجوں میں سے ایک حج؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، دو حج۔ انھوں نے کہا: دو حج؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چار حج۔ وہ بھی زیادہ کرتی رہی اور آپ بھی زیادہ کرتے رہے، حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے حجوں میں سے ان کے عمروں سمیت ستر حجوں تک پہنچ گئے۔''[2]

ایک دوسری روایت یہ کہتی ہے:

---

[1] ابن بابويه القمي: ثواب الأعمال (ص: ۵۲) الحر العاملي: وسائل الشيعة (۱۰/ ۳۵۰۔ ۳۵۱)

[2] وسائل الشيعة (۱۰/ ۳۵۱۔ ۳۵۲)

''جس نے ابوعبداللہ کی قبر کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ۸۰ مقبول حج لکھ دے گا۔''[1]

ایک تیسری روایت اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

''جو حسین کی قبر پر اس کا حق پہچانتے ہوئے آیا، وہ ایسے ہی ہے، جیسے اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ۱۰۰ حج کیے۔''[2]

ان کی روایات اعداد میں مبالغے کی دوڑ میں لگی ہوئی ہیں، تاکہ سیکڑوں کے مرحلے کو عبور کر کے ہزاروں تک پہنچ جائیں اور ثواب اور اجر کی مختلف اصناف ذکر کریں، گویا دین صرف قبر کی زیارت اور اس پر وقوف کا نام رہ گیا ہے۔ ''وسائل الشيعة'' وغیرہ میں محمد بن مسلم عن ابی جعفر کی سند سے منقول ہے کہ ابو جعفر نے کہا:

''اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ حسین کی زیارت کی کیا فضیلت ہے تو وہ شوق سے مر جائیں اور اس پر حسرت کرتے ہوئے ان کی سانسیں ٹوٹ جائیں۔ میں نے پوچھا: اس کی کیا فضیلت ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: جس نے ان کی شوق اور تڑپ رکھتے ہوئے زیارت کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہزار مقبول حج، ایک ہزار مقبول عمرہ، شہداے بدر میں سے ایک ہزار شہید کا ثواب، ایک ہزار روزے دار کا اجر، ایک ہزار مقبول صدقے کا ثواب اور ایک ہزار روح کا ثواب جن کو اللہ کی رضا کی خاطر قربان کیا گیا ہو، لکھ دیتے ہیں، اس کا سارا سال ہر آفت سے محفوظ رہتا ہے، جن میں سب سے کم درجے کی مصیبت شیطان ہے۔ ایک فرشتہ اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے، جو اس کی ہر جہت سے حفاظت کرتا ہے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے پاس رحمٰن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اس کے غسل اور کفن دفن میں شریک ہوتے ہیں، اس کے لیے استغفار کرتے ہیں، استغفار کرتے ہوئے اس کی قبر تک اس کے ساتھ جاتے ہیں، تاحد نگاہ اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبر کی دبوچ اور منکر نکیر سے مامون رکھتے ہیں، اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور قیامت کے دن اس کو ایسا نور دیا جائے گا، جس کی روشنی مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دے گی، ایک منادی اعلان کر رہا ہوگا کہ یہ وہ شخص ہے، جس نے جذب و شوق کے ساتھ حسین کی زیارت کی تھی، تو قیامت کے دن کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوگا، جس کی یہ تمنا نہ ہوگی کہ کاش! وہ بھی حسین کے زائرین میں سے ہوتا!؟''[3]

---

[1] ثواب الأعمال (ص: ٥٢) كامل الزيارات (ص: ١٦٢) وسائل الشيعة (١٠/ ٣٥٠)

[2] ثواب الأعمال (ص: ٥٢) وسائل الشيعة (١٠/ ٣٥٠)

[3] كامل الزيارات (ص: ١٤٣) وسائل الشيعة (١/ ٣٥٣) بحار الأنوار (١٠١/ ١٨)

ایک دوسری روایت میں ہے:

’’تم میں سے ایک آدمی فرات میں غسل کرتا ہے، پھر حسین کی قبر کے پاس اس کا حق پہچانتے ہوئے حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر قدم کے بدلے ایک سو مقبول حج، ایک سو مقبول عمرے اور نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ ایک سو غزوات کا اجر دے گا۔‘‘[1]

تیسری روایت کہتی ہے:

’’جس نے عاشورا کے دن حسین کی زیارت کی اور اس کے پاس روتا رہا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کو ۲۰ لاکھ حج، ۲۰ لاکھ عمرے اور ۲۰ لاکھ غزوات کے ثواب کے ساتھ ملے گا اور ہر حج، عمرے اور غزوے کا ثواب اس شخص کے ثواب کے برابر ہوگا، جس نے رسول اللہ ﷺ اور ائمہ راشدین کی معیت میں حج، عمرے اور غزوات میں شرکت کی۔‘‘[2]

پھر اس روایت نے ذکر کیا ہے:

’’یہ ساری فضیلت اس شخص کو بھی حاصل ہوگی، جو اس دن قبرِ حسین کی زیارت تو نہ کر سکا، لیکن اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر اس نے اشارے کے ساتھ ان کو سلام کیا، پھر ان کے قاتل کو بد دعا دی، حسین کے لیے روتا رہا اور نوحہ کرتا رہا اور اپنے اس دن میں اپنا کوئی کام نہ کیا۔‘‘[3]

اسی انداز کی سیکڑوں مثالیں ہیں، جنھیں نقل کرتے کرتے ہاتھ تھک جاتا ہے اور غور کرتے کرتے دل اُکتا جاتا ہے، کیوں کہ ان تمام روایات کا مطمحِ نظر اور غرض و غایت صرف یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ واحد و قہار کی عبادت سے پھیر کر کمزور مخلوق کی عبادت میں لگا دیا جائے، اسلام کے احکام و اوامر سے جان چھڑا کر، محض ایک قدم اٹھا کر قبر کی زیارت کر لی جائے اور اس تمام اجر و ثواب کو حاصل کر لیا جائے اور یہ عقیدہ اپنا کر اِباحیت، اللہ تعالیٰ کی شریعت اور احکام سے اِعراض اور اس کی حرام کردہ اشیا تک دست درازی کے لیے راہ نکال لی جائے۔

اگر اس کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو قرآنِ کریم اپنی آیات میں اس کا ضرور ذکر کرتا۔ قرآنِ کریم کی بیشتر آیات میں حج کا کیوں ذکر ہوا ہے اور مطلقاً کسی امام کی زیارت کا کوئی تذکرہ کیوں نہیں ہوا، جو، ان کے عقیدے کے مطابق، بیت اللہ کے حج سے بھی افضل ہے؟

---

[1] وسائل الشیعة (۱۰/ ۳۷۹) کامل الزیارات (ص: ۱۸۵)

[2] بحار الأنوار (۱۰۱/ ۲۹۰) کامل الزیارات (ص: ۱۷۶ وما بعدها)

[3] حوالہ جات سابقہ۔

ایک شیعہ اس بات کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے بڑا تعجب کیا کہ حسین کی زیارت اتنی زیادہ فضیلت کے ساتھ کیوں مخصوص ہے، جو حج کی فضیلت سے بھی سیکڑوں مرتبہ زیادہ ہے، جس کا قرآن میں کوئی ذکر ہی نہیں؟ کیا یہ جھوٹ اور افترا کی دلیل نہیں؟ اس نے اپنے امام سے قبرِ حسین کی مزعومہ زیارت کی اتنی زیادہ فضیلت سنی تو امام سے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کا حج تو لوگوں پر فرض کیا ہے اور حسین کی قبر کا ذکر تک نہیں کیا؟''[1]

تو امام نے جواب دیا، جس میں اضطراب واضح تھا:

''اگر ایسے ہی ہے تو اس چیز کو اللہ نے اسی طرح رکھا ہوا ہے۔''[2]

یہ لوگ باطنی تاویل کے ماہر ہیں، اس کے باوجود ان کا اعتراف ہے کہ قرآن اس بدعت سے خالی ہے۔ یہ بات ان کی کتابوں ہی سے ان کے دعوؤں کے اِبطال کے لیے کافی ہے، کیوں کہ اعتراف تمام دلیلوں کا سردار ہوتا ہے۔ یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گھر توڑتے ہیں، گویا ان کا امام اس کے جواب میں کہہ رہا ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں، یہ معاملہ ایسے ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت کی راہ اور جس چیز سے بچنا ہے، بیان نہیں کیا۔ پھر ان اضطراب پر مبنی الفاظ کے بعد اس نے اس موضوع کا دوراز کار جواب تلاش کرتے ہوئے کہا ہے:

''کیا تم نے امیر المومنین کا یہ قول نہیں سنا کہ پاؤں کا اندرونی حصہ بیرونی حصے سے زیادہ مسح کا حق رکھتا ہے، لیکن اللہ نے بندوں پر یہی فرض کیا ہے۔''[3]

یہ بھی ان کا اقرار ہے کہ قبرِ حسین کی زیارت پاؤں کی اندرونی جانب کی طرح ہے (صحیح بات جو حضرت علی سے منقول ہے، وہ موزے کی اندرونی جانب ہے نہ کہ پاؤں کی اندرونی جانب) یہ اس میں داخل نہیں، جو اللہ نے فرض کیا ہے، پھر وہ اس عذر خواہی کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

''کیا تجھے علم نہیں کہ موقف (میدانِ عرفات) اگر حرم میں ہوتا تو وہ حرم کی وجہ سے افضل ہوتا، لیکن اللہ نے اس کو غیر حرم میں بنایا ہے۔''[4]

---

[1] بحار الأنوار (١٠١/ ٣٣) كامل الزيارات (ص: ٢٦٦)

[2] حوالہ جات سابقہ۔

[3] بحار الأنوار (١٠١/ ٣٣) كامل الزيارات (ص: ٢٦٦)

[4] حوالہ جات سابقہ۔

یہ بات بھی پہلی بات کی طرح اعتراف ہی ہے کہ زیارت فرض نہیں، اگر چہ وہ اس ٹولی کی نگاہ میں زیادہ حق ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔ پھر یہ جماعت اس عذر کو پیش کرنے میں بڑی کوشش کر رہی ہے کہ اپنے آپ کو رب العالمین کی تشریع کی رقیب قرار دے۔ گویا وہ یہ کہہ رہی ہے کہ جو کام زیادہ اہمیت کا حامل اور زیادہ حق رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے وہ نہیں کیا (اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی بنائی ہوئی باتوں سے منزہ ہے) کیوں کہ اس نے عرفات کو حرم میں نہیں بنایا، بلکہ اس جگہ بنایا ہے جو حرم کے باہر ہے، اس طرح یہ روایات وضع کرنے والا ملحد ٹولہ ان روایات کے ساتھ سادہ لوح افراد کو چکمہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی شریعت اور حکمت پر دستِ طعن دراز کر رہا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کے حکم کا وصی قرار دے رہا ہے۔

جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ان کی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات ہیں۔ میرے سامنے ان روایات کا کا ایک طومار کھڑا ہے، جن کا کسی کے دل میں اس وقت تک خیال بھی پیدا نہیں ہوسکتا، جب تک وہ ان افسانوں کے گہرے سمندر میں غوطہ زن نہیں ہوتا۔ روایات کی اتنی کثرت ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ کیا لوں اور کیا چھوڑوں؟ ان میں سے ہر روایت ہر اس شخص کے لیے تعجب اور ناگواری کا باعث ہے، جس کا اپنے رب کی کتاب کے ساتھ کوئی تعلق یا جس کو اپنے دین کی کچھ خبر ہے اور تعصب اور ہوا نے اس کی عقل اور فکر پر پہرے نہیں بٹھا دیے اور نہ وہ اپنے گروہ اور بدعت کی طرف داری میں محض اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے گناہ کرنے پر تیار ہے۔ کاش کوئی شیعہ صرف ایک لمحے کے لیے ان کہانیوں سے جان چھڑانے کی کوشش کرے، جو اس کو اندھیرے میں پھینک رہی ہیں، پھر اس بہت بڑے خطرے میں کچھ تامل کرے، جو اس کو پکڑ کر شرک اور شرک کے اندھیروں میں پھینکنے کے لیے تیار کھڑا ہے، تا کہ یہ مسکین اپنے رب اور خالق کو بھول جائے، مخلوق کی قبر کے ساتھ تعلق پیدا کر لے، جس کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو چکی ہیں، جو اپنے لیے بھی کسی نفع کا مالک ہے نہ نقصان دور کرنے کا اور نہ زندگی کا مالک ہے نہ اٹھنے کا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ [الأعراف: ١٩٤]

''بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمھارے جیسے بندے ہیں۔''

تعجب کی بات ہے کہ ان کی بعض ایسی روایات بھی منقول ہیں، جو اس غلو میں، جو قبر کی زیارت کو بیت اللہ کے حج سے افضل قرار دیتا ہے، تخفیف کرتی ہیں، لیکن شیعہ عالم مجلسی اسے تقیے کی حجت کی بنا پر رد کرتا ہے۔ شیعہ کی ایک روایت کہتی ہے:

''حنان سے مروی ہے: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا کہ آپ قبرِ حسین کی زیارت کے متعلق کیا کہتے ہیں، کیوں کہ ہمیں آپ کے بعض افراد سے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ ایک حج اور ایک عمرے کے برابر ہے؟ وہ کہتا ہے: انھوں نے کہا: یہ حدیث کتنی کمزور ہے! یہ اس سب کے برابر نہیں، لیکن اس کی زیارت کرو اور اس کے ساتھ جفا نہ کرو، کیوں کہ وہ نوجوانانِ اہلِ جنت کا سردار ہے۔''[1]

مجلسی اس روایت کی تاویل میں، جو ان کی اس موضوع کی دسیوں روایات کی مخالفت کرتی ہے اور اس کے گروہ کی گمراہی کا پردہ فاش کرتی ہے، کہتا ہے:

''شاید اس سے یہ مراد ہو کہ یہ واجب حج اور عمرے کے برابر نہیں، لیکن زیادہ ظاہر یہی بات ہے کہ یہ تقیے پر محمول ہے۔''[2]

یعنی جعفر یہ بات اہلِ سنت کی خاطر داری یا ان کے خوف کی وجہ سے جھوٹ بولتے ہوئے کہہ رہے ہیں اور یہ شیعہ کا دین نہیں۔ شیعہ کے علما اہلِ بیت کی ہر اس روایت کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں، جو ان کی خواہشات کی موافقت نہیں کرتی، وہ تقیے کی اسی ''ریڈی میڈ'' دلیل کے ساتھ اس کے مفہوم کو رد کر دیتے ہیں۔ اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ شیعیت اپنے علما کی اس کارستانی سے غلو کماتی رہی اور ان کا دین ائمہ کے دین کے بجائے رافضی علما کا دین بن کر رہ گیا۔

عرفات کے دن کربلا کی زیارت دیگر تمام ایام کی نسبت افضل ہے:

جو بات اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے کہ یہ روایات امت کو بیت اللہ سے پھیرنے، مسلمانوں میں فساد پھیلانے، ان کی جمعیت منتشر کرنے اور اس سالانہ عام کانفرنس سے انھیں روکنے کے لیے سازش کا نتیجہ ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ روایات عرفات کے دن حضرت حسین کی قبر کی زیارت کی خصوصی فضیلت ذکر کرتی ہیں۔ یہ روایات کہتی ہیں:

''جو عید کے دن کے علاوہ کسی دوسرے دن حضرت حسین کا حق پہچانتے ہوئے ان کی قبر کی زیارت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے بیس مقبول حجوں اور بیس مقبول عمروں کا ثواب لکھ دیتے ہیں اور جو عید کے دن ان کی قبر کی زیارت کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سو حج اور سو عمروں کا ثواب لکھ

---

[1] بحار الأنوار (١٠١/ ٣٥) قرب الإسناد (ص: ٤٨)

[2] حوالہ جات سابقہ۔

دیتے ہیں اور جو عرفات کے دن ان کا حق پہچانتے ہوئے ان کی قبر کی زیارت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہزار مقبول حج، ایک ہزار مقبول عمرے اور کسی نبی مرسل یا امامِ عادل کی معیت میں ایک ہزار غزوات کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔'' [1]

بلکہ بعض روایات تو کھلے الفاظ میں اس ہدف کی وضاحت کرتی ہیں، ان کے جعفر کہتے ہیں:

''اگر میں تم کو اس کی زیارت کی فضیلت اور اس کی قبر کی فضیلت بیان کر دوں تو تم حج کو اصلاً چھوڑ ہی دو اور تم میں سے کوئی بھی حج نہ کرے۔ تو ہلاک ہو! کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم بنانے سے پہلے کربلا کو امن اور برکت والا حرم بنایا ہے۔'' [2]

یہاں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اس نے کس طرح خفیہ انداز میں صراحت کی ہے کہ حج کو ترک کرنا اور کربلا کی زیارت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس نے مزید کہا:

''اللہ تعالیٰ عرفات کے دوسرے پہر عرفات میں موجود حاجیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے قبرِ حسین کے زائرین پر نظر ڈالتے ہیں (راوی نے پوچھا: یہ کس طرح ہوتا ہے؟) تو ابو عبداللہ نے کہا، جس طرح ان لوگوں کا دعویٰ ہے، کیوں کہ ان میں کئی زنا کی پیداوار ہیں، لیکن ان میں کوئی زنا کی پیداوار نہیں۔'' [3]

شیعہ کے نزدیک زنا کی اولاد شیعہ کے علاوہ دیگر مسلمان ہیں۔ [4] شیعہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کہانیوں کی گہری تاثیر ہے، حتی کہ اس کہانی کے نقل کرنے والے ایک راوی نے جعفر کی زائرینِ حسین کے

---

[1] دیکھیں: الكليني: فروع الكافي (١/ ٣٢٤) ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (١/ ١٨٢) الطوسي: التهذيب (٢/ ١٦) ابن قولويه: كامل الزيارات (ص: ١٦٩) ابن بابويه: ثواب الأعمال (ص: ٥٠) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١٠/ ٣٥٩)

[2] بحار الأنوار (١٠١/ ٣٣) كامل الزيارات (ص: ٢٦٦)

[3] الفيض الكاشاني: الوافي: المجلد الثاني (٨/ ٢٢٢)

[4] کافی میں ابوجعفر سے منقول یہ روایت اسی امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے کہا: ''خدا کی قسم! ہمارے شیعہ کے سوا سارے لوگ طوائفوں کی اولاد ہیں۔'' (الكليني: الروضة من الكافي، ص: ١٣٥، ط: لكهنو، ١٨٨٦م۔ نیز دیکھیں: بحار الأنوار: ٢٤/ ٣١١) ابراہیم بن ابو یحییٰ، جعفر بن محمد سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا: جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، وہاں کوئی نہ کوئی ابلیس ہوتا ہے اور اگر اللہ کو علم ہو جائے کہ پیدا ہونے والا بچہ ہمارے شیعہ سے ہے تو اس کو اس شیطان سے دور کر دیتے ہیں۔ اگر نومولود ہمارے شیعہ سے نہ ہو تو شیطان اپنی انگلی اگر لڑکا ہو تو اس کی دبر پر لگاتا ہے اور وہ تہمت زدہ ہو جاتا ہے اور اگر لڑکی ہو تو اس کی شرم گاہ پر لگاتا ہے اور وہ فاجر ہو جاتی ہے۔'' (تفسير العياشي: ٢/ ٢١٨، البرهان: ٢/ ١٣٩) مجلسی نے اس عقیدے کے لیے بحار میں اس عنوان ''باب أنه يدعىٰ الناس بأسماء أمهاتهم إلا الشيعة'' (شیعہ کے سوا لوگ اپنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے) کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں ١٢ روایات درج کی ہیں۔ (بحار الأنوار: ٢٣٧، نیز دیکھیں: تفسير نور الثقلين: ٢/ ٥١٣)

لیے دعا سن کر کہا:

''خدا کی قسم! میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں نے اس کی زیارت کی ہوتی اور حج نہ کیا ہوتا ...۔''[1]

ایک دوسری روایت بیان کرتی ہے:

''جو نفل حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، لیکن اس کو کسی دنیاوی کام یا کسی رکاوٹ نے روک دیا تو وہ عرفات کے دن حسین بن علی کے پاس آیا، تو یہ امر اس کو حج ادا کرنے سے کفایت کر دے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو کئی گنا زیادہ اجر دے گا (راوی کہتا ہے) میں نے کہا: یہ کتنے حج عمروں کے برابر ہوگا؟ اس نے کہا: یہ شمار سے باہر ہے۔ میں نے کہا: سو؟ اس نے کہا: اس کو کون شمار کرے گا؟ میں نے کہا: ایک ہزار؟ اس نے کہا: اس سے بھی زیادہ، پھر کہا: اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو احاطہ شمار میں نہیں لا سکتے۔''[2]

آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اس عبارت کا ابتدائی حصہ یہ اشارہ کر رہا ہے کہ حج افضل ہے اور زیارت حسین اس وقت اس کا متبادل ہے، جب کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے، جب کہ عبارت کا آخری حصہ اس کے خلاف کہہ رہا ہے۔ شیعہ عالم فیض کاشانی قبرِ حسین کی زیارت کی فضیلت بیان کرنے والی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''جس کو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا امام بنایا ہے، یہ اس کے لیے بہت زیادہ نہیں، اسی کے لیے زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق ہے، اس نے اس کو اپنی راہ، آنکھ، دلیل، دروازہ، جس میں سے داخل ہوا جاتا ہے، اپنے اور انبیا و رسل میں سے اپنے بندوں کے ساتھ ملی ہوئی رسی، حجج اور اولیا بنایا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان کی قبروں پر مال خرچ کیا جاتا ہے، وہاں امیدیں بر آتی ہیں، جسم روانہ کرنے پڑتے ہیں، وطن چھوڑے جاتے ہیں، مشقتیں جھیلی جاتی ہیں، وعدے کی تجدید کی جاتی ہے، شعائر میں حاضر ہوا جاتا ہے اور احساسات کی حاضری ہوتی ہے۔''[3]

اس غلو پر تامل کیجیے! یہ حسین کو اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ اور سبب قرار دے رہا ہے اور یہ کہ وہ اللہ کی آنکھ اور دروازہ ہے، نیز ملاحظہ کریں کہ وہ قبرِ حسین کی زیارت کی فضیلت کی توجیہ کرتے ہوئے قبروں کے

---

[1] وسائل الشيعة (١٠/ ٣٢١) فروع الكافي (ص: ٣٣٥) ثواب الأعمال (ص: ٣٥)

[2] الوافي: المجلد الثاني (٨/ ٢٢٣)

[3] الوافي: المجلد الثاني (٨/ ٢٢٤)

لیے رختِ سفر باندھنے، ان پر اموال خرچ کرنے، ان سے شفاعت طلب کرنے اور ان سے امیدیں لگانے جیسے خالص شرکیہ اعمال سے استدلال کرتا ہے، اس کے باوجود یہ ان کے نزدیک تمام نیکیوں سے افضل نیکی ہے!![1]

قبرِ حسین کی زیارت تمام اعمال سے افضل عمل ہے:

شیعہ کے نزدیک قبرِ حسین کی زیارت حج سے افضل ہی نہیں، بلکہ یہ تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ ان کی روایات میں مذکور ہے:

''قبرِ حسین کی زیارت، جو اعمال بھی ہو سکتے ہیں، ان سب سے افضل ہے۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے:

''تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ عمل قبرِ حسین کی زیارت ہے۔''[3]

مجلسی نے اس عنوان کے لیے ایک خاص باب قائم کیا ہے، جس مین اس قسم کی بہت ساری روایات ذکر کی ہیں۔[4] اس طرح اسلام کے احکام اور اوامر بھلائے جا رہے ہیں اور یہ قبروں اور مزاروں کو اہمیت دیتے ہوئے انھیں بلا دلیل محض اپنے اوہام اور شیطانی خیالات کے تحت تمام اعمال سے افضل اعمال قرار دے رہے ہیں، تاکہ دین میں اپنی طرف سے شریعت سازی کریں۔

شیعہ کا قول ہے کہ کربلا کعبہ سے افضل ہے:

بیت اللہ الحرام، مسلمانوں کا قبلہ، ان کا سب سے مقدس مقام، زمین کا افضل قطعہ اور ان کے دلوں کے جھکنے کا مقام ہے، جس کے علاوہ کہیں اور طواف نہیں کیا جاتا، جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ثواب اور امن کی جگہ بنایا ہے۔ وہ مسلمانوں کا عام مقامِ اجتماع اور قبلہ ہے، جس کی طرف وہ تمام رخ کرتے ہیں، لیکن اثنا عشریہ کی روایات کہتی ہیں کہ یہ کربلا کی زمین کی حقیر اور ذلیل دُم کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

[1] لیکن ان کے علما ان روایات پر عمل کرتے ہوئے حج چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ شاید اس کے کچھ اسباب ہوں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہو کہ یہ لوگ اس عظیم اجتماع کے ذریعے پورے عالمِ اسلام تک اپنا شر پھیلا سکیں اور مسلمان ان کو طعنہ نہ دیں، تاکہ وہ اپنی دعوت پھیلانے کے لیے اس زرخیز زمین سے محروم نہ ہو جائیں۔ بالخصوص وہ اسے ایک فریضہ خیال کرتے، جس سے کوئی چھٹکارا نہیں، باوجودیکہ یہ روایات اپنے ماننے والے کے دل میں بیت اللہ کے حج کا ذرہ بر اشتیاق باقی نہیں چھوڑتیں۔

[2] كامل الزيارت (ص: ١٤٦) بحار الأنوار (١٠١/ ٤٩)

[3] كامل الزيارت (ص: ١٤٦) بحار الأنوار (١٠١/ ٤٩)

[4] اس باب کا عنوان ''باب أن زيارته عليه السلام من أفضل الأعمال'' ہے۔ دیکھیں: بحار الأنوار (١٠١/ ٤٩)

آستینوں میں جو چھپا ہے، سو ہے، اس پاکیزہ مقام پر مسلمانوں کے اجتماع اور ایک ہی مقام کی طرف رخ کرنے نے دشمنوں کی نیندیں اڑا دی ہیں، اس لیے انھوں نے اس کے خلاف سازش کرنے کے لیے ہر وسیلہ اختیار کیا اور وہ ہر اس چیز کی تلاش میں لگ گئے، جو اس سے مسلمانوں کے دلوں کو پھیر سکے۔ ان کو اس کام کا سب سے آسان دروازہ شیعیت کی راہ سے نظر آیا، لہٰذا انھوں نے کہہ دیا کہ قبرِ حسین بیت اللہ سے افضل ہے اور انھوں نے ایسی روایت وضع کیں، جن کے ساتھ وہ اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے حیلہ جوئی کر سکیں اور جھوٹ بولتے ہوئے اور بہتان طرازی کرتے ہوئے انھوں نے ان کو بعض آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیا، تا کہ شاید انھیں غفلت میں ڈوبے ہوئے دلوں اور جاہلوں کی عقل تک رسائی حاصل ہو جائے اور خواہشات اور بدعات سازی کے پجاری، نسل در نسل سینوں میں حسد کی آگ اور پرانے بدلوں کا جذبہ چھپائے ہوئے لوگوں اور امت کو فرقہ پرستی اور افتراق و انتشار میں الجھائے رکھنے کی خواہش رکھنے والے اس طرف مائل ہو جائیں۔

شیعہ کربلا اور دیگر ان جگہوں کو، جہاں ان کے مزعوم ائمہ کی قبریں ہیں، مقدس حرم خیال کرتے ہیں۔ لہٰذا کوفہ بھی حرم ہے اور قم وغیرہ بھی۔ شیعہ روایات میں ہے:

''کوفہ اللہ، اس کے رسول اور امیر المومنین کا حرم ہے، اس میں ایک نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور ایک درہم ایک ہزار درہم کے برابر ہے۔''[1]

شیعہ اپنے جعفر سے روایت کرتے ہیں:

''اللہ کا حرم مکہ ہے، اس کے رسول کا حرم مدینہ ہے، امیر المومنین کا حرم کوفہ ہے اور ہمارا حرم قم[2] ہے، اس میں میری نسل سے ایک فاطمہ نامی عورت دفن کی جائے گی۔ جس نے اس کی زیارت کی، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔''[3]

علی بن حسین نے کہا، جس طرح یہ لوگ ان پر افترا بازی کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی زمین پیدا کرنے اور اس کو حرم بنانے سے ۲۴ ہزار سال پہلے سر زمین کربلا کو برکت اور امن والا حرم بنایا۔ اللہ نے اس کو مقدس بنایا اور اس میں برکت ڈالی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] الوافي: باب فضل الكوفة ومساجدها، المجلد الثاني (٨/ ٢١٥)

[2] ''قُم'' فارسی لفظ ہے۔ یہ ایران کا مشہور شہر ہے، جو شیعہ کے نزدیک بڑا مقدس ہے، اس کے رہنے والے تمام کے تمام شیعہ ہیں۔ (معجم البلدان: ٤/ ٣٩٧) قُم کو یہ اس لیے مقدس مانتے ہیں کہ اس میں ان کے ساتویں امام موسیٰ بن جعفر کی بیٹی فاطمہ کی قبر ہے۔ (عبدالرزاق الحسيني: مشاهد العترة، ص: ١٦٢ وما بعدها)

[3] بحار الأنوار (١٠٢/ ٢٦٧)

مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی سے مقدس اور مبارک تھا اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا، حتی کہ اللہ اس کو جنت میں افضل زمین اور افضل گھر دے گا، جس میں اس کے اولیا جنت میں رہیں گے۔"[1]

یہ کربلا کی زمین کو اس لیے مقدس سمجھتے ہیں کہ اس میں حسین کا جسم ہے، لہٰذا ان کے وجود سے اس نے تقدس حاصل کیا۔ تو کیا حسین کعبہ کی تخلیق سے ۲۴ ہزار سال پہلے وہاں مدفون تھے یا یہ ان قدیم زمانوں ہی سے ان کے استقبال کے لیے تیار کی جا رہی تھی؟ اگر یہ افضلیت صرف حسین کے وجود کی وجہ سے ہے تو مدینے کو فضیلت کیوں نہیں دی گئی، جس میں رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر ہے؟

یہ اس مذہب کے بنیادی ڈھانچے میں تناقض ہے، جو یہ انکشاف کرتا ہے کہ مقصد حسین کا تقدس نہیں، بلکہ امت اور اس کے دین کے خلاف سازش ہے۔ شیعہ کی ایسی بہت زیادہ روایات مروی ہیں، جو کربلا کو بیت اللہ پر فضیلت دیتی ہیں۔

شیعہ کی بعض کہانیاں ایک مکالمہ ذکر کرتی ہیں، جو کربلا اور بیت اللہ کے درمیان ہوا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان وضاعین کے پاس دین تو کجا عقل بھی نہیں۔ شیعہ کے جعفر کہتے ہیں:

"کعبہ کی زمین نے کہا: مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے، میری پشت پر اللہ کا گھر بنایا گیا ہے، ہر دور و نزدیک سے لوگ میرے پاس آتے ہیں، مجھے اللہ کا حرم اور امن بنایا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی (جس طرح یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں): رک جا تمھیں جو فضیلت دی گئی ہے، وہ کربلا کی سرزمین کو دی گئی فضیلت کے مقابلے میں ایسے ہی ہے، جیسے ایک سوئی سمندر میں ڈالی جائے اور اس کے ساتھ جو پانی آئے۔ اگر کربلا کی مٹی نہ ہوتی تو میں تجھے فضیلت نہ دیتا، اگر کربلا کی زمین جس کو اپنے سینے میں سموئے ہوئے ہے، وہ نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا، نہ اس گھر کو پیدا کرتا، جس پر تو فخر کر رہی ہے، لہٰذا ٹھہر جا اور کربلا کی زمین کی انکار اور تکبر نہ کرنے والی ذلیل اور حقیر دم بن کر رہ، وگرنہ میں تجھے دھنسا دوں گا اور جہنم کی آگ میں پھینک دوں گا۔"[2]

لیکن کعبہ نے یہ نصیحت قبول نہ کی، جس طرح شیعہ روایات کہتی ہیں اور وہ کربلا کی زمین کے آگے نہ جھکا کہ وہ ذلیل وحقیر دم کی طرح ہوجاتا اور اس پر سزا نازل ہوتی، بلکہ، شیعہ کے بہ قول، کربلا کے علاوہ ہر پانی اور زمین پر عقوبت نازل ہوئی۔ ان کی روایات میں ہے:

---

[1] بحار الأنوار (۱۰۱/ ۱۰۷)

[2] كامل الزيارات (ص: ۲۷۰) بحار الأنوار (۱۰۱/ ۱۰۹)

''کوئی پانی اور زمین ایسی نہیں، جس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع ترک کرنے کی سزا نہ دی گئی ہو، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ پر مشرکوں کو مسلط کر دیا اور زمزم میں نمکین پانی بھیج دیا، حتی کہ اس کا ذائقہ خراب کر دیا۔''[1] لیکن کربلا کی زمین سزا سے بچ گئی اور اس کو اس پر فخر تھا، اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی مقدس اور مبارک زمین ہوں، میری مٹی اور پانی میں شفا ہے اور مجھے فخر وغرور نہیں ...۔''[2]

کربلا کے متعلق یہ لوگ جو دعوے کرتے ہیں، یہ اس کا ایک حصہ ہے۔ ان تمام روایات کو جمع کرنا، پھر ان کا تجزیہ کرنا، ایک پوری کتاب میں سما جائے گا۔ یہ ایسے کلمات ہیں، جو عقل اور منطق کے زیرِ بحث نہیں لائے جا سکتے، بلکہ یہ بیماروں کے ہذیان اور پاگلوں کی باتوں کی جنس سے ہیں۔ اگر میں انھیں ان کی معتبر کتابوں اور متعدد روایات میں نہ پاتا تو کبھی انھیں ذکر نہ کرتا۔ یہ دعوے اور جھوٹی باتیں حقیقت میں اہلِ بیت کی بہت زیادہ گستاخی پر مبنی ہیں، جن کی محبت اور شیعہ ہونے کا یہ لوگ دم بھرتے ہیں، لیکن یہ ان کے لیے دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک اور زیادہ نقصان دہ ہیں۔

یہ چیز شیعہ دین کی رسوائیوں میں سے ایک رسوائی اور فضیحت ہے، جو ان روایات کو پڑھنے والے اور ان پر ایمان رکھنے والے پڑھے لکھے اور صاحبانِ عقل شیعہ کو آخر کار الحاد اور گمراہی کی راہ پر چڑھا سکتی ہیں۔ ان کہانیوں کو بنانے والے کو اپنے اہداف حاصل کرنے میں منہ کی کھانی پڑی، کیوں کہ مسلمانوں نے کربلا کو کعبہ نہیں بنایا۔ یہ روایات صرف انہی لوگوں پر اثر انداز ہوتی رہیں، جن کو تعصب اور تنگ نظری نے حق کو سننے سے بہرا کر دیا، ان کے دلوں کو اندھا کر دیا اور یہ گمراہی کی بھول بھلیوں میں افتاں وخیزاں رہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی کتاب مسلمانوں کے پاس ہے، ان جیسی سازشوں کے چکموں میں صرف وہی لوگ آئیں گے، جنھوں نے قرآنِ کریم کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اور انھیں حق صرف اسی میں نظر آتا ہے، جو حجت، سید، آیت اور اس کا گروہ کہے، چاہے اس کی کتاب اللہ سے کوئی بھی دلیل نہ ہو۔ جعفر صادق کے یہ مذکورہ بالا یہ قصے جس شخص نے روایت کیے ہیں، اس کو صفوان جمال کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ شیعہ علما کے بہ قول، جعفر کے رجال و روات سے اور ان کے نزدیک ثقہ ہے۔[3]

ہوسکتا ہے یہی وہ شخص ہو، جس نے اس بہتان کا گناہ اپنے سر لیا ہو، اگر اس کی سند بناوٹی نہیں ہے اور مجھے اہلِ سنت کی کتبِ رجال میں، جنھیں میں نے دیکھا ہے، اس کا کوئی ذکر نہیں ملا۔

---

[1] حوالہ جات سابقہ۔

[2] حوالہ جات سابقہ۔

[3] معجم رجال الحدیث (۹/ ۱۲۱)

حسین کے زائرین کے پاس فرشتے آتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ سرگوشیاں کرتا ہے:

قبرِ حسین اور دیگر ائمہ کی قبور کی زیارت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے شیعہ کے مبالغات اس ناقابلِ تصور حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جنھیں کوئی بھی صاحبِ عقل قبول نہیں کرسکتا۔ شیعہ کے جعفر کا کہنا ہے:

''جو اپنے گھر سے زیارتِ حسین کی نیت سے نکلا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں .... جب وہ اپنے مناسک پورے کر لیتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے، جو اس سے کہتا ہے: میں اللہ کا ایلچی ہوں۔ تیرا رب تجھے سلام پیش کرتا ہے اور کہتا ہے: اب نئی زندگی شروع کر، کیوں کہ میں نے تیرے گذشتہ سارے گناہ معاف کر دیے ہیں۔''[1]

لہٰذا فرشتے قبروں کے زائرین کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں، انھیں اللہ کا سلام پہنچاتے ہیں اور انھیں بخشش کے چیک تقسیم کرتے ہیں!!

یہ دعوے پاگل پن سے کئی درجات آگے ہیں، ان کی اس سے بھی بڑی حرکت ان کی یہ کہنے کی جسارت ہے کہ اللہ تعالیٰ زائرین سے سرگوشی کرتے ہیں۔ شیعہ کی ایک روایت کہتی ہے:

''جب زائر قبر کے پاس آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے میرے بندے! مجھ سے مانگ میں تمھیں عطا کروں گا، مجھ سے مانگ، میں تیری مانگ پوری کروں گا۔''[2]

اس طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ پر جھوٹ وہی لوگ باندھتے ہیں، جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ شیعہ کا دعویٰ ہے، حالاں کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں اہلِ تعطیل کے مسلک پر گامزن ہیں کہ اللہ تعالیٰ سرگوشی کرتا ہے اور زائرینِ حسین سے کلام کرتا ہے۔ یقیناً یہ ایک خطرناک جھوٹ اور بہت بڑا بہتان ہے۔

اپنی مبالغے اور غلو کی عادت کی طرح انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، وہ ان ظالموں کے قول سے بہت بلند ہے، شیعہ کے ساتھ مل کر ائمہ کی قبروں کی زیارت کرتا ہے۔

مجلسی کی بحار میں مذکور ہے:

''اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ امیر المومنین کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے انبیا اور مومنین بھی

---

[1] الطوسي: تهذيب التهذيب (٢/ ١٤) ابن قولويه: كامل الزيارات (ص: ١٣٢) ثواب الأعمال (ص: ٥١) وسائل الشيعة (١٠/ ٣٤١ـ ٤٢)

[2] كامل الزيارات (ص: ١٣٢) وسائل الشيعة (١٠/ ٣٤٢) نیز دیکھیں: ثواب الأعمال (ص: ٥١)

زیارت کرتے ہیں۔‘‘[1]

یہ بہت بڑی بات ہے، جو ان کے منہ سے نکلی ہے اور ان کے قلم نے اسے سپردِ قرطاس کیا ہے، حالاں کہ یہ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔

مناسکِ مزارات:

مزاروں کی زیارت شیعہ کے مذہبی فرائض میں سے ایک فریضہ ہے،[2] جن کا تارک کافر ہے۔[3] مجلسی نے اس کے لیے اس عنوان ’’حسین کی زیارت واجب، فرض اور مامور ہے اور اس کے ترک کرنے پر وارد ہونے والی مذمت اور عتاب کا ذکر‘‘ کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں ۴۰ روایات ذکر کی ہیں۔[4]

اسی طرح انھوں نے اس کے لیے بھی بیت اللہ کے حج کے مناسک کی طرح مناسک بنا لیے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’شیعہ کے عالم ابن نعمان نے، جو ان کے ہاں مفید کے لقب سے مشہور ہے، ’’مناسکِ مشاہد‘‘ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے، اس نے مخلوق کی قبروں کو اس طرح قرار دے دیا ہے جس طرح کعبہ کا حج کیا جاتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے باعثِ قیام بنایا ہوا ہے، ان قبروں کا بھی حج کیا جاتا ہے، جب کہ بیت اللہ وہ سب سے پہلا گھر ہے، جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، جس کے سوا کسی کا طواف کیا جاتا ہے نہ کسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے اور اس کے حج کے سوا کسی کے حج کا حکم نہیں دیا گیا۔‘‘[5]

لیکن آج شیعہ کے عالم آغاز بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب ’’الذریعة‘‘ کے ذریعے ہمارے سامنے یہ انکشاف کیا ہے کہ ان کے علما نے مزار اور اس کے مناسک اور احکام کے متعلق جو کتابیں تصنیف کی ہیں، ان کی تعداد ۶۰ تک ہے۔[6]

---

[1] بحار الأنوار (۱۰۰/ ۲۵۸)

[2] اس کے متعلق شیعہ روایات کے لیے دیکھیں: تهذيب الأحكام للطوسي (۲/ ۱٤) كامل الزيارات لابن قولويه (ص: ۱۹٤) وسائل الشيعة للحر العاملي (۱۰/ ۳۳۳۔ ۳۳۷)

[3] وسائلِ شیعہ میں ہارون بن خارجہ سے مروی ہے کہ اس نے ابو عبداللہ سے کسی عذر کے بغیر قبرِ حسین کی زیارت کے تارک کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: ’’یہ آدمی اہلِ جہنم سے ہے۔‘‘ (وسائل الشيعة: ۱۰/ ۳۳٦۔ ۳۳۷، كامل الزيارات، ص: ۱۹۳)

[4] دیکھیں: بحار الأنوار (۱۰۱/ ۱۔ ۱۱)

[5] منهاج السنة (۱/ ۱۷۵) مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (۱۷/ ٤۹۸)

[6] دیکھیں: الذريعة (۲۰/ ۳۱٦۔ ۳۲٦)

یہ ساری کتابیں اس شرک کی بنیاد مضبوط کرنے اور اس کی عمارت پختہ کرنے کے لیے لکھی گئی ہیں۔ یہ کتب اس کے علاوہ ہے، جو ان کی معتبر کتابوں کے قبروں کے متعلق مخصوص ابواب میں مذکور ہے، جن کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔ ان مناسک اور عبادات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① قبروں کا طواف:

مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ بیت اللہ کے سوا کسی جگہ کا طواف جائز اور مشروع نہیں۔[1] لیکن شیعہ علما نے اپنے پیروکاروں کے لیے اپنے مردہ اماموں کی قبروں کا طواف مشروع قرار دیا ہے اور اس شرک کی سند کے لیے انھوں نے آلِ بیت کے نام پر جھوٹی روایات وضع کی ہیں۔

مجلسی کہتا ہے کہ ائمہ کی زیارت کی بعض روایات منقول ہے:

''الا یہ کہ ہم تمھارے مزاروں کے گرد طواف کریں گے۔''

اور بعض روایات میں ہے: ''قبر کے اطراف کو بوسہ دے۔''

جس طرح اس نے کہا ہے کہ رضا رسول اللہ ﷺ کی قبر کی (اس کے دعوے کے مطابق) زیارت کرتا تھا۔[2] اس سے ان کے مذہب میں اس بُت پرستی کی عبادت کے جواز کی دلیل لی گئی ہے، لیکن شرک سے منع کرنے والی اور شرک کے لیے جہنم کی آگ کی وعید پر مشتمل صریح واضح قرآنی آیات کی طرف اس کی نظر نہیں گئی، لیکن وہ روایات اس کے لیے باعث اِشکال ہوتی ہیں، جو شیعی رواج و عادت کے مطابق مزاروں کے متعلق ان کے مذہب کی مخالفت کرتی ہیں اور ان کے ائمہ سے مروی ہیں، لیکن اس نے ان کی تاویل کر کے ان سے خلاصی حاصل کر لی ہے۔

شیعہ کی روایات میں ایسی باتیں بھی منقول ہیں، جو قبروں کے طواف سے منع کرتی ہیں، جیسے ان کے امام کا یہ قول: ''کھڑے ہو کر پانی نہ پی اور نہ قبر کا طواف کر... جس نے ایسا کام کیا، وہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے، جس نے ان میں سے کوئی کام بھی کیا، وہ اس کو چھوڑ نہیں سکے گا، الا یہ کہ جو اللہ چاہے۔''[3]

اس روایت کی تاویل میں مجلسی نے اپنے کو بہت زیادہ تھکایا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس میں یہ احتمال ہے کہ اس تعداد کے ساتھ طواف سے منع کیا ہو، جو تعداد بیت اللہ کے طواف

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٥٢١)

[2] بحار الأنوار (١٠٠/ ١٢٦)

[3] ابن بابویہ: علل الشرائع (ص: ٢٨٣) بحار الأنوار (١٠٠/ ١٢٦)

کے لیے مخصوص ہے۔''[1]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مجلسی نے وہ موقف اور مسلک اختیار نہیں کیا جو کتاب اللہ، مسلمانوں کے مسلک اور خود ان کی اپنی روایت ''قبر کا طواف نہ کر'' کے موافق ہے، تا کہ اپنے آپ کو اور اپنے گروہ کو اس بدعت سے روکنے کی نصیحت کرتا، اس کا اقرار کرتا اور اس کے مخالف آنے والی روایت تاویل کرتا، کیوں کہ یہ شذوذ و انحراف اور اللہ کے ساتھ شرک کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اپنی اس عبارت کی تاویل میں تکلف کیا ہے، جو صحیح مفہوم پر دلالت کرتی ہے، حتی کہ اس نے کہا ہے:

''یہ احتمال بھی ہے کہ جس طواف کی نفی کی گئی ہے، وہ یہاں پاخانہ کرنا ہے۔''[2]

چناں چہ شیعہ کا دین مجلسی کا دین ہے، ان کے ائمہ کا دین نہیں اور شیعہ کا عمل اپنے علما کے اقوال پر مبنی ہے، شیعہ کے ائمہ کی تعلیمات پر نہیں۔ لہٰذا انھوں نے اپنے امام کے اس قول: ''قبر کا طواف نہ کر'' سے اعراض کیا، جس طرح انھوں نے اس سے پہلے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے اجماع سے منہ موڑا، لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انھوں نے اپنی قوم کو بھی گمراہ کیا۔

② قبر کے پاس نماز:

قبروں اور مزاروں کے مناسک اور عبادات میں سے ایک عبادت ائمہ کی قبروں کے پاس دو رکعات یا اس سے زیادہ نماز ادا کرنا بھی ہے اور شاید وہ انھیں قبلہ بناتے ہیں، جس کا آگے ذکر ہوگا۔

قبروں کے نزدیک ادا کی جانے والی ہر رکعت بیت اللہ کے حج سے سیکڑوں گنا زیادہ فضیلت کی حامل ہے۔ شیعہ کی روایات میں منقول ہے:

''حسین کے حرم میں نماز تمھارے لیے ہر اس رکعت کے بدلے جو تم وہاں ادا کرتے ہو، ایک ہزار حج، ایک ہزار عمرے اور ایک ہزار گردنوں کو آزاد کروانے کے ثواب کے برابر ہے اور گویا یہ کسی نبی مرسل کے ساتھ ہزاروں مرتبہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہے۔''[3]

یہ امر قبرِ حسین کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ان کے تمام ائمہ کی قبریں ایسے ہی ہیں۔ بحار الانوار میں مروی ہے:

---

[1] بحار الأنوار (١٠٠/ ١٢٦)

[2] المصدر السابق (١٠٠/ ١٢٧)

[3] الوافي: المجلد الثاني (٨/ ٢٣٤)

''جس نے رضاؒ[1] کی زیارت کی یا کسی امام کی اور اس کے پاس نماز پڑھی، تو اس کے لیے وہ ثواب لکھا جائے گا (جو مذکورہ بالا روایت میں منقول ہے) پھر وہ اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے: اس کو ہر قدم کے بدلے ایک سو حج، ایک سو عمرے اور اللہ کی راہ میں ایک سو غلام آزاد کروانے کا ثواب ملے گا اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی سو غلطیاں مٹا دی جاتی ہیں۔''[2]

دیکھیے! کس طرح یہ لوگ قبروں کے پاس نماز کو بیت اللہ کے حج پر فضیلت دیتے ہیں؟ اس طرح یہ لوگ شرک کو توحید پر مقدم رکھتے ہیں اور قدیم زمانوں ہی سے مشرکوں کی یہ عادت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ان کا دین اللہ کے دین سے افضل ہے اور وہ ایمان داروں کی نسبت زیادہ سیدھی راہ پر ہیں!!

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والا رسولِ ہدایت حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک سے ملعون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارىٰ، اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»[3]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''

صحیحین میں وارد ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے آپ کے مرض الموت میں حبشہ کی زمین پر ایک گرجے کا ذکر ہوا اور اس کی خوبصورتی اور اس میں معلق تصویروں کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ أُوْلٰئِكَ إِذَا مَاتَ فِيْهِمِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلىٰ قَبْرِهٖ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيْهِ تِلْكَ التَّصَاوِيْرَ، أُوْلٰئِكَ شِرَارِ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ»[4]

---

[1] علی رضا کا مزار ایران کے مقاماتِ مقدسہ میں سے سب سے اہم سمجھا جاتا ہے اور شیعہ کے ہاں یہ سب سے بڑا متبرک مقام ہے۔ اس پر بہت بڑا ایک قبہ بنا ہوا ہے، جس پر سونے کی بنی ہوئی چادر کا غلاف ہے۔ (عبداللّٰه فياض: مشاهداني في إيران، ص: ۱۰۲) کیوں کہ مزارات کی تزئین و آرائش اور وہاں قسما قسم کی عبادات کی بجا آوری شیعہ دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

[2] بحار الأنوار (۱۰۰/ ۱۳۷۔ ۱۳۸)

[3] أخرجه البخاري في الصلاة (۱/ ۵۳۲، صحيح البخاري مع فتح الباري) وفي كتاب الجنائز: باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور (۳/ ۲۰۰) و باب ما جاء في قبر النبيﷺ وأبي بكر و عمر (۳/ ۲۵۵) وفي كتاب الأنبياء: باب ما ذكر عن بني إسرائيل (٦/ ٢٩٤) وفي كتاب المغازي: باب مرض النبيﷺ ووفاته (۸/ ۱٤۰) وفي كتاب اللباس: باب الأكسية والخمائل (۱۰/ ۲۷۷) اس معنی میں یہ حدیث صحيح مسلم: كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور (۳۷٦۔ ۳۷۷) مسند أحمد (۱/ ۲۱۷، ٦/ ۸۰، ۸٤، ۱۲۱، ۱٤٦، ۲۲۹، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۷۵) مسند الدارمي: كتاب الصلاة، باب النهي عن اتخاذ القبور مساجد (۱/ ۳۲٦) وغیرہا میں بھی موجود ہے۔

[4] أخرجه البخاري، كتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد (۱/ ۵۲۳) باب←

''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی وفات پا جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ تصاویر بنا لیتے۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں مخلوق میں سے بدترین ہیں۔''

خود اثنا عشریہ کی کتابوں میں بھی قبروں کو مساجد بنانے سے منع کے متعلق روایات ثابت ہیں، لیکن ان کے علما ان کی تاویل کرتے ہیں، جس طرح آگے ذکر ہوگا۔

③ قبر پر اوندھا گرنا:

ان کے ہاں مشاہد اور مزاروں کے مناسک اور عبادات میں قبر پر اوندھے منہ گرنا، اس پر اپنا رخسار رکھنا، چوکھٹوں کو بوسہ دینا اور صاحبِ قبر سے سانس منقطع ہونے تک، جس طرح یہ کہتے ہیں، مناجات کرنا بھی شامل ہے۔ مجلسی کہتا ہے:

''اس بات کے بیان میں باب کہ اس کی قبر کے پاس کون سا فعل بجا لانا مستحب ہے۔''[1]

اس کے بعد اس نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ عالم طوسی نے جمعہ کے دن زیارت کے اعمال بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''...پھر تم قبر پر اوندھے منہ گر جاؤ اور کہو: میرے مولا! میرا امام مظلوم ہے، اس پر ظلم کرنے والے کے خلاف مدد مدد پکار، حتی کہ سانس منقطع ہو جائے۔''[2]

یہ لوگ اپنی اکثر زیارتوں کے دوران میں اور خاتمے کے وقت قبر پر اوندھے منہ گرنے اور اس سے دعا کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔

یہ زیارتِ حسین ہے، جس کی، شیعہ کے بہ قول، جعفر صادق نے وصیت کی اور اس زیارت کو شروع کرنے سے تین دن پہلے روزہ رکھنے، پھر غسل کرنے، دو پاک کپڑے پہننے، پھر دو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا، پھر کہا:

''جب تم دروازے کے پاس آؤ تو گنبد سے باہر کھڑے ہو جاؤ، اپنی آنکھ سے قبر کی طرف اشارہ کرو اور کہو: اے میرے مولا! اے ابو عبداللہ! اے فرزندِ رسول! تیرا غلام، تیرے غلام کا بیٹا، تیری لونڈی کا بیٹا، تمھارے سامنے ذلیل، تمھاری بلند شان میں تقصیر کرنے والا، تمھارے حق کا معترف،

← الصلاة في البيعة (١/ ٥٣١) و في كتاب الجنائز، في بناء المسجد على البقر (٣/ ٢٠٨) و صحيح مسلم، كتاب المساجد: باب النهي عن بناء المساجد على القبور (١/ ٣٧٥۔ ٣٧٦) و مسند أبي عوانة (١/ ٤٠٠۔ ٤٠١) و مسند أحمد (٦/ ٥١) و سنن البيهقي (٤/ ٨٠)

[1] بحار الأنوار (١٠١/ ٢٨٥)

[2] المصدر السابق و مصباح المتهجد للطوسي (ص: ١٩٥)

تمھارے پاس تمھارے ذمے کے ساتھ پناہ مانگتے ہوئے، تمھارے حرم کا قصد کرتے ہوئے اور تمھارے مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے آیا ہے۔

''پھر اس نے کہا: پھر اس کی قبر پر اوندھے منہ گر جا اور کہہ: اے میرے آقا! میں تمھارے پاس ڈرا ہوا آیا ہوں، مجھے اَمن دے۔ تمھارے پاس پناہ مانگتے ہوئے آیا ہوں، مجھے پناہ دے۔ پھر دوسری مرتبہ قبر پر اوندھے منہ گر جا۔''[1]

زیارت کے آخر تک ایسے ہی کرے... جس میں وہ اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کو پکارتا ہے اور اس کے سامنے اس طرح گڑگڑاتا ہے، جس طرح اللہ کے سامنے گڑگڑا رہا ہو... اگر یہ شرک نہیں تو پھر شرک کس بلا کا نام ہے؟

اسی طرح کی بات شیعہ کے عالم مفید نے بھی کہی ہے:

''جب تم نکلنے لگو تو قبر پر اوندھے منہ گر جاؤ اور اس کو بوسہ دو...'' پھر کہا: ''پھر حسین کے مزار کی طرف واپس آ اور کہہ: اے ابوعبداللہ! تجھ پر سلامتی ہو، تم میرے لیے عذاب سے ڈھال ہو۔''[2]

اس طرح ان کے دین میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جو قبر پر یا صاحبِ قبر کے لیے سجدہ کرنے، جسے یہ ''انکباب'' (اوندھے منہ گرنا) کا نام دیتے ہیں اور خالقِ ارض و سما کی طرح مردے کو پکارنے، جو اپنے لیے کسی فائدے کا مالک ہے نہ نقصان دور کرنے کا، پر مشتمل ہے، ان کے نزدیک مستحب ہو چکا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ [الأحقاف: ٥]

''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔''

لیکن یہ لوگ اس کام کو تمام نیکیوں سے افضل نیکی شمار کرتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو باور کرواتے ہیں کہ یہ شرک ''گناہوں کی بخشش، جنت میں داخلے، آگ سے آزادی، گناہ مٹانے، درجات بلند کرنے اور دعاؤں کی قبولیت کا موجب ہے۔''[3] ''بلکہ یہ طوالتِ عمر، نفس و مال کی حفاظت، رزق میں اضافے، مصیبتیں دور

---

[1] بحار الأنوار (١٠١/ ٢٥٧۔ ٢٦١) عن المزار الكبير لمحمد المشهدي (ص: ١٤٣۔ ١٤٤)

[2] بحار الأنوار (١٠١/ ٢٥٧۔ ٢٦١) عن المزار الكبير (ص: ١٥٤)

[3] یہ ''بحار الأنوار'' کے ایک باب کا عنوان ہے، جو اس معنی کی ٣٧ روایات پر مشتمل ہے۔ دیکھیں: بحار الأنوار (١٠١/ ٢١۔ ٢٨)

کرنے اور حاجتیں پوری کرنے کا سبب بھی ہے۔"[1] "نیز یہ حج عمرے، جہاد اور غلام آزاد کروانے کے برابر عمل ہے۔"[2] یہ اور اس طرح کے دیگر خیالی فضائل، ان لوگوں نے ایسی چیزوں کو شریعت بنا دیا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔

ان لوگوں کا ہر اس عمل کے ساتھ تعلق ہے، جس کا شرک کے ساتھ دور و نزدیک کا کوئی بھی واسطہ ہو، چاہے ان کو اپنی کتابوں سے کوئی بھی دلیل نہ ملے، جو شرک اور اس کے اسباب کے باب میں خود کفیل ہیں۔

مثال کے طور پر مجلسی کہتا ہے:

"چوکھٹ پر بوسہ دینے کی ہمیں کوئی قابلِ اہمیت دلیل نہیں ملی، لیکن یہی امامیہ کا مذہب ہے۔"[3]

یعنی یہ اپنے آبا و اجداد کی تقلید اور ان کے ساتھ مسابقت میں چوکھٹوں کو بوسے دے کر عبادت کرتے ہیں، گویا ان کی کتابوں میں، جو شرکیہ اعمال بھرے ہوئے ہیں، ان سے ان کا دل نہیں بھرا تو انھوں نے مشرکوں کی طرح اپنے پیشروؤں کے مذہب کے ساتھ لو لگا لی، جنھوں نے کہا تھا:

﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ [الزخرف: ٢٣]

"بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستے پر پایا اور بے شک ہم انھی کے قدموں کے نشانوں کے پیچھے چلنے والے ہیں۔"

ہر امام کی طرف شرک کے جدید مبادیات منسوب کیے جاتے ہیں، حتی کہ امام منتظر، جس کا وجود ہی نہیں، اس باب میں اس کے لیے بھی جدید قوانین ہیں، جن کے مطابق نماز میں قبر کی طرف چہرہ ہونا چاہیے اور کعبے کی طرف پشت۔ قبر پر رخسار کے متعلق، شیعہ کے بہ قول، مقدس گوشے سے (جھوٹے سفیروں کے ذریعے مزعوم مہدی منتظر کی طرف سے) یہ روایت آئی ہے کہ ان کے مہدی نے کہا ہے:

"جس پر عمل ہے، وہ یہ ہے کہ وہ (زائر) اپنا دایاں رخسار قبر پر رکھے۔"[4]

اس لیے ان کے علما نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ان مزاروں کی زیارت کے آداب میں سے یہ ہے:

"دعا اور زیارت سے فراغت کے بعد دایاں رخسار رکھا جائے۔"[5]

---

[1] یہ بھی اسی کا ایک عنوان ہے، جو ١٧ روایات پر مشتمل ہے۔ دیکھیں: بحار الأنوار (١٠١/ ٤٥۔ ٤٨)
[2] یہ بھی ایک عنوان ہے، جو ٨٤ روایات پر مشتمل ہے۔ دیکھیں: بحار الأنوار (١٠١/ ٢٨۔ ٤٤)
[3] بحار الأنوار (١٠٠/ ١٣٦) عمدة الزائر (ص: ٢٩)
[4] عمدة الزائر (ص: ٣١)
[5] بحار الأنوار (١٠٠/ ١٣٤) عمدة الزائر (ص: ٣٠)

نیز انھوں نے کہا ہے:

''قبر کو بوسہ دینا مکروہ نہیں، بلکہ وہ ہمارے نزدیک سنت ہے، لیکن اگر تقیہ ہو، تب اسے چھوڑنا زیادہ مناسب ہے۔''[1]

یہ نئے قوانین اور مبادیات ہیں، جو رافضہ کے علمائے سوء نے ایجاد کیے ہیں،: ''جب کہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ استلام اور بوسہ دونوں ارکانِ یمانیہ کے سوا غیر مشروع ہے۔ حجرِ اسود کا استلام کیا جاتا ہے اور اس کو بوسہ دیا جاتا ہے اور رکنِ یمانی کا استلام کیا جاتا ہے۔ ایک قول ہے کہ اسے بھی بوسہ دیا جائے، لیکن یہ ضعیف ہے، اس کے علاوہ چیزیں جیسے بیت اللہ کے کونے، پتھر، نبی اکرم ﷺ کا حجرہ اور تمام انبیا اور صالحین کی قبریں ان کا استلام اور انھیں بوسہ دینا غیر مشروع ہے۔''[2]

ان تمام مبادیات کا ہدف اللہ کے دین سے روکنا اور شرک اور اسبابِ شرک کی دعوت دینا ہے۔ ان اعمال کے دوران میں پڑھنے کے لیے دعائیں بھی بنائی گئی ہیں، جو شرک اور ائمہ خدا کا درجہ دینے پر مشتمل ہیں، جن کے سامنے مشرکین کے افعال بھی ہیچ ہیں۔

④ قبر کو بیت اللہ کی طرح قبلہ بنانا:

شیعہ کے عالم اور بزرگ مجلسی نے کہا ہے:

''قبر کی طرف منہ کرنا ایک لازمی اَمر ہے، چاہے وہ (قبر) قبلے کے مطابق نہ ہی ہو...زائر کے لیے قبر کی طرف منہ کرنا قبلے کی طرف منہ کرنے کے قائم مقام ہے، وہ اللہ کا چہرہ ہے، یعنی اس کی جہت، جس کی طرف اس نے اس حالت میں لوگوں کو منہ کرنے کا حکم دیا ہے۔''[3]

جب مجلسی نے حسبِ عادت اپنی قوم کی روایات میں یہ دو باہم متعارض روایات دیکھیں:

1. ابو جعفر محمد باقر سے منقول ہے، اس نے کہا: ''میری قبر کو قبلہ اور مسجد نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے، جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔''[4]
2. ان کے مہدی منتظر سے مروی ہے (جس کا کوئی وجود نہیں، جس طرح اہلِ علم کا کہنا ہے):

---

[1] بحار الأنوار (١٠٠/ ١٣٦)

[2] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٥٢١)

[3] بحار الأنوار (١٠١/ ٣٦٩)

[4] ابن بابویه: علل الشرائع (ص: ٢٥٨) بحار الأنوار (١٠٠/ ١٢٨)

’’حمیری[1] نے مقدس[2] گوشے کی طرف یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ ایک آدمی ائمہ کی قبروں کی زیارت کرتا ہے تو کیا جو ان بعض قبروں کے پاس نماز پڑھتا ہے، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قبر کے پیچھے کھڑا ہو اور قبر کو قبلہ بنائے، یا اس کے سر یا پاؤں کے پاس کھڑا ہو؟ نیز کیا جائز ہے کہ وہ قبر کے آگے ہو کر قبر کو پیچھے رکھ کر نماز پڑھے یا نہیں؟ تو مہدی مزعوم نے جواب دیا: جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو وہ اس کے پیچھے ہوگی اور قبر کو سامنے رکھا جائے گا، لیکن اس کے سامنے یا دائیں بائیں نماز پڑھنا جائز نہیں، کیوں کہ امام ـصلى الله عليه ـ سے آگے بڑھا جاتا ہے نہ اس کے برابر کھڑا ہوا جاتا ہے۔‘‘[3]

تو اس (مجلسی) نے اپنی قوم کے لیے دوسری نص پر عمل کرنے کو ترجیح دی اور کہا:

’’پہلی خبر کو تقیے پر محمول کرنا ممکن ہے یا اس بات پر کہ ان کی قبروں کو کعبے کی طرح قرار دینا جائز نہیں، جس کی طرف ہر جانب سے منہ کیا جاتا ہے۔‘‘[4]

شیعہ کے اصحاب میں سے کچھ نے پہلی خبر کو با جماعت نماز پر محمول کیا ہے اور دوسری کو انفرادی نماز پر، ابوابِ زیارات میں دوسری خبر کی تائید میں روایات مذکور ہوں گی[5] (یعنی قبر کو قبلہ بنانے کی تائید میں)۔

دیکھیے! کس طرح ان کے علما اللہ کے ساتھ شرک کی تائید کرتے ہیں اور حق کو رد کرتے ہیں، خواہ وہ ان کی اپنی کتابوں ہی میں کیوں نہ مذکور ہو۔ مجلسی اس قول کو ترجیح دے رہا ہے، جو اس معدوم منتظر سے منقول ہے اور ابوجعفر جو رسولِ ہدایت سے نقل کر رہے ہیں اور جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے مطابق ہے، اس کو مجلسی رد کر رہا ہے۔

مجلسی نے اپنے امام کے اس قول پر بھی توقف کیا ہے، جو اس نے دور سے قبر کی زیارت کا طریقہ ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

---

1. عبداللہ بن جعفر بن مالک حمیری۔ یہ ان کذابوں میں سے ایک ہے، جن کے متعلق ان کا گمان ہے کہ وہ اس معدوم منتظر کے ساتھ خط کتابت کرتے تھے، لیکن یہ ان کے نزدیک ثقہ ہے۔ (الفهرست للطوسي، ص: ١٣٢، رجال الحلي، ص: ١٠٦)
2. مقدس گوشہ ان کے نزدیک ان کے مہدی منتظر کا رمز ہے۔
3. الاحتجاج للطبرسي (٢/ ٣١٢، ط: النجف) بحار الأنوار (١٠٠/ ١٢٨)
4. یعنی یہ ان کے مذہب میں ایک طرف سے قبلہ ہے، یہ تمام جہات میں کعبہ کی طرح قبلہ نہیں، یہ ان کے نزدیک کعبہ کی افضلیت کی بنا پر نہیں، لیکن قبر سے آگے ہونے کے خوف سے ہے، جس طرح یہ رقعہ اشارہ کر رہا ہے۔
5. بحار الأنوار (١٠٠/ ١٢٨)

''جمعہ کے دن یا جس دن چاہو غسل کر، اپنے سب سے پاک کپڑے پہن، اپنے گھر کی سب سے اونچی جگہ پر چڑھ یا صحرا میں چلا جا، قبلے کی طرف منہ کر، جب تجھے پتا چل جائے کہ قبر وہاں ہے۔''

چونکہ اس کے مذہب میں قبر کی طرف منہ کرنا ایک لازمی امر ہے، اس لیے وہ کہتا ہے:

''ان کا یہ کہنا کہ قبلے کی طرف اپنا منہ کر، شاید امام نے یہ بات اس کے لیے کہی ہے، جس کے لیے ایک ساتھ قبر اور قبلے کی طرف منہ کرنا ممکن ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں قبلے سے مجازی طور پر قبر کی جہت مراد ہو اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اصل لفظ قبر ہو، جو کاتب نے قبلے میں بدل دیا ہو۔''[1]

یہ سارے تکلفات اور تاویلات محض اس وجہ سے ہیں کہ وہ کہتا ہے:

''اس کے گروہ نے مطلقاً قبر کی طرف منہ کرنے کا فیصلہ دیا ہے (یعنی ہر قسم کی زیارت میں) اور یہ دور سے زیارت کرنے والے کے متعلق ذکر ہونے والی دیگر روایات کے مطابق ہے۔''[2]

وہ کہتا ہے:

''زائر کے قبر سے دور ہونے کے باعث نماز میں قبر کی طرف منہ کرنا اور کعبہ کی طرف پشت کرنا مستحسن ہے۔''[3]

یہ زیارت کی دو رکعاتِ نماز کے متعلق ہے، جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

''ہر قبر کے پاس دو رکعات نمازِ زیارت ادا کرنا ضروری ہے۔''[4]

یہ باتیں اس قوم کے متعلق باعثِ استعجاب نہیں، جو کربلا کو کعبۃ اللہ سے افضل گردانتی ہے! ایسے دین کو ہم کیا نام دیں، جو اپنے اَتباع کو کعبہ کی طرف پشت کرنے اور اپنے ائمہ کی قبروں کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ایسے علما کو کس نام سے پکاریں، جو اس دین کے داعی ہیں؟ اس کو اسلام کے سوا ہر نام دیا جا سکتا ہے، جو دینِ توحید ہے، جس کے رسول ﷺ نے قبروں کو قبلہ بنانا تو ایک طرف رہا، ان پر نماز پڑھنے سے بھی منع کیا ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ قبروں کو مسجد اور قبلہ بنانے سے نہی اور ممانعت خود شیعہ کی کتابوں میں بھی مذکور ہے، جس طرح حر عاملی[5] وغیرہ کی وسائل میں مذکور ہے، ایسے ہی غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کے باطل ہونے

[1] بحار الأنوار (۱۰۱/ ۳٦۹)

[2] بحار الأنوار (۱۰۱/ ۳٦۹۔ ۳۷۰)

[3] بحار الأنوار (۱۰۰/ ۱۳۵)

[4] بحار الأنوار (۱۰۰/ ۱۳٤)

[5] شیعہ کی کتابیں روایت کرتی ہیں کہ علی بن حسین نے کہا: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری قبر کو قبلہ یا مسجد نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ ←

کے متعلق بھی ان کی روایات منقول ہیں۔[1]

اس مذہب میں سب سے زیادہ حیرت ناک چیز تناقض ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ان کی کتابوں میں قبروں اور مزاروں کے متعلق منقول امور کی ایک چھوٹی سے جھلک ہے، کیوں کہ ان لوگوں کے ہاں مزاروں اور ان کی عبادات اور مناسک کی اتنی وسیع اور ظاہر اہمیت ہے، جتنی امامت کے مسئلے کی۔ ان کے معتبر مصادر نے اس موضوع کے لیے ایک خاص گوشہ مخصوص کیا ہے، جو آپ کو موحد مسلمانوں کی کتابوں میں نظر نہیں آئے گا۔

مثلاً مجلسی کی "بحار الأنوار" میں ایک مستقل کتاب ہے، جس کا اس نے "کتاب المزار" نام رکھا ہے، جو بہت زیادہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب سیکڑوں روایات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ بحار کی جدید طباعت میں تقریباً تین جلدوں پر مشتمل ہے۔[2] اسی طرح حر عاملی کی "وسائل الشیعة" میں "أبواب المزار"[3] کے نام سے ۱۰۶ ابواب ہیں۔ کاشانی نے وافی میں، جو ان کے اصولِ اربعہ کی جامع ہے، "أبواب المزارات والمشاهد" کے عنوان سے ۳۳ ابواب قائم کیے ہیں۔[4]

ابن بابویہ کی کتاب "من لا یحضره الفقیه" میں (جو ان کی ایک معتبر مصدر ہے) مزارات اور ان کی تعظیم کے متعلق کئی ابواب ہیں، جیسے "باب تربة الحسین و حریم قبره، أبواب زیارة الأئمة و فضلها"۔[5] طوسی کی "تهذیب الأحکام" میں ایسے ابواب کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے، جو مزارات اور قبروں کی تعظیم، نیز ایسی دعاؤں کے ساتھ ائمہ سے مناجات کرنے پر مشتمل ہے، جو انھیں خدا کا درجہ دیتی ہیں۔[6] "مستدرك الوسائل" میں ۸۶ ابواب ہیں، جو زیارات اور مزاروں کے متعلق ۲۷۶ روایات پر مشتمل ہیں۔[7]

← نے یہود پر لعنت کی، کیوں کہ انھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔" (من لا یحضره الفقیه: ۱/ ۵۷، وسائل الشیعة: ۳/ ٤٥٥) لیکن ان لوگوں کا دین ان کے علما کا دین ہے، جنھوں نے یہ قانون گھڑ لیا ہے کہ عامہ یعنی اہلِ سنت کی مخالفت کرو، اس طرح انھوں نے اپنی قوم کو سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا ہے۔

[1] وسائل کے مصنف نے اس مفہوم کی پانچ روایات ذکر کی ہیں۔ دیکھیں: وسائل الشیعة (۳/ ۲۲۷) ان کے نزدیک غیر قبلہ کی طرف نماز کے باطل ہونے کے لیے مزید دیکھیں: (من لا یحضره الفقیه (۱/ ۷۹، ۱۲۲) تهذیب الأحکام (۱/ ۱٤٦، ۱۷۸، ۱۹۲، ۲۱۸) فروع الکافي (۱/ ۸۳)

[2] یہ جلدیں (۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲) ہیں۔

[3] دیکھیں: الوسائل (۱۰/ ۲۵۱ وما بعدها)

[4] دیکھیں: المجلد الثاني (۸/ ۱۹۳ وما بعدها)

[5] دیکھیں: من لا یحضره الفقیه (۲/ ۳۳۸ وما بعدها)

[6] دیکھیں: تهذیب الأحکام (٦/ ۳ وما بعدها)

[7] دیکھیں: النوري الطبرسي: مستدرل الوسائل (۲/ ۱۸۹۔ ۲۳٤)

یہ ان روایات کے علاوہ ہیں، جو ان کی ان دوسری کتابوں میں ہیں، جو ان کے نزدیک آٹھوں مصادر کے برابر ہیں، جیسے ابن بابویہ وغیرہ کی کتاب "ثواب الأعمال"۔

ایسے ہی یہ ان سے بھی علاحدہ ہیں، جو ان کی ماضی اور حاضر میں مزارات کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں، جیسے "کامل الزیارات"،تصنیف ابن قولویہ۔ عباس قمی کی "مفاتیح الجنان"۔ حیدر حسین کی "عمدة الزائر" اور جوہری وغیرہ کی "ضیاء الصالحین"۔

یہ ساری کتابیں ائمہ کی قبروں کی زیارت کے لیے رختِ سفر باندھنے والے، پھر وہاں جا کر طواف کرنے، ان کے آستانوں پر دعا مانگنے اور ان سے فریاد رسی کرنے کے فضائل کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں اور یہ کتابیں ایسی سیکڑوں دعائیں ذکر کرتی ہیں، جو ائمہ کے متعلق اتنے زیادہ غلو پر مبنی ہیں کہ یہ انھیں خالقِ کائنات کے مقام تک پہنچا دیتی ہیں اور ان میں جتنا شرک ہے، اسے اللہ ہی جانتا ہے۔

انھوں نے توحید کو، جو دین کی اصل اور اساس ہے، منہدم کرنے والی اس کدال کو جو اتنی زیادہ اہمیت دی ہے تو اس کا دیارِ شیعہ پر گہرا اثر ہے۔ انھوں نے شرک کے اڈوں کو، جنھیں یہ مزاراتِ سادات کا نام دیتے ہیں، آباد کیا ہے اور توحید کے گھروں کو، جو مساجد ہیں، برباد و ویران کر دیا ہے اور ان کی یہ دلچسپی اور اہتمام آج تک قائم ہے، جس طرح آگے ذکر ہوگا۔[1]

شیعہ کے نزدیک مزاروں کی اہمیت کا تنقیدی پہلو:

مسلمانوں کا ایک ہی کعبہ ہے، جس کی طرف وہ اپنی نمازوں اور دعاؤں میں اپنا رخ کرتے ہیں اور اسی کا حج اور طواف کرتے ہیں، لیکن شیعہ کے مشاہد، مزارات اور متعدد کعبے ہیں، جو ائمہ[2] اور غیر ائمہ[3] میں سے فوت شدگان

---

[1] دیکھیں: چوتھے باب کی تیسری فصل (ص: ۱۰۱۹ وما بعدها)

[2] ائمہ کی طرف منسوب ان اکثر قبروں میں وہ مدفون ہی نہیں، جن کی طرف ان کی نسبت کی گئی ہے۔ نجف میں حضرت علی کی حقیقی قبر ہے نہ حضرت حسین کا کربلا میں حقیقی مدفن ہے، ان حقائق کا تاریخ اعتراف اور اقرار کرتی ہے، چاہے یہ لوگ انھیں تسلیم نہ کریں۔ (محب الدين خطيب: حاشية المنتقیٰ، ص: ۱۵۸) تفصیل کے لیے دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ۲۷/ ٤٤٦ وما بعدها) شیخ الاسلام فرماتے ہیں: اس کی حقیقت یہ ہے کہ ان قبروں اور مزارات کا معاملہ عمومی طور پر مضطرب اور خود ساختہ ہے، چند ایک کے سوا، وہ بھی بہت زیادہ تگ و دو کے بعد، ان کا پتا لگانا اتنا آسان نہیں، کیوں کہ انھیں پہچاننا اور ان پر مساجد تعمیر کرنا، اسلام کا حکم نہیں۔ (المصادر السابق: ۲۷/ ٤٤٧)

[3] مزارات کے متعلق رافضہ کا غلو ائمہ کی قبروں سے آگے بڑھ کر دوسروں کی قبروں تک جا پہنچا ہے، مثلاً بحار الانوار میں دیکھیں: "عبدالعظیم حسنی کی زیارت کی فضیلت" (۱۰۲/ ۲٦۸) اس میں مذکور ہے کہ حسن عسکری نے کہا: جس نے عبدالعظیم کی قبر کی ←

کی قبروں کی شکل میں ہیں، یہ قبریں بیت اللہ سے مقابلہ کرتی ہیں، بلکہ اس پر فضیلت رکھتی ہیں اور ان میں شرک قائم کیا جاتا ہے اور توحید کو پختہ کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اکثر اہلِ سنت کے بلاد اور ممالک میں شرک اور مزارات عام ہیں۔ شیخ الاسلام نے بھی شیعہ کے اپنے ائمہ کے بارے میں غلو اور ان کے شرک و بدعت پر گفتگو کے دوران میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر کہا جائے کہ رافضیوں میں جس غلو، شرک اور بدعت کی آپ بات کرتے ہیں، وہ تو اکثر اہلِ سنت کی طرف منسوب افراد میں بھی پایا جاتا ہے، تو اس کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا ہے:

> ''یہ تمام امور اللہ اور اس کے رسول نے منع کیے ہیں اور ہر وہ کام جو اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہو، وہ مذموم اور قابلِ نفرت ہے، خواہ اس کو کرنے والا کوئی سنی ہو یا شیعہ، لیکن شیعہ کے ہاں کتاب وسنت کی مخالفت پر مبنی ان امور کی اہلِ سنت کی نسبت، بہت زیادہ کثرت ہے۔''[1]

میں یہاں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ اس مسئلے میں اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان ایک یہ فرق بھی ہے کہ اہلِ سنت میں جو اس طرح کے امور پائے جاتے ہیں، وہ ان کا عملی انحراف ہے، جس کی ان کے اصول اور قواعد مخالفت کرتے ہیں، لیکن شیعہ کے ہاں یہ سارے امور ان کے اصول کے ساتھ متفق ہیں، بلکہ ان کی روایات اور احادیث اس کی ترغیب دلاتی ہیں، جس طرح ہم نے دیکھا ہے، لہٰذا یہ شیعہ اصول میں ایک معروف اور نیکی ہے، جب کہ اہلِ سنت کے اصول میں منکر اور برائی۔

اس فرق کا نتیجہ یہ ہے کہ اہلِ سنت کا انحراف قابلِ اصلاح ہے اور شیعہ کا انحراف اس وقت تک نا قابلِ اصلاح ہے، جب تک ان کے اصول نہ بدل دیے جائیں۔ یہ نتیجہ کوئی خیالی یا نظریاتی بات نہیں، بلکہ یہ عملی طور پر امام محمد بن عبدالوہاب کی عالمِ اسلام میں شرک مخالف تحریک کی تاثیر میں ظاہر ہوا، لیکن شیعہ پر اس اصلاح کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اس حقیقت کی خود ان کے گھر کے بھیدی نے گواہی دی ہے۔ ایک شیعہ نژاد عالم احمد کسروی[2] کہتا ہے:

← زیارت کی، وہ ایسے ہی ہے، جیسے اس نے حسین کی قبر کی زیارت کی۔ (دیکھیں: المصدر السابق. ثواب الأعمال، ص: ۸۹، کامل الزیارات، ص: ۳۲٤) اسی طرح مجلسی نے ''قم میں فاطمہ بنت موسیٰ کی زیارت'' کا باب قائم کیا ہے۔ (بحار الأنوار: ۱۰۲/ ۲٦٥)

[1] دیکھیں: منهاج السنة (۱/ ۱۷۷۔ ۱۷۸)

[2] اس کے بارے میں تفصیل ''فكرة التقريب بين أهل السنة والشيعة'' (ص: ٥٥) میں پڑھیں۔

''شیعہ کا اس بات پر اصرار ہے کہ وہابیوں کے ظہور کو ڈیڑھ صدی ہونے کو آئی ہے، اس دوران میں ان کے اور دیگر اہلِ سنت فرقوں کے درمیان بہت زیادہ مباحثے اور گفت وشنید ہوئی ہے، بہت سارے رسالے اور کتابیں طبع اور نشر ہوئیں اور یہ بات کھلے عالم کہی جانے لگی کہ گنبدوں کی زیارت، مردوں سے وسیلے پکڑنا اور قبروں کے لیے نذر و نیاز اور ان جیسے اعمال شرک کے سوا اور کچھ نہیں، اس کے اور بتوں کی پوجا کے درمیان کوئی فرق نہیں، جو مشرکینِ عرب میں عام تھی۔ اسلام آیا اور اس نے ان کا قلع قمع کیا، یہ بات بہت زیادہ قرآنی آیات بیان کرتی ہیں۔

''چناں چہ وہابیہ نے روافض اور امامی شیعہ کے سوا تمام مسلمان فرقوں کو متاثر کیا، انھوں نے ان کو کچھ اہمیت دی نہ ان منتشر کتابوں اور ان میں مذکور دلائل کی طرف کچھ توجہ دی ہے، بلکہ وہابیوں کو ان سے دوسروں کی طرح لعن طعن کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔''[1]

شیعہ کے معتبر مصادر میں شرک کو حق کا لباس پہنا دیا گیا ہے اور اسی کو دین بنا دیا گیا ہے، جو سب سے بڑا خطرہ اور سب سے بڑی بیماری ہے۔ ان کی بڑی بڑی بنیادی کتابوں نے ایسے ابواب باندھے ہیں، جو ایسی سیکڑوں روایات پر مشتمل ہیں، جو شرک کو وجود بخشتی ہیں اور اس کے قواعد مضبوط کرتی ہیں اور اس سلسلے میں مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جنھوں نے بالاستیعاب اس شرک کو جمع کیا ہے۔

رافضہ نے ائمہ اور ان کی قبروں کے بارے میں بہت زیادہ غلو سے کام لیا ہے اور اپنے اس غلو میں انھوں نے وہی کام کیا ہے، جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں غلو کرتے ہوئے کیا۔ لہٰذا ان روافض نے اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت ترک کر دی۔ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ یہ مساجد ویران کرتے ہیں، جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور قبروں پر قائم مزارات کی تعظیم کرتے ہیں۔ مشرکوں کی مشابہت میں ان پر اعتکاف کرتے ہیں اور بیت اللہ کے حج کی طرح ان کا حج کرتے ہیں، بلکہ ان کے لیے رختِ سفر باندھنا، ان کا طواف کرنا، ان کے پاس نماز پڑھنا، ان کے صحنوں میں قربانیاں پیش کرنا، قبر پر اوندھے منہ گرنا، اس سے فریاد کرنا، شفا طلب کرنا یا اسے وسیلہ بنانا اور اس کی سفارش مانگنا؛ یہ ان کے نزدیک سب نیکیوں سے افضل نیکی اور سب اطاعت گزاریوں سے بڑی اطاعت گزاری ہے۔ جس طرح اس سلسلے میں اس کے بعض دلائل کا ذکر ہوا ہے۔

---

[1] الكسروي: الشيعة (ص: ٨٩)

پھر اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا جو شرک کو توحید پر ترجیح دیتا ہے، مزاروں کو آباد کرتا ہے اور مسجدوں کو ویران اور ''کربلا کی زمین کو سرزمینِ مکہ، حرم، عرفات اور منیٰ کا متبادل بناتا ہے۔''[1] اور باطل کو حق سے تبدیل کر کے یہ سمجھتا ہے کہ وہ اہلِ ایمان سے زیادہ سیدھی راہ پر ہے؟!

دینِ اسلام میں یہ بات بداہتاً معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں نے مزاروں کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی بات کی تعلیم دی ہے نہ اپنی امت کے لیے انبیا اور صالحین کی قبروں کے پاس کوئی عبادت کے مخصوص طریقے اور آداب ہی مشروع کیے ہیں، بلکہ یہ مشرکوں کا دین ہے،[1] جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقَالُوْا لاَ تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلاَ تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلاَ سُوَاعًا وَّلاَ يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴾ [نوح: ٢٣]

''اور انھوں نے کہا: تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ کبھی ودّ کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا ہے:

''یہ قومِ نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں، جب وہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کی مجلسوں میں، جہاں یہ بیٹھا کرتے تھے، بت نصب کر دو اور ان کو ان کا نام دے دو، انھوں نے ایسے ہی کیا، لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی۔ جب یہ نسل ختم ہوگئی اور علم مٹ گیا تو پھر ان کی عبادت شروع ہوگئی۔''[3]

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو الہیاج اسدی سے کہا:

''کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں، جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا؟ کوئی مجسمہ مٹائے بغیر چھوڑنا نہ کوئی بلند قبر برابر کیے بغیر ترک کرنا۔''[4]

---

[1] الجرجاني: المعارضة في الرد على الرافضة (الورقة: ٧١)

[2] منهاج السنة (١/ ١٧٥)

[2] أخرجه البخاري في تفسير سورة نوح، صحيح البخاري مع فتح الباري (٨/ ٦٦) علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اثر ابن عباس پر موقوف ہے، لیکن یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

[3] صحيح مسلم: كتاب الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر (٩٦٩: ١/ ٦٦٦) سنن أبي داود (٣/ ٥٤٨) رقم الحديث (٣٢١٨) سنن الترمذي (٣/ ٣٦٦) رقم الحديث (١٠٤٩) سنن النسائي (٤/ ٨٨) رقم الحديث (٨٩) مسند أحمد (١/ ٩٦، ١٢٩ ←

بعض شیعہ روایات میں بھی اس معنی کا اقرار کیا گیا ہے۔ کلینی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: امیر المومنین نے فرمایا:

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بھیجا اور کہا: کوئی تصویر مٹائے بغیر اور کوئی قبر برابر کیے بغیر نہ چھوڑنا۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے:

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبریں منہدم کرنے اور تصویریں توڑنے کے لیے بھیجا۔''[2]

ابوعبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر نماز پڑھنے، بیٹھنے یا اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔''[3]

ابوعبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''قبروں پر عمارتیں نہ بناؤ، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مکروہ سمجھا ہے۔''[4]

انہی سے اپنے آبا کی سند سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونہ گچ (پختہ) کرنے سے منع کیا ہے۔''[5]

حر عاملی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ نہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کی قبروں کے سوا ہر قبر کو شامل ہے اور یہ نہی محض کراہت کی بنا پر ہے۔[6]

ان روایات میں عموم کا صیغہ بالکل واضح ہے، ایسے ہی حرمت کی دلالت بھی بالکل عیاں ہے۔ عاملی کے پاس اپنے فرقے کے عملی شذوذ اور ان روایات کی مخالفت کے سوا اور کوئی دلیل نہیں اور یہ شذوذ بطلان کی دلیل ہے، کیوں کہ وہ کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے مخالف ہے، جن میں اہلِ بیت بھی شامل ہیں اور ان سے اس

← و مواضع أخرى) مسند أبي داود الطيالسي (١/ ١٦٨) والحاكم (٣٦٩/١) سنن البيهقي (٣/٤)

[1] فروع الكافي (٢/ ٢٢٧) وسائل الشيعة (٢/ ٨٦٩)

[2] فروع الكافي (٢/ ٢٢٦) وسائل الشيعة (٢/ ٨٧٠)

[3] الطوسي: تهذيب الأحكام (١/ ١٣٠) وسائل الشيعة (٢/ ٨٦٩)

[4] تهذيب الأحكام (١/ ١٣٠) البرقي: المحاسن (ص: ٦١٢) وسائل الشيعة (٢/ ٨٧٠)

[5] ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٢/ ١٩٤) أمالي الصدوق (ص: ٢٥٣) وسائل الشيعة (٢/ ٨٧٠)

[6] جس طرح یہ اس باب کا صریح مفہوم ہے، جس کو اس نے ان احادیث کو ذکر کرنے کے لیے قائم کیا ہے، اس باب کا عنوان ''نبی اور ائمہ کی قبروں کے سوا کسی دوسری قبر پر عمارت بنانے کی کراہت کا باب'' (وسائل الشيعة: ٢/ ٨٩٦) لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس نے ایک حدیث بھی ایسی ذکر نہیں کی، جو اس عنوان پر دلالت کرتی ہو، بلکہ اس باب کی تمام ساتوں روایات ہی اس کے موقف کی مخالفت کرتی ہیں۔

سے تنبیہ بھی منقول ہے، کیوں کہ یہ شرک کا ذریعہ ہے، پھر وہ حکمت جس کے پیشِ نظر یہ نہی ذکر ہوئی ہے، وہ کسی قبر کے درمیان فرق نہیں کرتی، بلکہ انبیا کی قبروں کو مساجد بنانے میں زیادہ خطرہ ہے، کیوں کہ لوگ ان سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے ہیں، اس لیے شرک کی اصل اور بنیاد صالحین میں غلو ہے۔[1]

خود شیعہ کی کتابیں تناقض کا شکار ہیں، کیوں کہ وہ ائمہ کی دعائیں، ان کی اللہ تعالیٰ سے مناجات، اس کے سامنے گڑگڑاہٹ و اظہارِ عجز، اس اکیلے سے دعا، اس کے سامنے کمزوری کا اظہار اور اسی کا محتاج ہونا نقل کرتی ہیں، جو شیعہ کے باطل کو بے نقاب کر دیتی ہیں اور یہ واضح کرتی ہیں کہ شیعہ جو کچھ ان کے مزاروں پر کرتے ہیں اور جو ان کی روایات ان کو تعلیمات دیتی ہیں، یہ ائمہ کی سیرت نہیں۔

یہ جعفر صادق اپنی دعا میں کہا کرتے تھے، جس طرح شیعہ کی کتابیں اس کا اعتراف کرتی ہیں:

''اے اللہ! میں اپنے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا نہ زندگی کا نہ موت کا اور نہ دوبارہ اٹھنے ہی کا، میں ذلیل و عاجز ہو کر تیرے سامنے گر پڑا ہوں، میرا خسارہ ظاہر ہو چکا ہے، میرا عذر منقطع ہو چکا ہے، میرے مددگار کم ہو چکے ہیں، تمھاری حجت میرے اوپر قائم ہونے، میرے پاس اپنے دلائل ظاہر ہونے اور تمھارے دلائل میرے سامنے واضح ہو جانے کے بعد میرے اہل و عیال اور والد کو میرے سپرد کر دے۔ اے اللہ! سب حیلے بے بس ہو چکے ہیں، راستے مسدود ہو چکے ہیں، راہ تنگ ہو چکے ہیں اور تمھارے سوا ہر طرف سے امیدیں مٹ چکی ہیں۔''[2]

ان الفاظ کے ساتھ جعفر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر رہے ہیں۔ جو اپنے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں تو دوسروں کے لیے کیا خاک ہوں گے؟ یہ ان کا اپنی زندگی میں حال تھا تو مرنے کے بعد تو وہ اس سے بھی زیادہ عاجز ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سارے ائمہ سے اس طرح کی دعائیں منقول ہیں۔[3]

اسی طرح شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں کہ حضرت علی نے اپنے رب کے ساتھ مناجات کرتے ہوئے قبر میں اپنی حالت کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا:

''یا الٰہی! گویا میں نے اپنے نفس کو اس گڑھے میں لٹا دیا ہے، جنازے کے ساتھ آنے والے سب

---

[1] دیکھیں: كتاب التوحيد (مع شرحه تيسير العزيز الحميد) باب ما جاء أن سبب كفر بني آدم و تركهم دينهم هو الغلو في الصالحين (ص: ٣٠٥)

[2] بحار الأنوار (٨٦/ ٣١٨) مهج الدعوات (ص: ٢١٦)

[3] مثال کے طور پر دیکھیں: باب الأدعية والأذكار من البحار (٨٦/ ٢٤٠ وما بعدها) نیز دیکھیں: باب الأدعية المناجاة في الجزء ٩٤ (ص: ٨٩ وما بعدها)

چلے گئے ہیں، ناظرین پر اس کی فاقہ دستی مخفی نہیں۔ میں نے مٹی کو سرہانہ بنا لیا ہے اور اس کے سب حیلوں سے عاجز آچکا ہے ...[1]"

جب ان کے پاس اپنے نفس کے لیے اللہ کی رحمت اور فضل کے سوا کوئی حیلہ نہیں تو کس طرح ان کی قبر سے شفاعت اور بخشش کا سوال کیا جاتا ہے اور فضل عظیم اور رحمت وسیع کے مالک کو بھلا دیا جاتا ہے؟ حسین اپنے آپ کو قتل ہونے سے نہیں بچا سکے تو ان سے کس طرح ایسی چیزیں طلب کی جاتی ہیں، جن پر اللہ کے سوا اور کوئی قادر نہیں؟ شیعہ کی کتابوں نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین کو اس تعوذ کے ساتھ اللہ کی پناہ میں دیتے تھے:

"بِسم اللّٰه الرحمن الرحيم: میں اپنے نفس، دین، اہل، مال، اولاد، اپنے اعمال کے خاتمے اور جو مجھے اللہ نے دیا ہے اور میرے سپرد کیا ہے، اس کو اپنے رب کی عزت اور عظمت کی پناہ میں دیتا ہوں..."[2]

وہ خود اتنے کمزور تھے کہ اپنے نفس کو پہنچنے والی تکلیف سے اللہ کی حفاظت کے بغیر بچا نہیں سکتے تھے۔ جب زندگی میں یہ عالم تھا تو موت کے بعد تو وہ اُس سے بھی زیادہ عاجز ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان رسولوں کے سوا کسی کو واسطہ نہیں بنایا، وہ بھی صرف ابلاغ اور بیان کے لیے انھیں ایک ذریعہ بنایا ہے۔

---

[1] بحار الأنوار (٩٤/ ٩٣۔ ٩٤)

[2] بحار الأنوار (٩٤/ ٢٦٤) منهج الدعوات (ص: ١٣)

چوتھی بحث

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ امام جو چاہے حلال وحرام کر سکتا ہے

یہ ایمان رکھنا توحید کا ایک قاعدہ اور بنیادی قانون ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلے ہی شریعت ساز ہیں۔ وہ جو چاہے حلال کرے اور جو چاہے حرام کرے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اللہ کے رسول اللہ کی شریعت بندوں تک پہنچاتے ہیں، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا امام جو چاہے حرام اور جو چاہے حلال کر سکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ [الشوریٰ:۲۱]

''یا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔''

لہٰذا اس شخص نے اللہ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرا دیا ہے۔ شیعہ اپنی روایات میں یہ دعویٰ کرتے ہیں:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا تو وہ ایک ہزار سال تک رہے، پھر تمام اشیا پیدا کیں، ان کو ان کی تخلیق پر گواہ بنایا، ان کی فرماں برداری ان پر نافذ کر دی اور ان کے امور ان کے سپرد کر دیے، لہٰذا وہ جو چاہیں حلال کریں اور جو چاہیں حرام کریں۔''[1]

شیعہ عالم مجلسی نے اس عبارت کے چند فقرات کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے:

''ان کی اطاعت ان پر نافذ کر دی۔ یعنی تمام اشیا پر ان کی اطاعت فرض اور لازم کر دی ہے، حتی کہ آسمانی اور زمینی جمادات پر بھی، جیسے شقِ قمر، درخت کا آنا اور کنکریوں کا تسبیح کرنا اور اس طرح کی لاتعداد اشیا ہیں۔ ان کے امور ان کے سپرد کر دیے ہیں۔ یعنی تحلیل وتحریم اور عطا کرنا اور منع کرنا...۔''[2]

پھر وہ بیان کرتا ہے:

---

[1] أصول الکافي (۱/ ٤٤۱) بحار الأنوار (۲۵/ ۳٤۰)

[2] بحار الأنوار (۲۵/ ۳٤۱۔ ۳٤۲)

''اس نص کا ظاہر مفہوم حلال وحرام کرنے کے احکام ان کے سپرد کرنے پر دلالت کرتا ہے۔''

ان کی ایک روایت اس معنی میں بالکل صریح ذکر ہوئی ہے، جس کو مفید نے ''الاختصاص'' اور مجلسی نے ''بحار الأنوار'' میں نقل کیا ہے کہ جعفر سے مروی ہے، اس نے کہا:

''جس کے لیے ہم نے کوئی چیز حلال کی، جو اس کو ظالموں[1] کے اعمال سے پہنچی تو وہ حلال ہے، کیوں کہ ہم میں سے ائمہ کو یہ ذمے داری سپرد کی گئی ہے، لہٰذا جس کو وہ حلال کریں، وہ حلال ہے اور جس کو حرام کریں، وہ حرام ہے۔''[2]

اس طرح یہ کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ ائمہ کو شریعت سازی اور حلال وحرام کرنے کا حق حاصل ہے۔ جو وہ مسلمان کے بیت المال سے حلال قرار دیں، وہ حلال ہے اور جو اس سے حرام کریں، وہ حرام ہے، اس طرح انھوں نے اپنے ائمہ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے، انھیں تحلیل وتحریم اور شریعت سازی کی جہت بنایا، جو توحیدِ ربوبیت میں شرک ہے، کیوں کہ حاکمیتِ اعلیٰ اور شریعت سازی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

ایسے ہی ان کا اپنے ائمہ کی اس شریعت سازی میں اطاعت کرنا، جو رب العالمین کی شریعت کے خلاف ہو، جو ممکن ہے ان احکام کو منسوخ یا مقید یا مخصوص کر دے، جو خاتم النبیین[3] ﷺ نے پیش کیے ہیں، ان ائمہ کی اللہ کے سوا عبادت گزاری ہے۔

تشریع کا حق رب العباد کے سوا کسی کو حاصل نہیں اور رسول صرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی وحی اور حکم کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں سے متعلق، جو اللہ کی شریعت اور حکم کو چھوڑ کر اپنے علما ومشائخ کے حلال وحرام کردہ امور کی پیروی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [التوبة:٣١]

''انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی ان کے حلال وحرام کردہ امور میں اتباع کو ان کی بندگی قرار دیا ہے، جس

---

[1] ان کے عقیدے میں امیر المومنین علی اور ان کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہما کے سوا اسلامی قلم رو کے تمام خلفا ظالم ہیں، کیوں کہ ان کے باقی ائمہ ایک دن کے لیے بھی خلیفہ نہیں بنے، لہٰذا ان کے علاوہ ہر خلیفہ ظالم اور ان کے زعم کے مطابق ائمہ کا حق غصب کرنے والا ہے۔

[2] الاختصاص (ص: ٣٣٠) بحار الأنوار (٢٥/ ٣٣٤) نیز دیکھیں: بصائر الدرجات (ص: ١١٣)

[3] اس موضوع پر گذشتہ صفحات میں بھی بحث ہو چکی ہے۔ دیکھیں: صفحہ نمبر (١٦٣)

طرح اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے،[1] کیوں کہ انھوں نے حلال وحرام کو ان کی جہت سے حاصل کیا ہے، جب کہ یہ ایسا معاملہ ہے، جو اللہ کے علاوہ کسی اور جہت سے طلب نہیں کیا جاتا۔[2]

شیعہ کا اپنے ائمہ اور علما کے متعلق عقیدہ نصاریٰ کے اپنے رؤسا کے متعلق عقیدے سے ملتا جلتا ہے، چناں چہ ان تمام نے اپنے علما اور راہبوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے۔ شیعہ نے جب اپنے ائمہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھا کہ ان کی طرف سے بھی شریعت سازی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ انھوں نے اپنا یہ دعویٰ مکمل کیا ہے کہ تمام لوگ ائمہ کے غلام ہیں، تاکہ شرک کی صورت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

رضا نے کہا ہے:

''لوگ اطاعت میں ہمارے غلام ہیں اور دین میں ہمارے موالی ہیں، لہٰذا حاضر غائب تک یہ بات پہنچا دے۔''[3]

حالاں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ٧٩]

''کسی بشر کا کبھی حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اور لیکن رب والے بنو۔''

لہٰذا سارے لوگ ایک اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں، کسی اور کے نہیں، چاہے وہ اللہ کے ان بندوں ہی میں سے کیوں نہ ہو، جن کو اس نے رسول بنایا ہے اور اور انھیں کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی ہے، ائمہ شیعہ یا جن کے بارے میں امامت کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ تو ایک طرف رہے، چوں کہ ائمہ، شیعہ کے اعتقاد کے مطابق، تحلیل وتحریم کا حق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حلال وحرام کا معاملہ بیان

---

[1] دیکھیں: تفسیر الطبري (١٠/ ١١٣۔ ١١٤) تفسیر ابن کثیر (٢/ ٣٧٣۔ ٣٧٤) "أصول الکافي" میں بھی ایک روایت مذکور ہے، جو اس آیت کی تفسیر میں اس مفہوم کا اقرار کرتی ہے۔ ابو عبداللہ نے کہا: ''خدا کی قسم! انھوں نے ان کو اپنی ذات کی عبادت کی دعوت نہیں دی اور اگر وہ یہ دعوت دیتے تو وہ اس کو قطعاً قبول نہ کرتے، لیکن انھوں نے غیر محسوس انداز میں ان کے لیے حلال کو حرام کر دیا اور حرام کو حلال۔'' (أصول الکافي: ١/ ٥٣، مجمع البیان للطبرسي: ٣/ ٤٨۔ ٤٩، البرهان للبحراني: ٢/ ١٢٠۔ ١٢١، و تفسیر الصافي للکاشاني: ٢/ ٣٣٦)

[2] ابن عطیة: المحرر الوجیز (٨/ ١٦٦)

[3] المفید: الأمالي (ص: ٤٨) بحار الأنوار (٢٥/ ٢٨٩)

کریں یا چھپائیں۔ کافی وغیرہ میں معلیٰ بن محمد عن الوشاء کی سند سے منقول ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے رضا سے پوچھا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں:

﴿ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ٤٣، الأنبياء: ٧]

''سو ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم شروع سے نہیں جانتے۔''

''تو اس نے کہا: ہم اہلِ ذکر ہیں اور ہم ہی سے پوچھا جاتا ہے۔ میں نے کہا: آپ سے پوچھا جاتا ہے اور ہم پوچھنے والے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: ہمیں آپ سے پوچھنے کا حق حاصل ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: تم پر ضروری ہے کہ تم ہم کو جواب دو؟ اس نے کہا: نہیں، یہ ہمارا اختیار ہے۔ اگر ہم چاہیں تو بتا دیں گے اور اگر چاہیں تو ایسا نہیں کریں گے۔''[1]

ان کی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات ہیں،[2] حالاں کہ یہ اختیار تمام رسولوں سے افضل رسولِ ہدایت حضرت محمد ﷺ کو بھی حاصل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ [النحل: ٤٤]

''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ [المائدة: ٦٧]

''اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔''

اس شخص کے متعلق سخت وعید ذکر ہوئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت اور حق چھپاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢١٠ ـ ٢١١) تفسير القمي (٢/ ٦٨) بحار الأنوار (٢٣/ ١٧٤)

[2] دیکھیں: أصول الكافي، باب أن أهل الذكر الذين أمر الله الخلق بسؤالهم هم الأئمة ـعليهم السلام (١/ ٢١٠ ـ ٢١٢) بحار الأنوار ، باب أنهم ـعليهم السلامـ الذكر وأهل الذكر وأنهم المسؤولون، وأنه فرض على شيعتهم المسألة، ولم يفرض عليهم الجواب (٢٣/ ١٧٢ ـ ١٨٨) نیز دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٢٦١) قرب الإسناد للحميري (ص: ١٥٢، ١٥٣)

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓىِٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾ [البقرة: ۱۵۹]

''بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔''

متعدد سندوں سے نبی اکرم ﷺ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنَ نَّارٍ»[1]

''جس سے کسی علم کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے اسے چھپایا، اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔''

تو کیا لوگوں کو جس حق اور ہدایت کی ضرورت ہے، اس کا بیان بھی ارادوں، خواہش اور مزاج کے تابع ہے؟ حتی کہ یہ کہا جائے:

''ہم پہ جواب دینا لازم نہیں، اگر ہم چاہیں تو جواب دیں اور چاہیں تو رک جائیں۔''[2]

چوں کہ تعلیم اور بیان ائمہ کے ارادوں کے تابع ہے، اس لیے شیعہ ابوجعفر محمد باقی کے زمانے تک مناسکِ حج اور حلال وحرام کے احکام سے جاہل اور ناواقف رہے، انھوں نے یہی آ کر ان کے حج کے مناسک اور حلال وحرام کے احکام بیان کیے۔[3]

شیعہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ان کے ائمہ کو لوگوں کو گمراہ کرنے اور انھیں مختلف باہم متعارض جوابات دینے کا بھی حق حاصل ہے، کیوں کہ یہ ان کے سپرد کیا گیا ہے، مفید کی کتاب ''الاختصاص'' میں موسیٰ بن اشیم سے ایک روایت ہے، جس میں وہ کہتا ہے:

''میں ابوعبداللہ کے پاس ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا تو انھوں نے مجھے اس کا جواب دیا۔ میں

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۲۶۳، ۳۰۵، ۳۴۴، ۳۵۳، ۴۹۵، ۴۹۹، ۵۰۸) سنن أبي داود: كتاب العلم. باب كراهية منع العلم (۴/ ۶۷) رقم الحديث (۳۶۵۸) سنن الترمذي: كتاب العلم، باب ما جاء في كتمان العلم (۵/ ۲۹) رقم الحديث (۲۶۴۹) وقال الترمذي: حديث حسن. سنن ابن ماجه، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه (۱/ ۹۶) رقم الحديث (۲۶۱) والحاكم (۱/ ۱۰۱) وصححه هو و الذهبي، وابن حبان (۱/ ۲۶۰)

[2] أصول الكافي (۱/ ۲۱۲)

[3] المصدر السابق (۲/ ۲۰)

بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا اور انھوں نے اس کو اس جواب کے مخالف جواب دیا، جو مجھے دیا تھا، پھر ایک تیسرا آدمی آیا، اس نے بھی اسی مسئلے کے متعلق پوچھا تو اس کو انھوں نے میرے جواب اور میرے ساتھی کے جواب سے مختلف جواب دیا۔ میں نے اس بات سے گھبراہٹ محسوس کی اور مجھے یہ بات بہت بڑی لگی، جب لوگ چلے گئے تو انھوں نے میری طرف دیکھا اور کہا: اے ابن اشیم! اللہ تعالیٰ نے داود کو بادشاہت کا معاملہ سونپا تو کہا:

﴿ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [صٓ: ٣٩]

''یہ ہماری عطا ہے، سو احسان کر، یا روک رکھ، کسی حساب کے بغیر۔''

''محمد ﷺ کو دین کا معاملہ سونپا تو کہا:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر: ٧]

''پھر یقیناً رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔''

''اور اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ائمہ کو اور ہمیں وہ سونپا جو محمد ﷺ کو سونپا تھا، لہٰذا تجھے بے تاب ہونے کی ضرورت نہیں۔''[1]

اس طرح یہ لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں۔ ائمہ ان کی روایات کے بہ قول، شریعت ساز ہیں اور حرام و حلال کا معاملہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ لوگوں کو جس چیز کی ضرورت ہو، خواہ وہ اسلام کے ارکان اور اصول ہی کیوں نہ ہوں، ان کو اسے چھپانے کا حق حاصل ہے۔ وہ چاہیں تو لوگوں کو جواب دے دیں اور چاہیں تو نہ دیں، اس لیے لوگ باقر کے زمانے تک حج کے مناسک سے جاہل رہے، جس طرح یہ خود ہی اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں، کیوں کہ وہ صحابہ کی نبی اکرم ﷺ سے روایات لیتے نہیں، بلکہ جو ائمہ سے مروی ہو، اسے لیتے ہیں اور ائمہ نے مناسک کا معاملہ ان سے چھپائے رکھا!

اللہ تعالیٰ کے دین، اس کی کتاب، اس کے رسول اور اہلِ بیت کے خلاف ان کی جھوٹ سازی کا سفر جاری و ساری ہے، یہ لوگ آلِ بیت کی محبت کے دعوے کے لبادے میں ان منکر دعووں اور کافرانہ روشوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ علی، حسن، حسین اور علی بن حسین کے شیعہ ہیں؟ جب کہ یہی لوگ ان پر یہ سارے الزامات لگا رہے ہیں کہ انھوں نے لوگوں کے سامنے حلال و حرام اور حج کے مناسک بیان نہیں کیے، بلکہ حق کو چھپانا اور لوگوں کو متناقض جوابات دے کر گمراہ کرنا ان کی شریعت تھی؟!

---

[1] الاختصاص (ص: ٣٢٩۔ ٣٣٠) بحار الأنوار (٢٣/ ١٨٥)

پانچویں بحث

شیعہ کا عقیدہ کہ قبرِ حسین کی مٹی ہر بیماری سے شفا ہے

شیعہ عقل ونقل اور طب وحکمت کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسین کی مٹی ہر طرح، ہر شکل اور ہر نوع کی بیماریوں کے لیے شفا کی ضامن ہے۔ گویا یہ بات کہہ کر انھوں نے اس چیز میں فائدے کا عقیدہ گھڑ لیا ہے، جس کا فائدہ حسی، مشاہداتی یا عقلی طور پر کسی صورت سے ثابت نہیں ہوتا، پھر انھوں نے یہ خیال کیا ہے کہ شفا قبر کی مٹی سے حاصل ہوتی ہے، رب الارباب کی طرف سے نہیں، جو صریحاً ان آیات کے مخالف ہے:

﴿ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ [يونس: ١٠٧]

''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ [النمل: ٦٢]

''یا وہ جو لاچار کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ﴾ [الشعراء: ٨٠]

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔''

انھوں نے اس مٹی کے متعلق شفا اور دوا کا عقیدہ رکھ کر مشرکین کے پتھروں (بتوں) سے نفع ونقصان حاصل کرنے کے عقیدے کے ساتھ مشابہت اختیار کی ہے۔ بحار الانوار کے مصنف نے حسین کی تربت کی فضیلت، آداب اور احکام کے متعلق ۸۳ روایات ذکر کی ہیں۔[1] یہ ساری روایات اس مٹی کو ہر بیماری کے لیے مرہم اور ہر خوف سے مضبوط قلعہ قرار دیتی ہیں۔[2] مریض اس کو پینے کے بعد اس طرح صحت مند ہو جاتا ہے، گویا

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (١٠١/ ١١٨۔ ١٤٠)

[2] شیعہ روایات میں منقول ہے کہ ''حارث بن مغیرہ نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے کہا: مجھے طرح طرح کی بیماریوں نے گھیرا ←

اس کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔[1]

شیعہ کے نزدیک اس کے ساتھ بچے کو گھٹی دی جائے تو وہ خطروں سے محفوظ رہتا ہے۔[2] اس کو میت کے ساتھ قبر میں رکھا جاتا ہے، تاکہ اس کو عذابِ قبر سے بچائے۔[3] اگر آدمی اس کو پکڑ کر غفلت کے عالم میں پھیرتا رہے اور اس کے ساتھ کھیلتا رہے تو اس کے لیے تسبیح کرنے والوں کا اجر لکھ دیا جاتا ہے، کیوں کہ آدمی خواہ نہ بھی تسبیح کرے، یہ اس کے ہاتھ میں تسبیح کرتی رہتی ہے۔[4]

جونہی کوئی شیعہ مرض کی تکلیف اور شدت محسوس کرے اور قبر کی مٹی کی طرف آئے تو اس کو ۔شیعہ روایات کے بہ قول۔ مناسب وقت منتخب کرنا چاہیے، یعنی سیاہ اندھیری رات کے آخری حصے میں ہو، غسل کرے، سب سے پاکیزہ لباس پہنے۔ جب وہاں پہنچ جائے، سر کے پاس کھڑا ہو اور نماز پڑھے، جب نماز سے فارغ ہو جائے تو ایک طویل سجدہ کرے، جس میں ایک ہی کلمہ ''شکراً''، تکرار کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ کہے، پھر کھڑا ہو

← ہوا ہے، میں نے ہر علاج کروایا ہے، تو اس نے کہا: تم حسین بن علی کی قبر کی مٹی سے کہاں رہے ہو؟ اس میں ہر بیماری سے شفا اور ہر خوف سے امن ہے۔'' (أمالي الطوسي: ۱/ ۳۲٦، بحار الأنوار: ۱۰۱/ ۱۱۰۹) اس مفہوم کے دیگر شواہد ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: وسائل الشیعة (۱۰/ ٤۱٥) کامل الزیارات (ص: ۲۷۸، ۲۷٥ وغیرھا)

[1] اس سلسلے میں انھوں نے بہت سارے قصے اور کہانیاں گھڑی ہوئی ہیں۔ ان تمام کہانیوں کو بیان کرنے والے اپنے اپنے مرض کا قصہ اور اس کا ناقابلِ علاج ہونا ذکر کرتے ہیں اور جونہی وہ حسین کی مٹی کھاتے ہیں، اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، گویا انھیں کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ ان میں سے ایک اپنی کہانی کے آخر میں کہتا ہے: ''جونہی وہ پانی میرے پیٹ میں جا کر ٹھہرا تو گویا میں رسیوں سے آزاد ہو گیا۔'' (بحار الأنوار: ۱۰۱/ ۱۲۰۔ ۱۲۱، کامل الزیارات، ص: ۲۷٥)

[2] ابوعبداللہ نے کہا: ''اپنے بچوں کو حسین کی مٹی سے گھٹی دو، کیوں کہ وہ باعثِ امن ہے۔'' (کامل الزیارات، ص: ۲۷۸، بحار الأنوار: ۱۰۱/ ۱۲٤)

[3] اس سلسلے میں ''شیعہ کا عقیدہ آخرت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[4] طوسی کی ''تھذیب الأحکام'' میں مذکور ہے کہ محمد حمیری نے کہا: ''میں نے فقیہ (امام منتظر) کو یہ سوال لکھ کر بھیجا: کیا آدمی کے لیے قبر کی مٹی سے تسبیح کرنا جائز ہے؟ کیا اس کی کوئی فضیلت بھی ہے؟ تو اس نے جواب دیا اور میں نے وہ رقعہ پڑھا: اس کے ساتھ تسبیح کر، تسبیح کے لیے اس سے افضل کوئی چیز نہیں، اس کی فضیلت یہ ہے کہ تسبیح کرنے والا اگر بھول جائے اور تسبیح گھماتا رہے تو یہ بھی اس کے لیے تسبیح ہی لکھی جائے گی۔ (تھذیب الأحکام: ٦/ ۷٥، بحار الأنوار: ۱۰۱/ ۱۳۲۔ ۱۳۳)

ایک دوسری روایت میں ہے: اگر وہ اس کو ذکر کرتے ہوئے گھماتا رہے تو اس کے لیے ہر دانے کے عوض چالیس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اگر بھول کر گھماتا رہے اور اس کے ساتھ عبث حرکتیں کرتا رہے، اللہ اس کے لیے بیس نیکیاں لکھ دیں گے۔ تھذیب الأحکام (٦/ ۷٥) بحار الأنوار (۱۰۱/ ۱۳۲)

اس طرح عبث کام ان کے ہاں عبادت ہے، ان لوگوں نے ہر اس کام کو دین بنا دیا ہے، جو ان کی خواہشات کے مطابق ہے۔

اور قبر کے ساتھ چمٹ کر کہے: اے میرے آقا! اے فرزندِ رسول! میں تیری اجازت سے تیری مٹی لیتا ہوں۔ اے اللہ! اس کو ہر بیماری سے شفا، ہر ذلت سے عزت، ہر خوف سے دامن اور ہر فقر سے غنا میں تبدیل کر دے۔[1]

اس کے بعد وہ مٹی سے ''تین انگلیوں کے ساتھ تین مٹھیاں لے'' اس کے بعد یہ روایت اس کو یہ نصیحت کرتی ہے کہ وہ اس کو ایک صاف کپڑے میں رکھے، اس کو عقیق کے نگینے والی چاندی کی انگوٹھی کے ساتھ مہر بند کرے، پھر اس کو ضرورت کے وقت چنے کے دانے کے برابر استعمال کرے تو اس کو شفا مل جائے گی۔[2]

ایک دوسری روایت اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

''وہ رونے کی صورت بنائے اور کہے: اللہ کے نام سے، اللہ کے ساتھ، اس مبارک تربت کے وسیلے سے، وصی کے وسیلے سے، جسے تم نے چھپایا ہوا ہے، اس کے نانا، باپ، ماں، بھائی کے وسیلے سے، اس کی سچی اولاد کے وسیلے سے اور اس کی قبر پر اس کی نصرت کے انتظار میں کھڑے فرشتوں کے وسیلے سے، ان تمام پر درود ہو، اس کو میرے لیے میرے اہل و اولاد اور بہن بھائیوں کے لیے ہر بیماری سے شفا بنا دے۔''[3]

ایک روایت اس سے شفا پانے کے دیگر طریقوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے:

''ابو عبداللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے میرے دادا حسین کی مٹی کو ہر بیماری سے شفا اور ہر خوف سے اَمن قرار دے دیا ہے۔ تم میں سے کوئی ایک جب اس کو تناول کرنا چاہے تو پہلے اس کو بوسہ دے، پھر اسے اپنے آنکھوں پر رکھے، اس کے بعد اس کو اپنے سارے جسم پر گزارے اور کہے: اے اللہ! اس مٹی کے صدقے اور جو اس مٹی میں اترا ہوا اور آسودہ ہے، اس کے صدقے... الخ۔''[4]

ایک تیسری روایت مقدار اور کیفیت بیان کر کے اس کا طریقہ استعمال ذکر کرتی ہے:

''جعفر سے جب اس کو تناول کرنے کی کیفیت پوچھی گئی تو انھوں نے کہا: جب تم میں سے کوئی ایک مٹی کو تناول کرنا چاہے تو وہ اس کو اپنی انگلیوں کے پورے کے ساتھ پکڑے، اس کی مقدار چنے کے دانے کے برابر ہوگی، پھر اس کو بوسہ دے اور اپنی آنکھوں پر رکھے...۔''[5]

---

[1] بحار الأنوار (١٠١/ ٣٧) اس نے مصباح الزائر (ص: ١٣٦) سے نقل کیا ہے۔

[2] حوالہ جات سابقہ۔

[3] بحار الأنوار (١٠١/ ١٣٨)

[4] أمالي الطوسي (١/ ٣٢٦) بحار الأنوار (١٠١/ ١١٩)

[5] مكارم الأخلاق (ص: ١٨٩، ط: إيران ١٣٧٦هـ) بحار الأنوار (١٠١/ ١٢٠)

اس طرح یہ ہر شیعہ کے ساتھ موبائل (چلتا پھرتا) ہسپتال ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ اس مٹی نے جلتی پر تیل کا کام کرتے ہوئے ان کے مرض کو دو آتشہ کر دیا اور ظاہری بات ہے کہ جو جس چیز کے ساتھ تعلق خاطر رکھتا ہے، وہ اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

اس لیے ایک شیعہ نے اپنے امام کے سامنے ضعفِ طاقت کی شکایت کی تو اس کے امام نے ان الفاظ میں اس کو تسلی دی:

''اللہ تعالیٰ ہمارے اولیا اور محبین سے ایسے ہی کرتا ہے اور ان کی طرف مصیبت کی راہ تیز کر دیتا ہے۔''[1]

جس طرح ایک شیعہ شخص بیماری کے وقت اپنے ''مٹی'' نامی بت کی طرف رخ کرتا ہے، اسی طرح خوف اور دشمن کے دھاوے کے وقت بھی وہ اسی صنم کی گود میں پناہ لیتا ہے اور خوف و دہشت کے حالات میں وہ اس کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا ہے۔ ان کا امام کہتا ہے:

''جب تجھے سلطان یا غیر سلطان کا خوف ہو تو اپنے گھر سے اپنے ساتھ قبرِ حسین کی مٹی لیے بغیر کبھی نہ نکلنا۔''[2]

پھر وہ اس کو یہ کہنے کا حکم دیتا ہے:

''اے اللہ! میں نے اس کو تیرے ولی اور ولی کے بیٹے کی قبر سے لیا ہے، لہٰذا اس کو میرے لیے ہر اس چیز سے امن اور حرزِ جان بنا دے، جس کا مجھے خوف ہے اور جس کا نہیں بھی۔''[3]

اس کہانی کا راوی اپنے گروہ کو یہ یاد دلانے سے نہیں بھولا:

''اس نے بھی ایسا کیا تھا، تو وہ اس کے لیے بھی ہر خوف اور غیرِ خوف سے امان بن گئی اور اس نے کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی۔''[4]

یہ مٹی تو حور عین کی امید ہے، اس لیے ۔شیعہ کہانیوں کے مطابق۔ جب فرشتے زمین پر اترتے ہیں تو حوریں ان سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ان کے لیے حسین کی قبر کی مٹی کے تحائف لے کر آئیں۔[5] ایسے ہی ان کی

---

[1] كامل الزيارات (ص: ٢٧٥) بحار الأنوار (١٠١/ ١٢١)

[2] أمالي الطوسي (١/ ٣٢٥) بحار الأنوار (١٠١/ ١١٨)

[3] حوالہ جات سابقہ۔

[4] حوالہ جات سابقہ۔

[5] بحار الأنوار (١٠١/ ١٣٤) اس نے المزار الكبير لشيخ الشيعة محمد المهدي (ص: ١١٩) سے نقل کیا ہے۔

روایات یہ بھی بیان کرتی ہیں:

''اس مٹی پر سجدہ کرنا، سات پردوں کو جلا دیتا ہے۔''[1]

یہ حسین کی مٹی کے متعلق جو انھوں نے دعوے کیے ہیں، اس کا صرف ایک حصہ ہے۔ اس مٹی کے متعلق انھوں نے یہ اعتقاد رکھ کر گویا مشرکوں سے بھی بڑا کام کیا ہے، جو اپنے بتوں کے متعلق کہتے تھے کہ وہ انھیں اللہ کے قریب کرتے ہیں، لیکن انھوں نے اس مٹی کے ایسے خواص اور فوائد بنا دیے ہیں، جن پر اللہ رب العزت کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ انھوں نے اس مٹی کو اللہ کے ساتھ رب بنا لیا ہے۔

ان کا اس مٹی سے شفا پانے کا دعویٰ منکر اور باطل بات ہے۔ یہ شیعہ کا دین ہے، جس کا دینِ اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں:

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ٨٥]

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

اس کا ہمارے رب کی کتاب میں کہیں ذکر ہے نہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی سنت ہی میں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ قرآنِ عظیم اس کے مومن بندوں کے لیے شفا ہے:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ [حم السجدة: ٤٤]

''کہہ دے یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الإسراء: ٨٢]

''اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے۔''

سنتِ مصطفیٰ ﷺ نے جو دعائیں اور اوراد بیان کیے ہیں، ان میں صرف ایک اللہ کی پناہ میں آنے کا ذکر ہے نہ کہ کسی صنم کی، بلکہ کسی مقرب فرشتے اور مرسل نبی کی پناہ میں آنے کا ذکر بھی نہیں۔ صرف ایک اللہ ہی کی پناہ میں آنے کی وجہ سے مسلمان کو حفاظت اور امان حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح مسلمان شفا کے طبعی اسباب اپنانے کا بھی مامور ہے۔ لیکن مٹی کھانا یہ بہت بڑی بدعت اور جگ ہنسائی ہے، جس کی اس قوم کے دین کے سوا کہیں مثال نہیں ملتی۔

[1] مصباح المتهجد للطوسي (ص: ٥١١) بحار الأنوار (١٠١/ ١٣٥)

چھٹی بحث

شیعہ کا نقوش و رموز کے ساتھ پکارنا اور نامعلوم سے فریاد رسی کرنا

شیعہ کے شرک اور گمراہی کی ایک شکل ان کا مختلف رموز و نقوش اور حروف کے ساتھ دعا کرنا اور انھیں ائمہ کے اوراد، ادعیہ اور پردوں میں شمار کرنا ہے، لہٰذا یہ شفا اور سلامتی کے حصول کے لیے انھیں لکھتے اور ان کے تعویذ بناتے ہیں۔ مجلسی نے بڑی کثرت کے ساتھ ایسی اشیا کو جمع کیا ہے اور اپنی کتاب میں بہت سارے بے معنی اور مہمل الفاظ نقل کیے ہیں، بلکہ اس نے اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں بعض بڑی عجیب وغریب لکیروں کے ساتھ نقوش کی تصویریں بھی بنائی ہیں اور ان کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ ائمہ کا شفا کے لیے ایک طریقہ ہے۔[1]

یہ حروف پر مبنی پہیلیاں، جن کا کوئی معنی نہیں، ائمہ کے تعویذ اور دم ہیں،[2] جس طرح یہ لوگ افترا کرتے ہیں، جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ [الأعراف: ۱۸۰]

''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو۔''

ان طلاسم اور حروف کے ساتھ ان پردوں میں چھپے ہوئے الفاظ اور اوراد کو لکھنا اللہ واحد وقہار کے ساتھ شرک ہے، کیوں کہ یہ غیر اللہ سے دعا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ اللہ کے اسما اور صفات نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

[1] ان نقوش اور طلاسم کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے: ''امیر المومنین کا جادو زدہ، توابع (وہ جن جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں) مرگی زدہ، زہر، سلطان، شیطان اور انسان کو ڈرانے والی تمام اشیا کے لیے ورد: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم: أي كنوش أي كنوش، أرشش عطنيطنيطح يا مطيطرون، فريالسون ما وما ساما سويا طيطشالوش خيطوش الخ. پھر اس نے باہم ملی ہوئی لکیروں کی طرح کے عجیب وغریب رموز بنائے ہیں۔ (بحار الأنوار: ٩٤/ ١٩٣) اس جلد کے صفحہ نمبر (۲۲۹، ۲۶۵ اور ۲۹۷) پر بھی اس مے اسی طرح کے رموز بنائے ہیں۔ ان عجیب الفاظ پر مشتمل ائمہ کے تعویذات کی ایک یہ مثال بھی دیکھیں: أعوذه بيا آهيا شراهيا... الخ (المصدر السابق: ٩٤/ ٢٢)

[2] حروف کے ساتھ ان کی دعا ملاحظہ کریں: ''اللهم بالعين والميم والفاء والحاء ين، بنور أبو الإشباح، اكفني شر من دب و مشى...'' اس کو انھوں نے ان حجابات میں شمار کیا، جن کے ساتھ ائمہ ان لوگوں سے چھپتے تھے، جو انھیں تکلیف پہنچانا چاہتے تھے۔ (المصدر السابق: ٩٤/ ٣٧٢، ٣٧٣)

کے اسماء ہیں، جو کتاب وسنت میں وارد ہیں اور یہ توقیفی ہیں، یعنی وحی پر موقوف ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اللہ کو پکارنا جائز نہیں۔ اسی طرح ان نقوش اور طلاسم کا کوئی معروف ومشہور معنی نہیں، اس لیے امام صغانی نے کہا ہے:

''ہوسکتا ہے، ان الفاظ کو بولنا ہی کفر ہو، کیوں کہ ہم ان کا عربی میں کوئی معنی نہیں جانتے، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ٣٨]

''ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔'' اور یہ لوگ کہتے ہیں: ''آهيا شراهيا...''[1]

پھر انھوں نے ذکر کیا ہے: ''ان مجہول دعوؤں کی وجہ سے بہت ساری مخلوق گمراہ ہوچکی ہے۔''[2]

جہاں تک نامعلوم اور مجہول سے فریاد چاہنے کا تعلق ہے تو یہ لوگ راستہ کھو جانے پر اس سے مدد مانگتے ہیں، جس طرح اس سے پہلے انھوں نے میت اور معدوم سے بھی مدد چاہی ہے، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ حالاں کہ ''مُردوں اور جونظروں سے اوجھل ہیں، جیسے فرشتے، جن یا انسان یا ان سے جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لیے مدد چاہنا، شرکِ اکبر کی ایک قسم ہے، جس کو اللہ تعالیٰ توبہ کے بغیر معاف نہیں کرتے، کیوں کہ اس نوع کی مدد خواہی عبادت اور نیکی ہے، جو اللہ کے سوا خالصتاً اسی کے رضا جوئی کے لیے، کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو اللہ نے اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ وہ کہیں:

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحة: ٥]

یعنی ہم تیرے سوا کسی کی عبادت کرتے ہیں نہ کسی سے مدد ہی چاہتے ہیں۔ نیز یہ فرمانِ الٰہی: ﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ [الإسراء: ٢٣] ''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' اس کے علاوہ دیگر آیات[3]

شیعہ کے معتبر مصدر میں مذکور ہے:

''ابو بصیر سے مروی ہے، وہ ابو عبداللہ سے بیان کرتا ہے کہ انھوں نے کہا: جب تم راستہ کھودو تو یہ

---

[1] موضوعات الصغاني (ص: ٦٣)

[2] حوالہ سابقہ۔

[3] یہ سعودی مجلسِ افتا کا فتویٰ ہے۔ جريدة الجزيرة، الجمعة ٦ رجب ١٤٠٧هـ العدد (٥٢٧٢) ركن الدعوة والإفتاء، تحت إشراف الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية (ص: ٨)

آواز لگاؤ، اے صالح! یا با صالح! ہمیں راستہ بتاؤ، اللہ تم پر رحم کرے۔''[1]

ابن بابویہ ''راستہ کھو جانے والے کے لیے دعا'' کے باب میں یہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

''یہ روایت کیا گیا ہے کہ بر (خشکی) صالح کے سپرد ہے اور بحر یعنی سمندر حمزہ کے سپرد ہے۔''[2]

یہ حمزہ یا صالح کون ہیں؟ ابن بابویہ کی ''کتاب الخصائل'' میں، علی کی سند سے چار سو کی حدیث میں ''صالح'' کی شناخت سے پردہ اٹھایا گیا ہے:

''تم میں سے جو سفر میں راستہ کھو دے اور اس کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو وہ یہ آواز لگائے: اے صالح! میری فریاد سن۔ تمھارے جن بھائیوں میں سے ایک صالح نامی جن ہے، جو تمھارے لیے ثواب سمجھتے ہوئے زمین پر گھومتا رہتا ہے، جب وہ آواز سنتا ہے، تو جواب دیتا ہے اور تم میں سے گم گشتہ راہ کو راہ بتاتا ہے اور اپنی سواری روک لیتا ہے۔''[3]

بہ ظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ بات انھیں جاہلیت قدیمہ سے وراثت میں ملی ہے، کیوں کہ یہ انھیں لوگوں کا دین تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ [الجن: ٦]

''اور یہ کہ بلاشبہہ بات یہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے بعض لوگوں کی پناہ پکڑتے تھے تو انھوں نے ان (جنوں) کو سرکشی میں زیادہ کر دیا۔''

اہلِ علم کہتے ہیں:

''زمانہ جاہلیت میں عرب کی عادت تھی کہ جب وہ کسی جگہ ٹھہرتے تو اس جگہ کے سر برآوردہ جن سے پناہ مانگتے کہ انھیں ان کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے، جس طرح ان میں جب کوئی اپنے دشمن کے علاقے میں جاتا تو کسی بڑے آدمی کی پناہ اور ذمے داری میں آجاتا۔

جب جنوں نے دیکھا کہ انسان ان سے خوف کھاتے ہوئے ان کی پناہ طلب کرتے ہیں تو انھوں نے ان کو مزید خوف ناک اور دہشت ناک کرنا شروع کر دیا، حتی کہ وہ ان سے زیادہ ڈرنے

---

[1] ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٢/ ١٩٥) البرقي: المحاسن (ص: ٣٦٢ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تم راستہ بھول جاؤ) وسائل الشيعة (٨/ ٣٢٥)

[2] من لا يحضره الفقيه (٢/ ١٩٥) المحاسن (ص: ٣٦٢) نیز دیکھیں: وسائل الشيعة (٨/ ٣٢٥)

[3] الخصال (٢/ ٦١٨) وسائل الشيعة (٨/ ٣٢٥)

لگے اور ان کی زیادہ پناہ مانگنے لگے۔

جس طرح حضرت قتادہ نے کہا ہے کہ ﴿فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ یعنی انھوں نے ان کو گناہ میں زیادہ کر دیا اور جنوں کی جرأت میں اضافہ ہوگیا۔ جب وہ اللہ کے سوا ان سے پناہ مانگتے تو جن اس وقت ان کو زیادہ اذیت پہنچاتے۔"[1]

لیکن جب اسلام آیا تو وہ اکیلے اللہ کی پناہ میں آنے لگے اور انھوں نے ان کو ترک کر دیا[2] اور بلاشبہہ جنوں سے پناہ مانگنا شرک ہے، کیوں کہ یہ غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا ہے۔[3]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [يونس: ١٠٧]

"اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں، وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

---

[1] تفسير ابن كثير (٤/ ٤٥٤۔ ٤٥٥) نیز دیکھیں: تفسير الطبري (٢٩/ ١٠٨) فتح القدير (٥/ ٣٠٥) شیعہ کی کتبِ تفسیر میں بھی یہ معنی مذکور ہے۔ مزید دیکھیں: البرهان (٤/ ٣٩١) تفسير القمي (المصدر السابق) تفسير الصافي (٥/ ٢٣٤۔ ٢٣٥) تفسير شبر (ص: ٥٣٥)

[2] دیکھیں: تفسير الطبري (٢٩/ ١٠٩)

[3] دیکھیں: كتاب التوحيد (مع شرحه فتح المجيد) باب من الشرك الاستعاذة بغير الله (ص: ١٧٥)

ساتویں بحث

شیعہ کا جاہلیت کے تیروں سے مشابہ اشیا کے ساتھ استخارہ کرنا

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی عربی شخص سفر یا جنگ یا اس جیسے کسی کام کا ارادہ کرتا تو تیر گھماتا۔ یہ تین تیر تین باتوں پر مشتمل ہوتے:

''ایک پر لکھا ہوتا: ''کرلو۔'' دوسرے پر لکھا ہوتا: ''نہ کر۔'' اور تیسرا خالی ہوتا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک پر لکھا ہوتا: ''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔'' دوسرے پر لکھا ہوتا: ''میرے رب نے مجھے منع کر دیا ہے'' اور تیسرا خالی ہوتا۔ جب وہ انھیں گھماتا اور اگر حکم کا تیر نکل آتا تو وہ کام کر گزرتا، اگر منع کا تیر نکل آتا تو اس کا چھوڑ دیتا اور اگر خالی تیر نکل آتا تو دوبارہ انھیں گھماتا۔''[1]

لوگوں کی ایک کثیر تعداد اَزلام (تیروں سے قسمت آزمائی) اور اَنصاب (صنم پرستی) کے عشق میں مبتلا ہے۔ اَنصاب عبادت میں شرک کے لیے ہیں اور اَزلام قسمت آزمائی اور مستقبل کے علم کا اندازہ لگانے کے لیے ہیں، جو صرف اللہ کے پاس ہے، تاکہ فلاں چیز کا علم ہو جائے اور فلاں پر عمل کیا جائے، لیکن اللہ کا دین اور اس کی شریعت ان سارے کاموں کے خلاف ہے۔

شیعہ کے اثنا عشریہ فرقے نے تیروں سے قسمت آزمائی پر مشتمل استخارے کو اپنے دین میں شامل کر لیا ہے اور اس پر بعض اضافے بھی کیے ہیں، جنھیں یہ رقاع (کاغذ کے ٹکڑے) کہتے ہیں۔ چناں چہ شیعہ عالم حر عاملی نے اس مقصد کے لیے اس عنوان ''رقاع کے ساتھ استخارے کے استحباب اور کیفیت کا باب'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔''[2]

اس باب میں اس نے ان کی جملہ پانچ روایات ذکر کی ہیں، لیکن مجلسی نے استخاروں کی کئی اقسام ذکر کی ہیں، جو اس مفہوم میں ان تین ابواب میں داخل ہیں: "باب الاستخارة بالرقاع"[3] "باب الاستخارة

[1] تفسیر ابن کثیر (۲/ ۱۲) تفسیر الطبري (۹/ ۵۱۰، ط: المحققه)

[2] وسائل الشیعة (۵/ ۲۰۸۔ ۲۱۳)

[3] بحار الأنوار (۹۱/ ۲۲۶۔ ۲۳٤)

بالبنادق،[1] "باب الاستخارة بالسبحة والحصى"،[2] ان استخاروں کی شیعہ کتب جو کیفیت بیان کرتی ہیں، وہ شروع میں تو اہلِ جاہلیت کے طور طریقوں سے مختلف ہو سکتی ہے، کیوں کہ وہ نماز اور دعا پر مشتمل ہے اور نماز بھی بدعت طریقے کے مطابق، پھر ایک مخصوص دعا، لیکن ان کا اختتام جاہلیت کے عمل کے مشابہ ہی ہوتا ہے، کیوں کہ ان میں تسبیح گھما کر یا مخصوص رقعوں پر ''کر''، ''نہ کر'' لکھ کر اور اس کو بار بار آزما کر خیر تلاش کی جاتی ہے۔

کلینی[3]، طوسی[4] اور حر عاملی[5] وغیرہ[6] کے ہاں مذکور ہے کہ ''ہارون بن خارجہ ابو عبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا: جب تم کوئی کام کرنا چاہو تو چھے رقعے لو اور تین پر لکھو: "بسم الله الرحمن الرحیم" اللہ عزیز وحکیم سے فلاں بن فلانہ[7] کے ساتھ استخارہ کرتے ہوئے: ''کر''۔ دوسرے تین پر لکھو: "بسم الله الرحمن الرحیم" فلاں بن فلانہ کے لیے اللہ عزیز وحکیم سے استخارہ کرتے ہوئے: ''نہ کر''

پھر انھیں اپنے جائے نماز کے نیچے رکھ دو، پھر دو رکعات نماز ادا کر، جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو سجدہ کرو اور اس میں ۱۰۰ مرتبہ کہو: ''میں اللہ سے اس کی رحمت کے ساتھ عافیت میں استخارہ کرتا ہوں۔'' پھر سیدھا ہو کر بیٹھ جا اور کہہ: ''اے اللہ! آسانی اور عافیت کے ساتھ میرے لیے میرے تمام امور میں خیر عطا کر، پھر اپنا ہاتھ ان رقعوں پر مار، ان کو گڈمڈ کر دے، پھر ایک ایک کر کے نکال۔ اگر ''کر'' پر مشتمل تینوں ایک ساتھ نکل آئیں تو اس کام کو کر لو، جس کا تم ارادہ رکھتے ہو اور اگر ''نہ کر'' پر مشتمل تینوں رقعے ایک ساتھ نکل آئیں، تب اس کو چھوڑ دے۔ اگر ''کر'' والا نکل آئے اور دوسرا ''نہ کر'' والا ہو تو تب پانچ تک ایک ایک کر کے نکال لے، جس کی اکثریت ہو وہ کر لو اور چھٹے کو چھوڑ دو، اس کی تمھیں ضرورت نہیں۔

بندق (گیند نما) کے ساتھ استخارے کی تفسیر ان کی روایات میں یوں مذکور ہے:

''اپنے دل میں اپنے کام کی نیت کر، پھر دو رقعے لکھ۔ ایک پر ''نہ'' لکھ اور دوسرے پر ''ہاں''۔ پھر

---

[1] بحار الأنوار (۹۱/ ۲۳۵۔ ۲۴۰)

[2] بحار الأنوار (۹۱/ ۲۴۷۔ ۲۵۱)

[3] الفروع من الكافي (۱/ ۱۳۱)

[4] التهذيب (۱/ ۳۰٦)

[5] وسائل الشيعة (۵/ ۲۰۸)

[6] دیکھیں: المقنعة (ص: ۳٦) المصباح (ص: ۳۷۲)

[7] اس طرح ماں کی طرف نسبت کی گئی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ [الأحزاب: ۵] ''ان کو ان کے باپوں سے پکارو۔''

ان دونوں کو دومٹی کی چھوٹی گولیوں میں رکھ دے، پھر دو رکعات نماز پڑھ اور ان دونوں کو اپنے دامن کے نیچے رکھ دے اور کہہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے اپنے اس مسئلے میں مشاورت کرتا ہوں اور تو بہترین مشیر ہے، مجھے اس کام کا اشارہ دے، جس میں اچھائی اور اچھا انجام ہو۔ پھر اپنا ہاتھ داخل کر، اگر اس میں ''ہاں'' آجائے تو وہ کام کر لے اور اگر ''نہ'' آئے تو نہ کر۔''[1]

نیز شیعہ کی روایات میں مذکور ہے:

''ہمارے آقا امیر المومنین کا استخارہ یہ ہے کہ تم جو چاہو، اپنے دل میں چھپاؤ اور یہ استخارہ لکھو اور ان دونوں کو بندق کی طرح کی چیز میں رکھو۔ دونوں کا وزن ایک جتنا ہو، پھر ان دونوں کو ایک برتن میں رکھ دو، جس میں پانی ہو، ایک کی پشت پر لکھا ہو: ''کر'' اور دوسری پر لکھا ہو: ''نہ کر'' ان دونوں میں سے جو بھی پانی کی سطح پر نکل آئے، وہ کرلو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔''[2]

بلاشبہہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ان زمانہ جاہلیت کی آلایشوں اور اوہام و خیالات سے بَری ہیں، یہ شیعہ نے ان کے نام پر دسیسہ کاری کی ہے، اس لیے اس کو ان سے شیعہ کے سوا کسی نے نقل نہیں کیا۔

تسبیح اور کنکری کے ساتھ استخارے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے شیعہ عالم مجلسی نے کہا ہے:

''میں نے اپنے والد سے سنا، وہ اپنے استاذ بہائی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتا تھا: ہم نے اپنے مشایخ سے مذاکرہ کرتے ہوئے سنا ہے کہ انھوں نے قائم سے تسبیح کے ساتھ استخارے کے متعلق بیان کیا کہ استخارہ کرنے والا اس کو پکڑے، تین مرتبہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجے، پھر تسبیح پکڑے اور دو دو کر کے گنے، اگر ایک دانہ باقی بچ جائے تو اس کا مطلب ہے، وہ کام کرلو، اگر دو دانے بچ جائیں تو پھر وہ کام نہ کرے۔''[3]

استخارے کی یہ انواع جاہلیت نژاد ہیں، جس کو انھوں نے اسلام کا لباس پہنانے کی کوشش کی ہے، جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ اپنے امور میں متردد ہوں تو اس سے استخارہ کریں، یعنی اس کی عبادت کریں، پھر اس سے اس معاملے میں بہتری کا سوال کریں، جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔[4]

---

1. الفروع من الكافي (١/ ١٣٢) التهذيب (١/ ٣٠٦) وسائل الشيعة (٥/ ٢٠٩)
2. بحار الأنوار، باب الاستخارة بالبنادق (٩١/ ٢٣٨)
3. المصدر السابق (٩١/ ٢٥٠)
4. تفسير ابن كثير (٢/ ١٣)

امام احمد بخاری اور اہلِ سنن نے حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ ہمیں اس طرح استخارہ سکھاتے تھے، جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے، آپ ﷺ فرماتے: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعات نفل نماز ادا کرے، پھر کہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡتَخِیۡرُكَ بِعِلۡمِكَ وَأَسۡتَقۡدِرُكَ بِقُدۡرَتِكَ وَاَسۡئَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ الۡعَظِیۡمِ فَاِنَّكَ تَقۡدِرُ وَ لَآ اَقۡدِرُ وَ تَعۡلَمُ وَ لَآ اَعۡلَمُ وَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ اَللّٰهُمَّ اِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ هٰذَا الۡاَمۡرَ خَیۡرٌ لِّیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَ مَعَاشِیۡ وَ عَاقِبَةِ اَمۡرِیۡ فَاقۡدُرۡهُ لِیۡ وَ یَسِّرۡهُ لِیۡ ثُمَّ بَارِكۡ لِیۡ فِیۡهِ وَ اِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ هٰذَا الۡاَمۡرَ شَرٌّ لِّيۡ فِيۡ دِيۡنِيۡ وَ مَعَاشِيۡ وَ عَاقِبَةِ اَمۡرِيۡ فَاصۡرِفۡهُ عَنِّیۡ وَاصۡرِفۡنِيۡ عَنۡهُ وَاقۡدُرۡ لِيَ الۡخَيۡرَ حَيۡثُ كَانَ، ثُمَّ ارۡضِنِيۡ بِهٖ" الحدیث [1]

یہ استخارہ انھی الفاظ میں، جس طرح اہلِ سنت کے مصادر میں مذکور ہے، شیعہ کی کتابوں میں بھی وارد ہوا ہے۔[2]

لیکن تقیے کا عقیدہ، جو شیعہ کو جماعتِ مسلمین کے جھنڈے تلے جمع ہونے سے دور کرنے میں سب سے اہم عامل ہے، اس نے بعض شیعہ علما کو صرف اس وجہ کے زمانہ جاہلیت کے رقعوں پر ترجیحاً عمل کرنے پر مجبور کر دیا کہ ان کا گروہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور اہلِ سنت کے مذہب کی مخالفت پر مبنی ہے، کیوں کہ ان کی وہ روایات جو مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں، شیعہ کے ہاں ان پر عمل میں ہچکچاہٹ ہے، کیوں کہ وہ ان کے نزدیک ان کے مزعومہ تقیے کا احتمال رکھتی ہیں۔

شیعہ عالم حر عاملی کہتا ہے:

''ابن طاؤس نے بہت ساری وجوہ کی بنا پر رقعوں کے ساتھ استخارے کو ترجیح دی ہے، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ تقیے کا احتمال نہیں رکھتیں، کیوں کہ ان کو عامہ (اہلِ سنت) میں سے کسی نے روایت نہیں کیا۔''[3]

یہ امر ان لوگ کی طرف سے اعتراف ہے کہ رقاع کے ساتھ استخارہ ان کے فرقے کا شذوذ ہے۔ ایسے

---

[1] صحیح البخاري: كتاب التهجد، باب ما جاء في التطوع مثنىٰ مثنىٰ (٢/ ٥١) و باب قول الله تعالىٰ ﴿قل هو القادر﴾ (٨/ ١٦٨) سنن أبي داود (٢/ ١٨٧ـ ١٨٨) رقم الحديث (١٥٣٨) سنن الترمذي (٢/ ٣٤٩) رقم الحديث (٤٨٠) سنن النسائي (٦/٨٠ـ ٨١) سنن ابن ماجه (١/ ٤٤٠) رقم الحديث (١٣٨٣) مسند أحمد (٣/ ٣٤٤)

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (٩١/ ٢٦٥) مكارم الأخلاق (ص: ٣٧٢)

[3] وسائل الشيعة (٥/ ٢١١)

لگتا ہے کہ ان کے بعض[1] علما کو ان رقاع کے معاملے نے شک میں مبتلا کر دیا تھا اور انھوں نے اس کا شاذ ہونا محسوس کیا۔ ایک شیعہ عالم کہتا ہے:

''یہ رقعات اور جو یہ ''کر'' اور ''نہ کر'' پر مشتمل ہیں، یہ شذوذ کے دائرے میں ہیں۔''[2]

اس طرح بعض نے ان کی سندوں پر اعتراض کیا ہے،[3] لیکن یہ آواز جو استخارے میں اس رجحان کی مخالفت کرتی ہے، بعض متاخر شیعہ کی نگاہ میں نہیں جچی، لہٰذا انھوں نے اس کا رد کیا اور کہا ہے:

''اس چیز کے اصحاب کے درمیان مشہور ہونے کی وجہ سے اس (رد کرنے والے) کا کوئی ماخذ نہیں، اس کو محدثین نے اپنی کتابوں میں اور مصنفین نے اپنی تصانیف میں جمع کیا ہے، لہٰذا یہ کس طرح شاذ ہو سکتا ہے؟''[4]

پھر انھوں نے کہا ہے:

''شیعہ کے علما میں سے ایک عالم رضی الدین حسن علی بن طاؤس حسنی نے استخارات کے موضوع پر ایک بڑی ضخیم کتاب تالیف کی ہے اور اس نے اس میں رقاع کی روایت پر انحصار کیا ہے اور اس نے اس کے عجیب و غریب آثار ذکر کیے ہیں۔''[5]

نیز انھوں نے کہا ہے:

''ان استخارات سے ان کے علما کی صرف ایک قلیل[6] جماعت نے انکار کیا ہے، جن کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں۔''

---

[1] یہ شیعہ کا عالم جعفر بن حسن حلی (المتوفی ٦٧٦ھ) ہے، جو ان کے ہاں ''محقق'' کے لقب سے مشہور ہے۔

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (۹۱/ ۲۸۷)

[3] شیعہ عالم ابن ادریس نے کہا ہے: ''یہ شاذ روایات ہیں، کیوں کہ ان کے راوی فطحی فرقے سے تعلق رکھنے والے ملعون ہیں، جیسے زرعہ اور سماعہ ہیں۔'' (بحار الأنوار: ۹۱/ ۲۸۷)

[4] بحار الأنوار (۹۱/ ۲۸۸)

[5] بحار الأنوار (۹۱/ ۲۸۸)

[6] ان کے اقوال میں اختلاف ہے کہ کس نے سب سے پہلے اس کی مخالفت کی؟ شیعہ کے شہید کے لقب سے مشہور عالم نے ذکر کیا ہے کہ ان کے علما میں سے ابن ادریس کے سوا کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی یا وہ جس نے اس کے موقف کو اختیار کیا، جیسے شیخ نجم الدین۔ (بحار الأنوار: ۹۱/ ۲۸۸)
جب کہ مجلسی نے کہا ہے کہ حقیقت میں یہ مخالفت مفید نے کی تھی، جب اس نے رقاع کے ساتھ استخارے کی روایت ذکر کی تو کہا: یہ روایت شاذ ہے۔ ہم نے اسے رخصت کے لیے ذکر کیا ہے، عمل کے لیے نہیں۔ پھر ان کے بعض متاخر علما نے ←

یہ رقاع، بنادق، تسبیح اور کینکری کے ساتھ استخارہ اور اس میں ہونے والا جدل و اختلاف یہ بعینہٖ مشرکین کا استخارہ ''کر'' یا ''نہ کر'' ہے، اس میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان لوگوں نے اس کے شروع میں نماز اور دعا کا اضافہ کر لیا ہے۔

شیعہ کی بعض روایات نے اس استخارے کی جگہ بھی مخصوص کی ہے کہ یہ قبرِ حسین کے پاس ہو،[1] تا کہ شرک کا دروازہ مزید کھل جائے۔ یہ بدعت اس قوم کی انفرادی خصوصیت ہے، جس نے ان کو ان قسمت آزمائی کے تیروں کے ساتھ تعلق خاطر رکھنے اور ان کی ہدایات کی روشنی میں اپنے کام کرنے کا پابند کر دیا ہے، حالاں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ [المائدة: ٣]

''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے والا جانور اور جسے چوٹ لگی ہو اور گرنے والا اور جسے سینگ لگا ہو اور جسے درندے نے کھایا ہو، مگر جو تم ذبح کر لو، اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم تیروں کے ساتھ قسمت معلوم کرو۔ یہ سراسر نافرمانی ہے۔''

یعنی مومنو! اس نے تم پر ان تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا حرام کیا ہے۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ''یہ تیر تھے، جن سے وہ اپنے امور میں قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔''[4] یعنی ان کے ذریعے جو ان کی قسمت میں ہوتا، اس کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے،[5] اور اللہ کا یہ فرمان: ﴿ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ اس سے یہ مراد ہے کہ ان کے ساتھ تعامل کرنا فسق، گمراہی، جہالت اور شرک ہے۔''[6]

← مفید کے نسخے میں اس کلام کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ یہ اس کا اپنا کلام نہیں، بلکہ اس کے کلام میں اِلحاق کیا گیا ہے۔ (بحار الأنوار: ۹۱/ ۲۸۷، ۲۸۸) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنے علما کی کتابوں میں تحریف اور تبدیلی کرتے ہیں۔

[1] دیکھیں: وسائل الشیعة (۵/ ۲۲۰) بحار الأنوار (۱۰۱/ ۲۸۵)

[2] تفسیر ابن کثیر (۲/ ۱۲)

[3] تفسیر الطبري (٦/ ۷۸)

[4] ابن القیم: إغاثة اللهفان (۱/ ۲۲۷)

[5] تفسیر ابن کثیر (۲/ ۱۳)

یہ روافض اپنے استخارے میں مشرکین کے قدموں کے ساتھ قدم ملا کر چلے ہیں اور انھوں نے ان قسمت آزمائی کے تیروں کو شرعی استخارے پر ترجیح دی ہے[1]، کیوں کہ ان کا ان استخاروں کے ساتھ دیگر مسلمانوں سے انفرادیت رکھنا، ان کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، جس طرح یہ ان کا اصول ہے اور انھوں نے اپنے پیروکاروں پر اس کے نتیجے پر عمل کرنا لازمی قرار دیا ہے، بلکہ ان کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔[2]

گویا ان کا اعتقاد ہے کہ یہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ سے خبر لے کر آتے ہیں اور یہ بالکل مشرکوں کے تیروں سے قسمت آزمائی کی طرح ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا، ان کا ان کے نتائج کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے، جس طرح پکی قسم کھانا...۔''[3]

وگرنہ یہ رافضی کس طرح دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان رقاع سے جو نکلتا ہے، جن سے وہ اپنی قسمت معلوم کرتا ہے، وہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے، لہٰذا وہ اسے اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے؟ کیا اس نے غیب پر اطلاع پائی ہے یا رحمٰن سے کوئی عہد کیا ہوا ہے؟

یہ رقاع اہلِ شرک کے حال کی طرح کسی دلیل اور برہان کے بغیر اس کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان کے حکم یا نہی کے مطابق چلے اور شاید اس میں اور نجومی کے قول میں کوئی فرق نہ ہو، جو کہتا ہے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے تو نہ نکل، جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ [لقمان: ٣٤]

''اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا؟''[4]

دوسری طرف یہ لوگ کہتے ہیں کہ کنکری اور جمادات کے حکم سے یہ کر اور وہ نہ کر!!

---

[1] دیکھیں: الحر العاملي: الإيقاظ من الهجعة (ص: ٣، ٧٠-٧١)

[2] مثال کے طور پر انھوں نے کہا ہے: ''اگر تمام رقاع (پرچیوں) میں یہی لکھا ہو کہ نہ کر، تو وہ ایسا کام کرنے سے ڈر جائے۔'' (بحار الأنوار: ٩١/ ٢٢٨)

[3] إغاثة اللهفان (١/ ٢٢٧)

[4] إغاثة اللهفان (١/ ٢٢٧)

دوسری فصل

توحیدِ ربوبیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ

توحیدِ ربوبیت کا مطلب ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بادشاہت، تخلیق اور تدبیر میں یکتا ماننا، لہٰذا بندہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ وہی خالق، رازق، زندہ کرنے والا، مارنے والا، نفع و نقصان دینے والا، مالک اور تدبیر کرنے والا ہے۔ پیدا کرنا اور ہر طرح کا حکم دینا اسی کا کام ہے۔ فرمایا:

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأعراف: ٥٤]

''سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے، بہت برکت والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ [النور: ٤٢]

''اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی شریک ہے نہ نظیر۔[1]

یہاں اس اصل اور بنیاد کا مطالعہ پیش کرنا مقصد نہیں، بلکہ اس کے متعلق شیعہ کا عقیدہ معلوم کرنا ہے۔ کیا یہ اصل اصیل اور رکن عظیم بھی ان کے امام کے متعلق کیے گئے دعوؤں سے متاثر ہے؟

قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے کہ مشرکینِ قریش اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں کفر اور ہر طرح کی عبادات غیر اللہ کے لیے کرنے کے باوجود اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ان کا خالق اور رازق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] توحیدِ ربوبیت کا معنی ومفہوم جاننے کے لیے دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١٠/ ٣٣) علي بن أبي العز: شرح العقيدة الطحاوية (ص: ١٧) المقريزي: تجريد التوحيد (ص: ٨١ ضمن مجموع: عقيدة الفرقة الناجية) السفاريني: لوامع الأنوار البهية (١/ ١٢٨۔ ١٢٩) سليمان بن عبد الوهاب: تيسير العزيز الحميد (ص: ٣٣) عبدالرحمن بن سعدي: سؤال و جواب في أهم المهمات (ص: ٥) محمد خليل هراس: دعوة التوحيد (ص: ٢٧ وما بعدها) عبد العزيز بن باز: تعليق علىٰ العقيدة الطحاوية، نشر في مجلة البحوث الإسلامية، العدد (١٥) ١٤٠٦هـ.

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ [الزخرف: ٨٧]

''اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ انھیں کس نے پیدا کیا تو بلاشبہہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں بہکائے جاتے ہیں؟''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [يونس: ٣١]

''کہہ دے کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو ضرور کہیں گے ''اللہ'' تو کہہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟''

لیکن اس کے باوجود انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے ساتھ غیر کو شریک کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [يوسف: ١٠٦]

''اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں۔''

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ان کا اللہ پر ایمان ان کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہمیں رزق دیتا ہے اور مارتا ہے۔ یہ غیر اللہ کو اس کے ساتھ عبادت میں شریک کرنے کے باوجود ایمان ہے۔''[1]

کیا شیعہ اس باب میں مشرکین سے زیادہ کافر ہیں؟ اہلِ علم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان رکھنا انسان کی فطرت میں شامل ہے اور اس حیثیت سے ربوبیت میں شرک کہ صفات اور افعال میں بالکل ایک جیسے دو خالقوں کو ثابت کرنا، انسانی تاریخ میں کسی فرقے سے ثابت نہیں۔ البتہ بعض مشرکوں کا یہ مذہب ہے کہ کوئی ایسا خالق ہے، جس نے جہاں کے کچھ حصے کی تخلیق کی ہے۔[2]

---

[1] تفسير الطبري (٢٣١/ ٧٧۔ ٧٨) نیز دیکھیں: تفسير ابن كثير (٢/ ٥٣٢)

[2] دیکھیں: مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام ابن تيمية (٣/ ٩٦۔ ٩٧) شرح العقيدة الطحاوية (ص: ١٧۔ ١٨)

اس لیے یہ سوال کہ کیا شیعہ دین میں یہ رکن بھی متاثر ہوا ہے؟ اپنے ائمہ کو وہ جو اتنی زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کو جن اوصاف اور القاب سے نوازتے اور پکارتے ہیں تو کیا اس اعتبار سے ان کے ہاں جزوی طور پر کسی کو شریک مقرر کرنا موجود ہے؟ یہ امر شیعہ کی معتبر کتابوں میں ان کے ائمہ سے منقول اقوال اور ان کی قابلِ اعتماد روایات کے تتبع اور تلاش سے واضح ہو جائے گا۔ یہاں میں پانچ مباحث پیش کروں گا:

پہلی بحث: شیعہ کا عقیدہ ہے کہ رب امام ہی ہے۔

دوسری بحث: شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت امام کے لیے ہے۔

تیسری بحث: بادل اور بجلی ائمہ کے حکم سے ہے اور وہ ائمہ کے لیے مسخر ہیں، اس کو میں نے یہ عنوان دیا ہے: ''کائنات کے حوادث کو ائمہ کی طرف منسوب کرنا۔

چوتھی بحث: ائمہ میں جزوی طور پر حلولِ الٰہی۔

پانچویں بحث: شیعہ کا نظریہ کہ ایام (دونوں) میں نفع اور نقصان پہنچانے کی تاثیر ہے۔

اسی طرح ارکانِ ایمان کے متعلق ان کے اقوال کے متعلق ایک مبحث تقدیر کے متعلق ان کے قول کا اور یہ کہ بندہ اپنے فعل کا خالق ہے، ذکر ہوگا۔ یہ ربوبیت میں شرک ہے، لیکن میں نے اس کو پیش کرنا وہاں تک اس لیے موخر کیا ہے، تاکہ ارکانِ ایمان کے متعلق ان کے اقوال پر مکمل نظر ڈالی جا سکے۔

پہلی بحث

شیعہ کا عقیدہ کہ رب امام ہی ہے

شیعہ روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، جس طرح یہ لوگ الزام تراشی کرتے ہیں، کہا:
''میں زمین کا رب ہوں، جس کے ساتھ زمین کو قرار ہے۔''[1]

اس غلو اور حد سے تجاوز کو دیکھیے! کیا زمین کا رب واحد و قہار کے سوا کوئی اور بھی ہے اور کیا زمین و آسمان کو ان کے خالق اور پیدا کرنے والے نے نہیں تھاما ہوا؟

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ [الفاطر:٤١]

''بے شک اللہ ہی آسمانوں کو اور زمین کو تھامے رکھتا ہے، اس سے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور یقیناً اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے بعد کوئی ان دونوں کو نہیں تھامے گا۔''

شیعہ کے امام نے کہا ہے کہ
''میں زمین کا رب ہوں۔'' یعنی زمین کا امام ہوں اور اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس آیت مبارکہ:

﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ﴾ [الزمر:٦٩]

''اور زمین اپنے رب کے نور کے ساتھ روشن ہو جائے گی۔''[2]

اور اس فرمانِ الٰہی:

﴿ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴾ [الكهف:٨٧]

''اس نے کہا جو شخص تو ظلم کرے گا سو ہم اسے جلدی سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے عذاب دے گا، بہت برا عذاب۔''

---

[1] مرآة الأنوار (ص: ٥٩) اس نے یہ قول ''بصائر الدرجات'' للصفار سے نقل کیا ہے۔
[2] اس روایت کی تخریج صفحہ (١٩٥) پر گزر چکی ہے۔

میں رب سے مقصود وہی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''وہ امیر المومنین کی طرف لوٹایا جائے گا، پس وہ اس کو سخت عذاب دیں گے۔''[1]

اس آیت مبارکہ:

﴿ وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾ [الكهف: ١١٠] ''اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

کی تفسیر میں تفسیر عیاشی میں مذکور ہے:

''یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تسلیم و اطاعت گزاری اور اس کے ساتھ خلافت میں اس کو شریک نہ کرے، جو اس کا اہل اور حق دار نہیں۔''[2]

قمی کی تفسیر میں بھی اس کی اسی طرح کی تاویل ذکر ہوئی ہے۔[3] آپ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ تاویل اس معنی میں ہے کہ رب لغت میں صاحب یا سید کے معنی میں بھی آتا ہے، کیوں کہ یہ آیات رب سبحانہ وتعالیٰ کے لیے صریح ہیں، جو اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال نہیں رکھتیں، اضافت نے اس کو معرفہ اور مخصوص کر دیا ہے۔

ائمہ لغت نے کہا ہے:

''لفظِ رب پر جب الف لام داخل ہو تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی دوسرے پر نہیں بولا جاتا۔''[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول:

اسما و صفات کی دو اقسام ہیں:

① ایک قسم رب کے ساتھ مخصوص ہے، جیسے ''الٰہ، رب العالمین'' وغیرہ۔ یہ کسی صورت میں کسی بندے کے لیے ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہاں وہ مشرک گمراہ ہو گئے، جنھوں نے اللہ کے اَنداد اور شریک بنائے۔

② دوسری قسم وہ ہے، جس کے ساتھ فی الجملہ بندے کو موصوف کیا جا سکتا ہے، جیسے ''حی، عالم، قادر''، لیکن یہ صفات بندے کے لیے اس طرح ثابت کرنا جائز نہیں، جس طرح یہ اصلاً رب کے لیے ثابت کی جاتی ہیں۔[5]

---

[1] مرآة الأنوار (ص: ٥٩) اس نے یہ قول ''کنز الفوائد'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

[2] تفسير العياشي (٢/ ٣٥٣) البرهان (٢/ ٤٩٧) تفسير الصافي (٣/ ٢٧٠)

[3] دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ٤٧)

[4] دیکھیں: المصباح المنير (ص: ٢٥٤)

[5] منهاج السنة (١/ ٣٤٢)

لیکن ان لوگوں نے اپنی بہت زیادہ تاویلات کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مخصوص لفظ رب کو اپنے امام کا نام بنا دیا ہے۔ یہ تاویلات کسی زندیق اور ملحد کی وضع کردہ ہیں، جس نے ان کے ذریعے شیعہ کو ان کے رب سے پھیرنا چاہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے وہ فرقے جو ربوبیتِ علی کے قائل تھے اور وہ رجال جنھوں نے یہ مذہب اختیار کیا، جن کی آواز آج تک ہم سنتے ہیں، انھوں نے اسی گندے جوہڑ سے پانی پیا ہو، جس کو اثنا عشریہ کی معتبر کتابوں نے محفوظ رکھا ہے!

دوسری بحث

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ دنیا اور آخرت ساری کی ساری امام کے لیے ہے، وہ جس طرح چاہتا ان میں تصرف کرتا ہے

کافی کے مصنف نے اس بات کو بیان کرنے کے لیے اس عنوان ''باب أن الأرض كلها للإمام'' (ساری زمین امام کے لیے ہے) کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔[1] جس میں مذکور ہے کہ ابو بصیر سے مروی ہے، وہ ابوعبداللہ سے بیان کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''کیا تجھے علم نہیں کہ دنیا و آخرت امام کے لیے ہے۔ وہ جہاں چاہے انھیں رکھ دے اور جس کو چاہے دے دے، یہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز ہے...۔''[2]

کیا اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربوبیت میں شرک نہیں؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ [البقرة: ۱۰۷]

''کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ ہی ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے؟''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ [المائدة: ۱۸]

''اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

نیز اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِيْهِنَّ﴾ [المائدة: ۱۲۰]

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي (۱/ ۴۰۷۔ ۴۰۱)

[2] المصدر السابق (۱/ ۴۰۹)

''اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان میں ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَكُنۡ لَّهٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ﴾ [الفرقان: ٢]

''وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ کبھی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک رہا ہے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَالۡاُوۡلٰی﴾ [النجم: ٢٥]

''سو اللہ ہی کے لیے پچھلا اور پہلا جہان ہے۔''

جس طرح فرمایا:

﴿ قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ قُلِ اللّٰهُ﴾ [سبأ: ٢٤]

''کہہ تمھیں آسمانوں اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ کہہ دے اللہ۔''

نیز فرمایا:

﴿ هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰهِ یَرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ [الفاطر: ٣]

''کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے، جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟''

مزید فرمایا:

﴿ فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَ اعۡبُدُوۡهُ وَ اشۡكُرُوۡا لَهٗ﴾ [العنكبوت: ١٧]

''سو تم اللہ کے ہاں ہی رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر کرو۔''

لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ملک، رزق اور تدبیر میں یکتا اور اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

اب یہ ٹولہ ایسی چیز کا دعویٰ کس طرح کر رہا ہے، جس پر کوئی انسان قادر ہی نہیں اور ائمہ کو ان صفات سے نواز رہا ہے، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت کے تقاضوں میں سے ہیں، ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں، جو ان کے شیاطین انھیں لکھواتے ہیں اور ان کے زنادقہ زیبِ قرطاس کرتے ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے ائمہ کو اللہ کی ملکیت، علم اور اس کے حقوق اور صفات دیتے ہیں اور

کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، یا یہ کہتے ہیں کہ ''یہ اس کے لیے اللہ کی طرف سے جائز ہے۔'' یہ الحاد کی پردہ پوشی اور ان کے شیطانوں کی طرف سے ائمہ کو خدا کا درجہ دینے اور انھیں صفاتِ ربوبیت سے نوازنے کے خطرناک ہدف کو چھپانے کے سوا اور کچھ نہیں۔

تیسری بحث

کائنات کے حوادث کو ائمہ کی طرف منسوب کرنا

اس کائنات میں جو بھی ہوتا ہے، وہ سب اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے ساتھ ہے، جس میں کوئی شریک نہیں، لیکن اثنا عشریہ کی کتابوں میں اس سلسلے میں بڑی تعجب خیز باتیں منقول ہیں، جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس میں ان کے ائمہ کا حکم بھی چلتا ہے۔ ایک روایت کہتی ہے:

''سماعہ بن مہران سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں ابوعبداللہ کے پاس تھا کہ آسمان میں گرج چمک ہونے لگی، تو ابوعبداللہ نے کہا: یہ جو گرج اور چمک ہے، یہ تمھارے صاحب کے حکم سے ہے۔ میں نے کہا: ہمارا صاحب کون ہے؟ اس نے کہا: امیر المومنین۔''[1]

یعنی جتنی بھی گرج اور چمک ہوتی ہے، وہ اللہ واحد قہار کے حکم سے نہیں، بلکہ علی (رضی اللہ عنہ) کے حکم سے ہوتی ہے! ایک انصاف پسند مسلمان اس روایت سے کیا اخذ کر سکتا ہے، جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ [الرعد: ۱۲]

''وہی ہے جو تمھیں بجلی دکھاتا ہے، ڈرانے اور امید دلانے کے لیے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔''

کیا یہ سبائی فتنہ نہیں، جو اپنے مکروہ چہرے کے ساتھ اثنا عشریہ کی کتابوں کے ذریعے رونما ہو رہا ہے؟ کیا یہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی ربوبیت کا دعویٰ، یہ ربوبیت میں شرک نہیں؟ مجلسی اور اس سے پہلے مفید کے قلم نے اس کہانی کے لکھنے کو جعفر کی طرف منسوب کرنے کی کیسے جرأت کی ہے؟ ان جیسوں پر تو یہ الحاد مخفی نہیں ہونا چاہیے تھا، اس پر ایمان رکھنے والا اور اس کی دعوت دینے والا ہر شخص زندیق اور ملحد ہے۔

اس قوم پر تعجب ہے، یہ اپنا دین ایسی کتابوں سے لیتے ہیں، جو اس تلچھٹ اور ان فضولیات پر مشتمل ہیں اور ان علما کی تعظیم کے کورنش بجا لاتے ہیں، جو سرعام اس مصیبت کا پرچار کرتے ہیں۔ کیا اس گروہ میں کوئی بھی صاحبِ عقل و دین نہیں، جو اس منتشر گمراہی اور کھلم کھلے کفر کے خلاف آواز بلند کرے؟ اہلِ بیت اَطہار کو اس

[1] المفيد: الاختصاص (ص: ٣٢٧) بحار الأنوار (٢٧/ ٣٣) البرهان (٢/ ٤٨٢)

مہلک گندگی سے پاک کرے اور دولتِ صفویہ کے علما نے شیعیت کی چادر کو جس کفر اور ضلالت سے گندا کر دیا ہے، اس کو صاف کر دے؟

یا یہ بات ہے کہ ہر سچی آواز کو فوراً قتل کر دیا جاتا ہے، جس طرح انھوں نے کسروی کے ساتھ کیا، یا ایسے ہر قول کو تقیے پر محمول کر دیا جائے، جس طرح انھوں نے اپنی بہت ساری روایات اور اپنے علما کے متعدد اقوال کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے؟ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ مذہب نورِ حق کی طرف لوٹنے کی راہ کھو کر کسی بند گلی میں پہنچ گیا ہے؟

میرا خیال ہے کہ یہ کم عقل پیروکار بالکل نہیں سمجھتے کہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور اسلام ہے، کیوں کہ اہلِ سنت اور شیعہ کے چند فرقوں نے انھیں یہ فریب دیا ہے کہ دونوں مذہبوں میں بعض فروعی مسائل کے علاوہ کوئی فرق نہیں۔ اس عام اور بہت بڑے وہم کے ساتھ انھوں نے ان کے سامنے غور وفکر اور بحث وتحقیق کے دروازے بند کر دیے ہیں۔[1]

یہ کہتے ہیں کہ بادل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تابع فرمان سواری ہے، وہ جیسے چاہیں اسے چلاتے ہیں۔ شیعہ کی ایک روایت میں ہے:

''جس بادل میں بھی گرج چمک اور بجلی ہوتی ہے، تمھارا صاحب اس پر سوار ہوتا ہے۔ وہ بادل پر سوار ہو کر راستوں پر چڑھ جائے گا، یعنی آسمانوں اور سات زمینوں کے راستوں پر، جن میں ۵ آباد اور ۲ بے آباد ہیں۔''[2]

گویا یہ بات کہہ کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی ہی بادلوں کو چلاتے ہیں، اس طرح یہ لوگ اس فرمانِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں:

﴿ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾ [الأعراف: ٥٧]

''یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل اٹھاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف ہانکتے ہیں، پھر اس سے پانی اتارتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ [الروم: ٤٨]

---

[1] دیکھیں: فكرة التقريب بين أهل السنة والشيعة.

[2] الاختصاص (ص: ١٩٩، ٣٢٧) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٢٧/ ٣٢)

''اللہ وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں، پھر وہ اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے جیسے چاہتا ہے۔''

بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ اثنا عشریہ کا یہ قول کہ ''حضرت علی بادل پر سوار ہوتے ہیں۔'' سبائی مذہب کا تسلسل ہی ہے، جس کے مطابق ''حضرت علی بادل میں آتے ہیں، گرج ان کی آواز ہے اور بجلی ان کا تبسم۔''[1]

مجلسی آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ایک طویل روایت نقل کرتا ہے[2]، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مطلق طاقتیں مقرر کرتی ہے، وہ اپنے اصحاب کو آسمانوں اور زمینوں کی دنیا میں لے جاتے ہیں اور ان کے سامنے انبیا کے معجزوں سے بڑے معجزے پیش کرتے ہیں، ایسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں، جن کو بجلی کے ایک ہی جھٹکے کے ساتھ ہلاک کر دیتے ہی اور تعلی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں زمین و آسمان کی بادشاہت سے ایسی چیزوں کا مالک ہوں، جن کے کچھ حصے کا علم بھی تم برداشت نہیں کر سکتے...۔

مجلسی اپنی اس حدیث میں کہتا ہے کہ حضرت علی نے دو بدلیوں کو اشارہ کیا تو دونوں میں سے ہر ایک بدلی بچھی ہوئی چٹائی میں تبدیل ہوگئی۔ حضرت علی اکیلے ایک بدلی پر بیٹھ گئے اور ان کے بعض دوست جیسے سلمان اور مقداد وغیرہ دوسری بدلی پر بیٹھ گئے۔ علی بدلی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ کہا:

''میں اللہ کی زمین میں اس کی آنکھ ہوں۔ میں اللہ کی مخلوق میں اس کی بولنے والی زبان ہوں۔ میں اللہ کا نہ بجھنے والا نور ہوں۔ میں اللہ کا دروازہ ہوں، جس سے اس کے پاس آیا جاتا ہے اور میں اس کے بندوں پر اس کی حجت ہوں۔''[3]

یہ طویل قصہ اسی عجیب وغریب بیانیے میں چلتا جاتا ہے۔ اصحابِ علی، ان سے انبیا کے معجزات کے متعلق پوچھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں:

''میں تم کو اس سے بڑا معجزہ دکھاتا ہوں، حتی کہ کہا: اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا اور مخلوق پیدا کی، میں زمین و آسمان کی بادشاہت سے ایسی چیزوں کا مالک ہوں، اگر تم اس کا کچھ حصہ بھی جان جاؤ تو تمھارے دل اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔

''اللہ کا اسم اعظم ۷۲ حروف پر مشتمل ہے۔ آصف بن برخیا کے پاس ان میں سے صرف ایک حرف

---

[1] الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٧٤)

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٧/ ٣٣۔ ٤٠)

[3] المصدر السابق (٢٧/ ٣٤)

تھا، اس نے اس کے ساتھ کلام لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اور بلقیس کے تخت کے درمیان زمین کو دھنسا دیا، حتی کہ اس نے وہ پلنگ پکڑ لیا، پھر زمین آنکھ جھپکنے سے بھی جلدی اس حالت میں واپس ہوگئی اور خدا کی قسم! ہمارے پاس اس میں سے ۷۲ حروف ہیں، صرف ایک حرف اللہ کے پاس ہے، جس کو اس نے غیب کے علم میں رکھا ہوا ہے۔'' [1]

پھر یہ کہانی بیان کرتی ہے کہ وہ عجیب وغریب دنیاؤں کے پاس سے گزرے تو انھوں نے انبیا کی زیارت کی۔ ایک نبی نے جب امیر المومنین کو دیکھا تو وہ رونے لگ پڑا۔ جب اس سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو اس نے کہا:

''امیر المومنین ہر صبح میرے پاس سے گزرتے تو بیٹھتے تھے، ان کی طرف دیکھنے کی وجہ سے میری عبادت زیادہ ہوجاتی۔ دس دن سے یہ سلسلہ منقطع ہے، جس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔'' [2]

یہ قصہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

''علی (رضی اللہ عنہ) اپنے اصحاب سے کہا کرتے تھے: اپنی آنکھیں بند کرو، تو وہ انھیں ایسے شہر میں لے جاتے، جس کے بازار سلامت اور موجود تھے اور وہاں کے رہنے والے کھجوروں سے زیادہ لمبے تھے۔ وہ کہتے کہ یہ قومِ عاد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، پھر وہ ان پر بجلی گراتے تو بجلی کی کڑک چمک ان کو ہلاک کر دیتی۔'' [3]

یہ قصہ ایسے ہی چلتا کہ پھر وہ بادل پر بیٹھ کر واپس آجاتے ہیں اور پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں وہ امیر المومنین کے گھر پر اترتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''جب ہم شہر پہنچے تو ظہر کا وقت تھا اور موذن اذان دے رہا تھا، جب سورج چڑھ گیا، تب ہمارا وہاں سے نکلنا ہوا۔'' [4]

''امیر المومنین نے کہا: میرے پاس جو اسم اعظم ہے، اس کے ساتھ اگر میں چاہوں تو ساری دنیا اور ساتوں آسمان آنکھ جھپکنے سے بھی کم وقت میں گھوم کر آجاؤں۔ ہم نے کہا: اے امیر المومنین! آپ

---

[1] المصدر السابق (۲۷/ ۳۷)

[2] حوالہ سابقہ۔

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (۲۷/ ۳۹)

[4] المصدر السابق (۲۷/ ٤۰)

تو، خدا کی قسم! بہت بڑی آیت اور خیرہ کن معجزہ ہیں۔''[1]

اس طویل روایت میں جو ساری مصیبتیں ہیں، شیعہ کے عالم مجلسی کو بالکل جرأت نہیں ہوئی کہ اس کو رد کر سکے، حالاں کہ اس نے کہا ہے:

''ہم نے اس روایت کو اپنے پاس موجود اصل مصادر میں نہیں دیکھا۔''[2]

بلکہ اس نے یہ کہا ہے:

''ہم اس کو رد نہیں کرتے، بلکہ اس کا علم ان (ائمہ علیہم السلام) کی طرف لوٹاتے ہیں۔''[3]

اس روایت اور عبارت کو دیکھیے! جو ان کی معتبر کتابوں میں موجود ہی نہیں اور ناقابلِ تصور غلو پر مشتمل ہے، اس کے باوجود اس نے اسے رد کرنے کی جسارت نہیں کی، تو ان روایات کا کیا حال ہوگا، جو ان کی بنیادی کتابوں میں موجود اور ثابت ہیں۔ انھیں تو یہ لوگ بالاولیٰ قبول کرتے ہیں۔

---

[1] حوالہ سابقہ.

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٤٠)

[3] حوالہ سابقہ.

چوتھی بحث

جزوِ الٰہی جو ائمہ میں حلول کر گیا

شیعہ کے ہاں ایسی روایات بھی منقول ہیں، جو یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ نورِ الٰہی کا ایک حصہ علی (رضی اللہ عنہ) میں اتر گیا ہے۔ چناں چہ ابو عبداللہ نے کہا:

''پھر ہم نے اس کو دائیں ہاتھ سے چھوا تو اس نے اپنا نور ہم میں داخل کر دیا...[1] لیکن اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ساتھ ہمیں ملا لیا۔''[2]

یہ جزو الٰہی، جو ان کے بہ قول، ائمہ میں ہے، اس کی وجہ سے ان کو مطلق طاقتیں ودیعت کی گئیں، اس لیے جس کو انھوں نے معجزاتِ ائمہ کا نام دیا ہے، جو سیکڑوں روایات پر مشتمل ہیں، ان کو پڑھنے والا یہ ملاحظہ کرے گا کہ ائمہ زندہ کرنے، مارنے، پیدا کرنے اور روزی دینے میں رب العالمین کی طرح ہیں[3]، جو ان کے الزامات سے کہیں زیادہ بلند اور مقدس ہے۔

البتہ ان کی روایات فریب دیتے ہوئے اور توریہ کرتے ہوئے ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کے ساتھ مربوط کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ حضرت علی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ کافی میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''امیر المومنین کا بنی مخزوم کے ساتھ ننھیالی رشتہ تھا، ان کے پاس ایک مخزومی نوجوان آیا اور کہنے

---

[1] أصول الكافي (١/ ٤٤٠) نیز دیکھیں: المصدر السابق (١/ ٤٤١۔ ٤٤٢)

[2] المصدر السابق (١/ ٤٣٥)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار، باب جوامع معجزاته (٤٢/ ١٧۔ ٥٠) اس باب میں ١٧ روایات ہیں۔ نیز اسی کتاب میں دیکھیں: باب ما ورد من غرائب معجزاته (٤٢/ ٥٠۔ ٥٦) حتی کہ انھوں نے ان کی قبر کے بھی ایسے معجزات بنا دیے ہیں، جن پر اللہ رب العباد کے سوا کوئی قادر نہیں۔ اس موضوع کے لیے صاحبِ بحار نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ''ما ظهر عند الضريح المقدس من المعجزات والكرامات [مقدس قبر کے نزدیک ظاہر ہونے والے معجزات اور کرامات کا باب] (٤٢/ ٣١١۔ ٣٣٩) ان کے بارہ اماموں میں سے ہر کوئی اسی طرح ہے۔ حسین ان تمام ائمہ سے اس حیثیت سے فوقیت رکھتے ہیں کہ انھوں نے ان کی قبر کی مٹی میں رزق، شفا اور عافیت دینے کی خدائی قدرت کی طرح کی تاثیر بنا دی ہے۔

لگے: ماموں جان! میرا بھائی فوت ہوگیا ہے، مجھے اس کا بہت زیادہ دکھ ہے۔ وہ کہتا ہے: انھوں نے کہا: کیا تم اس کو دیکھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! انھوں نے کہا: مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ وہ کہتا ہے: وہ رسول اللہ(ﷺ) کی چادر کا تہبند باندھ کر نکلے۔ جب وہ قبر پر پہنچے تو آپ کے ہونٹوں نے حرکت کی، پھر انھوں نے اس کی قبر کو اپنی ٹانگ سے ٹھوکر ماری۔ وہ قبر سے باہر نکل آیا اور فارسی زبان میں بولنے لگا۔ امیر المومنین نے اس سے کہا: کیا تم جب مرے تو عربی نہیں تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں، میں عربی ہی تھا، لیکن ہم فلاں فلاں (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی سنت پر مرے تو ہماری زبانیں بدل گئیں۔''[1]

بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، ان کے زعم کے مطابق، جبانہ قبرستان کے تمام مُردوں کو زندہ کر دیا[2] اور پتھر کو مارا تو اس سے سو اونٹنیاں نکل آئیں۔[3]

سلمان نے کہا، جس طرح یہ جھوٹ بولتے ہیں،:

''اگر ابو الحسن اللہ تعالیٰ کو قسم دے دیں کہ وہ پہلے اور آخری تمام لوگوں کو زندہ کر دے تو وہ ان کو زندہ کر دے گا۔''[4]

بلاشبہہ انھوں نے بت پرست مذاہب کی باقیات سے اپنے مَن کو اس غلو سے سیراب کیا ہے، جو اپنے اَصنام اور معبودات کے متعلق خدائی افعال کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس نظریے کے باطل ہونے کے لیے اس کی تصویر کشی کر دینا ہی کافی ہے، کیوں کہ یہ عقل و نقل اور سنن کونیہ کے خلاف اور ائمہ کا اقرار اور واقعاتی صورتِ حال بھی اس کو پاش پاش اور منہدم کرتی ہے۔ رسولِ ہدایت حضرت محمد ﷺ تک، اپنے رب کے حکم سے، یہ کہتے ہیں:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ [الأعراف: ١٨٨]

''کہہ دے میں اپنی جان کے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہوں اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو اللہ چاہے۔''

طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ شیعہ کی کتابیں بھی ائمہ کی تعظیم اور ان میں غلو کے باوجود ایسی باتیں نقل کرتی ہیں،

[1] أصول الكافي (١/ ٤٥٧) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٤١/ ١٩٢) بصائر الدرجات (ص: ٧٦)

[2] بحار الأنوار (٤١/ ١٩٤) اس نے یہ روایت ''الخرائج والجرائح'' کی طرف منسوب کی ہے، لیکن اس کتاب کے مطبوعہ نسخے میں یہ روایت نہیں ہے۔

[3] المصدر السابق (٤١/ ١٩٨) اس نے یہ روایت ''الخرائج والجرائح'' کی طرف منسوب کی ہے، لیکن اس کتاب کے مطبوعہ نسخے میں یہ روایت نہیں ہے۔

[4] المصدر السابق (٤١/ ٢٠١) الخرائج والجرائح (ص: ٨٢)

جو اس نظریے کی مخالفت کرتی ہیں، جس طرح حسبِ عادت اپنے نقل کردہ ہر باطل اور جھوٹ میں تناقض ثابت کرنا ان کا وتیرہ ہے۔ لہٰذا دیکھیے کہ "رجال الكشي" میں مذکور ہے کہ جعفر بن محمد نے کہا:

''خدا کی قسم! ہم اللہ کے غلاموں کے سوا اور کچھ نہیں، جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں چنا۔ ہم کسی نفع اور نقصان کی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر وہ ہم پر رحم کرے تو یہ اس کی رحمت کے ساتھ ہوگا اور اگر وہ ہمیں عذاب دے تو یہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہوگا۔ خدا کی قسم! ہمارے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت ہے نہ ہمیں اللہ کی طرف سے کوئی براءت ہی حاصل ہے۔ ہم مرنے والے ہیں۔ ہمیں قبر میں داخل کر دیا جائے گا۔ ہم اٹھائیں جائیں گے، کھڑے کیے جائیں گے اور ہم سے پوچھا جائے گا۔ ان کے لیے ہلاکت ہو، ان کو کیا ہے، اللہ ان پر لعنت کرے! انھوں نے اللہ کو، اس کے رسول کو قبر میں اور امیر المومنین، فاطمہ، حسن وحسین، علی بن حسین اور محمد بن علی کو تکلیف دی ہے۔ میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں ایک آدمی ہوں، مجھے رسول اللہ ﷺ نے جنا۔ میرے ساتھ اللہ کی طرف سے کوئی براءت نہیں۔ اگر میں اس کی اطاعت کروں گا، تو وہ مجھ پر رحم کرے گا اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے سخت عذاب دے گا۔''[1]

لیکن شیعہ علما ان جیسے اقرارات کو تقیے کے باب میں شمار کرتے ہیں،[2] لہٰذا انھوں نے اپنی قوم کو سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا ہے اور شیعہ کا مذہب ان کے علما کا مذہب بن کر رہ گیا ہے نہ کہ ان کے ائمہ کا۔

یہ عقیدہ جس کے مَیں نے بعض شواہد پیش کیے ہیں، یہ ان کے بعض علما کے ہاں اس قدر ارتقا پذیر اور وسیع ہو چکا ہے کہ یہ ''وحدۃ الوجود''[3] کے نظریے میں سمٹ چکا ہے، جس کو انھوں نے توحید کا سب سے اعلیٰ مقام قرار دیا ہے۔ یہ شیعہ کے عالم نراقی[4] کے ہاں توحید کی غایت اور انتہا ہے۔

ایسے ہی شیعہ کا عالم کاشانی، وافی کا مصنف، جو ان کے متاخر اصولِ اربعہ میں سے ایک کتاب ہے، وحدۃ الوجود کے عقیدے کا قائل تھا۔ اس نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں اس نے ابن عربی کا

---

[1] رجال الكشي (ص: ٢٢٥۔ ٢٦)

[2] دیکھیں: صفحہ نمبر (۱۷۱) نیز اسی کتاب میں تقیے کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[3] اس کی حقیقت یہ ہے کہ کائنات کا وجود عین اللہ کا وجود ہے۔ دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١/ ١٤٠)

[4] مہدی بن ابو ذر کاشانی نراقی (المتوفی ۱۲۰۹ھ) دیکھیں: الذريعة (٥/ ٥٨) اس کے الفاظ اس کی کتاب "جامع السعادات" (ص: ١٣٢۔ ١٣٣) میں ملاحظہ کریں۔

مذہب اپنایا ہے اور اس کو ''بعض عارفوں'' کے لفظ سے یاد کیا ہے۔[1]

انتہا پسندانہ صوفیانہ رجحان اثنا عشری مذہب کے ڈھانچے میں بھی بڑی دور تک سرایت کر چکا ہے اور اس نے ان کے مذہب کے متاخر اساطینِ علم کی عقلوں میں گھونسلے بنا لیے ہیں۔ صوفیوں کے غلو پر مبنی اَفکار اور شیعہ کے انتہا پسندانہ عقائد کے درمیان گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔[2]

---

[1] لؤلؤة البحرين (ص: ١٢١)

[2] اس کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: الصلة بين التصوف والتشيع: مصطفىٰ كامل الشيبي. نیز اس مولف کی کتاب: "الفكر الشيعي والنزعات الصوفية۔ الفكر الصوفي عبد الرحمن الخالق (ص: ٣٨٩) اس حقیقت نے ایک اثنا عشری متعصب شیعہ عالم ہاشم معروف حسینی کو برہم کر دیا اور اس نے "بين التصوف والتشيع" نامی کتاب لکھ کر شیبی کا رد لکھا۔

پانچویں بحث

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ دن اور رات کو نفع و نقصان پہنچانے میں اثر انداز ہوتے ہیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾ [النحل: ٥٣]

''اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف تم گڑ گڑاتے ہو۔''

لہٰذا نفع اور نقصان صرف اکیلے اللہ کی طرف سے ہے۔ ستارے اور دن رات وغیرہ کی اس میں کوئی اثر اندازی نہیں، لیکن شیعہ بعض دنوں کو منحوس قرار دے کر، جن میں کام نہیں کرنے چاہییں، اس حقیقت کی مخالفت کرتے ہیں۔ ابو عبداللہ نے کہا:

''جمعہ کے دن اپنی حاجت کے لیے نہ نکلو، ہفتے کے دن جب سورج طلوع ہو جائے تب اپنے کام کے لیے نکلو۔''[1]

نیز اس نے کہا: ''ہفتہ ہمارے لیے ہے اور اتوار بنو اُمیہ کے لیے۔''[2]

اس نے مزید کہا:

''سوموار سے بڑھ کر کون سا دن زیادہ منحوس ہو سکتا ہے! سوموار کے دن نہ نکلو، بلکہ منگل کے دن نکلو۔''[3]

---

[1] من لا یحضره الفقیه (١/ ٩٥) وسائل الشیعة (٨/ ٢٥٣)

[2] من لا یحضره الفقیه (٢/ ٣٤٢) وسائل الشیعة (٨/ ٢٥٣)

[3] من لا یحضره الفقیه (١/ ٩٥) الروضة (ص: ٣١٤) المحاسن (ص: ٣٤٧) وسائل الشیعة (٨/ ٢٥٤) نیز دیکھیں: الخصال (٢/ ٢٦)

ابوعبداللہ نے کہا: ''سوموار کے دن سفر کر نہ اس دن اپنا کوئی کام کر۔''[1]

نیز اس نے کہا: ''مہینے کا آخری بدھ مستقل نحوست والا ہے۔''[2]

امیر المومنین علی نے کہا، جس طرح یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں،:

''ہفتے کا دن مکاری اور دھوکے کا دن ہے۔ اتوار کا دن بونے اور تعمیر کرنے کا دن ہے۔ سوموار کا دن سفر کرنے اور اپنے کام کرنے کا دن ہے۔ منگل کا دن جنگ اور خون کا دن ہے۔ بدھ کا دن منحوس ہے، اس دن میں لوگ بدفالی لیتے ہیں۔ جمعرات کا دن امرا کے پاس آنے اور کام کروانے کا دن ہے اور جمعہ کا دن نکاح اور منگنی کا دن ہے۔''[3]

ان کی اس مفہوم کی اور بھی کئی روایات ہیں۔[4] ان روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمعہ، اتوار، سوموار اور بدھ کے دنوں کی ذاتی نحوست ہے، لہٰذا ان دنوں میں کام نہیں کرنے چاہییں، لیکن یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ آخری روایت نے سوموار کے دن کو سفر اور طلبِ حاجت کا دن قرار دیا ہے، حالاں کہ یہ بات گذشتہ روایت کے مخالف ہے، اس لیے شیعہ کے عالم حر عاملی نے اس کو تقیے پر محمول کیا ہے۔[5]

ان روایات کی بنا پر یہ چاروں دن منحوس ہیں، اس لیے ایک شیعہ کے پاس ایک ہفتے میں کام کرنے کے لیے صرف تین دن بچتے ہیں۔

یہ تطیر[6] (فال لینا) کی ایک قسم ہے، جس کا مطلب ہے بعض دنوں، پرندوں، ناموں، الفاظ اور علاقوں

---

[1] المحاسن (ص: ٣٤٦) وسائل الشيعة (٨/ ٢٥٥)

[2] الخصال (٢/ ٢٧) وسائل الشيعة (٨/ ٢٥٧)

[3] علل الشرائع (ص: ١٩٩) الخصال (٢/ ٢٨) عيون الأخبار (ص: ١٣٧) وسائل الشيعة (٨/ ٢٥٨)

[4] اس قسم کی روایات کو علمائے اہلِ سنت نے موضوع احادیث پر مشتمل اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: ابن الجوزي: الموضوعات (ص: ٧١۔ ٧٤) ابن عراق: تنزيه الشريعة المرفوعة (٢/ ٥٣۔ ٥٦) الشوكاني: الفوائد المجموعة (ص: ٤٣٧۔ ٤٣٨)

[5] وسائل الشيعة (٨/ ٢٥٨)

[6] تطیر کی حقیقت یہ ہے کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں پرندے پر اعتماد کرتے، جب ان میں سے کوئی کسی کام کے لیے نکلتا اور دیکھتا کہ کوئی پرندہ دائیں جانب اڑا ہے تو اس کام کو بابرکت سمجھتا اور اسے جاری رکھتا اور اگر دیکھتا کہ وہ بائیں جانب اڑ گیا ہے، تو اس سے نحوست پکڑتا اور واپس آ جاتا۔
بعض اوقات کوئی آدمی پرندے کو اڑنے کے لیے اُکساتا اور اس پر اعتماد کرتا، اس کو وہ ''سانح'' اور ''بارح'' کا نام دیتے تھے۔ سانح اس کو کہتے، جس کی دائیں جانب اڑانے والے کی طرف ہوتی، یعنی وہ اڑانے والے کی بائیں جانب ہوتا اور ←

وغیرہ سے نحوست پکڑنا۔ یہ جاہلانہ اور مشرکانہ رسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے اور ان پر اپنے غصے کا اظہار کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فال لینے سے منع کیا ہے اور اس کو شرک اور جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت میں غیر موثر قرار دیا ہے۔ درحقیقت یہ شیطان کا دلوں میں وسوسہ ڈالنا اور لوگوں کو ڈرانا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٣١]

''سن لو! ان کی نحوست تو اللہ ہی کے پاس ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔''

علی بن ابی طلحہ رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:

''ان کے مصائب اللہ کے ہاں ہیں، لیکن ان کے اکثر جانتے نہیں۔''

ابن جریج رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں:

''انھوں نے کہا: ﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ کی طرف سے ہیں۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

«اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ»[2]

''طیرۃ شرک ہے، طیرۃ شرک ہے، طیرۃ شرک ہے۔''

یہ حدیث طیرۃ (فال نکالنا) کی حرمت اور شرک ہونے پر صراحتاً دلالت کرتی ہے، کیوں کہ اس میں دل غیر اللہ کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔[3]

← بارح اس کے عکس۔ وہ لوگ سانح سے برکت لیتے اور بارح سے نحوست۔ (فتح الباري: ١٠/ ٢١٢۔ ٢١٣، دیکھیں: لسان العرب: ٤/ ٥١٢) بعض اہل علم ''طیرۃ'' اور ''تطیر'' میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''تطیر'' دل میں پیدا ہونے والی بدگمانی کا نام ہے اور ''طیرۃ'' اس بُرے گمان کے نتیجے میں سرزد ہونے والا فعل ہے۔ صاحبِ عون المعبود نے یہ وضاحت عز الدین بن عبدالسلام کی طرف منسوب کی ہے۔ (عون المعبود: ١٠/ ٤٠٦)

[1] تفسير ابن كثير (٢/ ٢٥٧)

[2] سنن أبي داود: كتاب الطب، باب في الطيرة (٤/ ٢٣٠) رقم الحديث (٣٩١٠) سنن الترمذي: كتاب السير، باب ما جاء في الطيرة (٤/ ١٦٠۔ ١٦١) رقم الحديث (١٦١٤) وقال: هذا حديث حسن صحيح. سنن ابن ماجه: كتاب الطب، باب من كان يعجبه الفأل ويكره الطيرة (٢/ ١١٧٠) رقم الحديث (٣٥٣٨) صحيح ابن حبان في صحيحه، موارد الظمآن، رقم الحديث (١٤٢٧)

[3] فتح المجيد (ص: ٣٦١)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کو ان کے اس اعتقاد کی بنا پر شرک قرار دیا گیا ہے کہ یہ نفع لاتا ہے اور نقصان دور کرتا ہے، گویا انھوں نے اسے اللہ کے ساتھ شریک کیا ہے۔''[1]

یہ وقت ضائع کرنے، کاموں کو موخر کرنے اور دلوں کو خالق اور پروردگارِ عالم سے پھیر کر نفع ونقصان دینے سے عاری مخلوقات کی طرف لگانے کی باطل دعوت ہے۔ تاہم بات یہ ہے کہ شیعہ میں تقریباً جو بھی شذوذ اور انحراف پایا جاتا ہے، ان کی اپنی روایات میں ایسی باتیں منقول ہوتی ہیں، جو اس کو باطل قرار دیتی ہیں، چناں چہ شیعہ کی روایات میں اس دعوے کے خلاف بھی باتیں منقول ہیں اور سب سے زیادہ موثر چیز جو ہوسکتی ہے، وہ حریف کا خود اپنے کلام کی مخالفت کرنا ہے۔ شیعہ کی کتابیں روایت کرتی ہیں کہ ابوعبداللہ نے کہا: ''کوئی طیرہ نہیں۔''[2]

نیز اس نے کہا: ''طیرہ کا کفارہ توکل ہے۔''[3]

ابوالحسن ثانی نے کہا:

''جو اہلِ طیرہ کے خلاف بدھ کے دن نکلا، وہ ہر آفت اور ہر بیماری سے بچا لیا جائے گا اور اللہ اس کا کام مکمل کر دیں گے۔''[4]

ان کے ہاں یہ بھی منقول ہے: ''جب تم نحوست پکڑو تو پھر چلو۔''[5]

''بحار الأنوار'' وغیرہ میں مروی ہے:

''حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال پسند کرتے اور بدفالی اور بدشگونی نہ پسند کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ کوئی کام کرنے سے کراہت محسوس کر رہا ہے اور اس سے بدشگونی لے رہا ہے، تو اس سے کہتے کہ وہ یہ پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ لَا يُؤْتِي الْخَيْرَ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»[6]

''اے اللہ! تمھارے سوا کوئی خیر دے سکتا ہے نہ برائیوں سے دور رکھ سکتا ہے۔ نیکی کرنے کی طاقت

---

[1] فتح الباري (١٠/ ٢١٣) نیز دیکھیں: ابن منظور: لسان العرب (٤/ ٥١٣)

[2] روضة الكافي (ص: ١٩٦) وسائل الشيعة (٨/ ٢٦٢)

[3] روضة الكافي (ص: ١٩٨) وسائل الشيعة (٨/ ٢٦٢)

[4] من لا يحضره الفقيه (١/ ٩٥) الخصال (٢/ ٢٧)

[5] تحفة العقول (ص: ٥٠، ط: ٢)

[6] بحار الأنوار (٩٥/ ٢-٣) الطبرسي: مكارم الأخلاق (ص: ٤٠٣)

اور بدی سے بچنے کی قوت تیرے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں۔''

یہ تناقض ہے اور تناقض اس مذہب کے باطل ہونے کی علامت ہے، لیکن تقیے کا قاعدہ اور عامہ (اہلِ سنت) کی مخالفت نے ان جیسی روایات اور نصوص سے فائدے اٹھانے سے محروم کر دیا ہے، اس لیے آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ شیعہ کے عالم حر عاملی نے اپنی اس حدیث کو، جو کہتی ہے کہ سوموار کا دن سفر اور طلبِ حاجت کا دن ہے، تقیے پر محمول کیا ہے۔

تیسری فصل

اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات کے متعلق شیعہ کا عقیدہ

اس فصل میں شیعہ کی چار گمراہیاں ذکر ہوں گی:

پہلی گمراہی: اِثبات میں غلو کی گمراہی (جسے تجسیم کہا جاتا ہے)۔

دوسری گمراہی: اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات میں شیعہ کی تعطیل۔

تیسری گمراہی: ائمہ کو اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات کے ساتھ متصف کرنا۔

چوتھی گمراہی: اسما وصفات کی تعطیل کے عقیدے کی وجہ سے آیات کی تحریف۔

میں ۔ان شاء اللہ۔ ان چاروں مسائل کا جائزہ پیش کروں گا اور شیعہ کے مصادر سے ان کا مذہب بیان کروں گے۔

پہلی بحث

اِثبات میں غلو کی گمراہی، جسے تجسیم[1] کہا جاتا ہے

تجسیم کی گمراہی یہود میں مشہور اور منتشر تھی،[2] لیکن مسلمانوں میں سب سے پہلے اس گمراہی کا آغاز روافض نے کیا، اس لیے امام رازی نے کہا ہے:

''یہودیوں کی اکثریت مشبہہ (اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ تشبیہ دینے والی) تھی اور اسلام میں تشبیہ کے ظہور کا آغاز ہشام بن حکم، ہشام بن سالم جوالیقی، یونس بن عبدالرحمٰن قمی اور ابوجعفر الاحول جیسے رافضیوں نے کیا۔''[3]

یہ تمام مذکور لوگ وہ ہیں، جن کو اثنا عشریہ اپنے علما کا ہراول دستہ اور اپنے مذہب کے ناقلین میں سے ثقہ شمار کرتے ہیں۔[4]

---

[1] تجسیم کا مطلب ہے کہ مخلوق کے اجسام کی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی اعضا پر مشتمل ایک جسم ہے۔

[2] کتاب اللہ میں یہودیوں کے اس گمراہی میں ملوث ہونے کے دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٣٠] (اور یہودیوں نے کہا عزیز اللہ کا بیٹا ہے) آج یہودیوں کے پاس موجود اور متداول تورات میں بھی اس گمراہی کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف کرتی ہیں: جیسے ''ان دونوں یعنی آدم اور حوا نے رب الٰہ کے چلنے کی آواز سنی۔'' (کتاب: پیدایش، فصل ثالث، آیت: ٨) ایک آیت اس طرح ہے: ''پھر موسیٰ اور ہارون ... اور بنی اسرائیل کے ٧٠ سردار چڑھ گئے۔ انھوں نے اسرائیل کے الٰہ کو دیکھا، جس کے قدموں کے نیچے دربار کی طرح اور آسمان کی طرح شفافیت تھی۔ (کتاب خروج، فصل ٢٤، آیت ٩، ١٠، ١١) اس طرز کی اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں، بلکہ اس سے بھی سخت ہیں۔ ان افتراءات کی مزید مثالیں دیکھنے کے لیے ملاحظہ کیجیے: سفر تکوین، فصل: ٣٢ آیت: ٢٢، سفر تثنیہ، فصل: ٢٤، آیت: ١٠، سفر قضاۃ، فصل: ٦، آیت: ١١، سفر الخروج، فصل: ٢٤، آیت: ٤)

[3] اعتقادات فرق المسلمين والمشركين (ص: ٩٧)

[4] دیکھیں: محسن الأمین: أعیان الشیعة (١/ ١٠٦) یہ لوگ عقائد اور فرقوں کی کتابوں میں اپنے ناموں کی طرف منسوب اپنے علاحدہ علاحدہ فرقے رکھتے ہیں۔ اشعری نے کہا: ''ہشامیہ، ہشام بن حکم کے اصحاب ہیں۔ (مقالات الإسلاميين: ١/ ١٠٦) یونسیہ، یونس بن عبدالرحمٰن قمی کے پیروکار ہیں۔ (المصدر السابق: ١/ ١١٠) اور ہشامیہ، ہشام بن سالم جوالیقی کے اتباع ہیں۔ (المصدر السابق: ١/ ١٠٩) اور یہ تمام رافضیت کی لڑی میں پڑوئے ہوئے ہیں۔ یعنی رافضیت ان تمام میں قدر مشترک ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس جھوٹ کو پھیلانے والے سب سے پہلے شخص کی تعیین کرتے ہوئے کہا ہے:

''اسلام میں سب سے پہلا وہ شخص جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، وہ ہشام بن حَکم ہے۔''[1]

ان سے پہلے امام ابوالحسن اشعری نے ''مقالات الإسلاميين'' میں ذکر کیا ہے کہ اوائل شیعہ مجسمہ (اللہ کا جسم قرار دینے والا فرقہ) تھے، پھر انھوں نے ان کا تجسیم کے بارے میں مذہب بیان کیا اور ان کے اس ضمن میں بعض اقوال نقل کیے، لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے متاخرین میں کچھ لوگ تجسیم کا قول چھوڑ کر تعطیل (اللہ کی صفات معطل کرنا) کے قائل ہو گئے تھے۔[2]

یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شیعہ کا تعطیل کی طرف رجحان بالکل ابتدائی زمانے میں ہو چکا تھا۔ اس کی تعیین کے متعلق اقوال آگے دوسری بحث میں ذکر ہوں گے۔ افکار و عقائد کی کتابوں کے مصنفین نے تشبیہ اور تعطیل کے متعلق ہشام بن حکم اور اس کے پیروکارں کی طرف غلو میں ڈوبے ہوئے ایسے کلمات نقل کیے ہیں، جنھیں سن کر مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عبدالقاہر بغدادی کہتے ہیں:

''ہشام بن حَکم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کا معبود ایک طویل و عریض اور عمیق ایک محدود جسم ہے، جس کی لمبائی اس کی چوڑائی کے برابر ہے۔''[3]

وہ مزید کہتے ہیں:

''ہشام بن سالم جوالیقی تجسیم اور تشبیہ میں انتہائی زیادہ افراط کا شکار ہے، کیوں کہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کا معبود انسان کی صورت پر ہے اور اس کے انسان کی طرح کے حواس خمسہ ہیں۔''[4]

اسی طرح انھوں نے ذکر کیا ہے:

''یونس بن عبدالرحمٰن قمی بھی تشبیہ کے باب میں اِفراط میں مبتلا ہے۔'' پھر انھوں نے اس کے اسی سلسلے میں چند اقوال نقل کیے ہیں۔[5]

امام ابن حزم کہتے ہیں:

---

[1] منهاج السنة (١/ ٢٠)

[2] دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ١٠٦۔ ١٠٩)

[3] الفرق بين الفرق (ص: ٩٥)

[4] المصدر السابق (ص: ٦٨۔ ٦٩)

[5] المصدر السابق (ص: ٧٠)

''ہشام نے کہا: اس کا رب اپنی سات بالشتوں کے برابر ہے۔''[1]

اسفرائینی نے بھی ہشام بن حکم، ہشام جوالیقی اور اس کے پیروکاروں کا تجسیم کے متعلق نظریہ نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

''صاحبِ دانش پہلی نظر ہی میں جان جاتا ہے کہ جس کا یہ نظریہ ہو، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔''[2]

فرق ونظریات کی کتابوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ ہشام بن حکم اور اس کے اَتباع کے تجسیم کے متعلق نظریات پر روشنی ڈالی ہے[3] اور اس کے متعلق بعض معتزلہ اور زیدیہ کی کتابوں نے بھی گفتگو کی ہے۔ معتزلہ میں سے جاحظ نے یہ بات روافض سے نقل کی ہے، اس کا کہنا ہے:

''ان رافضہ نے کلام کیا اور اس کی صورت اور جسم قرار دیا اور ہر اس شخص کو کافر قرار دیا، جس نے تجسیم اور تصویر کے بغیر رؤیت کا قول اختیار ہے۔''[4]

اسی طرح ابن الخیاط[5] اور قاضی عبدالجبار نے بھی کہا ہے۔[6] زیدیہ[7] میں سے ابن المرتضیٰ یمانی نے کہا ہے:

''روافض کی اکثریت، ان کے سوا جن کا معتزلہ کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا، تجسیم کی قائل ہے۔''[8]

لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا یہود کا نظریہ تھا، جو شیعیت میں سرایت کر گیا، کیوں کہ شیعیت ہر اس شخص کے لیے اپنی بانہیں پھیلا دیتی ہے، جو اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف کوئی سازش کرنا چاہتا ہو، چناں چہ سب سے پہلے اس کام کا بیڑا ہشام بن حکم نے اٹھایا۔[9] پھر اس کا اثر ان دوسرے لوگوں

[1] الفصل (٥/٤٠)

[2] التبصير في الدين (ص: ٢٤)

[3] حوالہ جات سابقہ کے ساتھ ساتھ مزید دیکھیں: الملطي: التنبيه والرد (ص: ٢٤) الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٨٤۔ ١٨٧۔ ١١٨) السكسكي: البرهان (ص: ٤١) ابن حجر: لسان الميزان (٦/ ١٩٤) محمود البشبيشي: الفرق الإسلامية (ص: ٥٨) علي مصطفى الغرابي: تاريخ الفرق الإسلامية (ص: ٣٠٠)

[4] دیکھیں: رسالة الجاحظ في بني أمية (ص: ٩٩) ضمن كتاب النزاع والتخاصم فيما بين بني أمية وبني هاشم، المطبعة الإبراهيمية القاهرة ٩٣٧م.

[5] الإنتصار (ص: ١٤)

[6] تثبيت دلائل النبوة (١/ ٢٢٥)

[7] یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ زیدیہ، معتزلہ کے ساتھ عقیدے میں موافقت رکھتے ہیں، اس لیے شہرستانی نے کہا ہے: ''اصول میں وہ قدم بہ قدم معتزلہ کی رائے کے موافق ہیں۔'' (الملل والنحل: ١١/ ١٦٢، المقبلي: العلم الشامخ، ص: ٣١٩)

[8] المنية والأمل (ص: ١٩) نیز دیکھیں: نشوان الحميري: الحور العين (ص: ١٤٨۔ ١٤٩)

[9] ہشام کے قرآنِ کریم میں تحریف کے دعوے کے بارے میں، جس کی بیماری اثنا عشریہ مذہب میں پھیل گئی، تفصیل کے لیے دیکھیں: (ص: ٢٤٠)

تک پھیل گیا، جو عقائد اور نظریات کی کتابوں میں گمراہ اور غالی مذاہب کے سربر آوردہ تھے، جن کے نام کی طرف یہ مذاہب منسوب تھے۔[1] لیکن اثنا عشریہ کے علما ان گمراہیوں کا دفاع کرتے ہیں، جن کے فتنے کی خبر عام ہو چکی اور ان کا شر ہر طرف پھیل چکا ہے، لہٰذا وہ ان کی طرف منسوب ہر شر کی تاویل یا تکذیب کا تکلف کرتے ہیں۔[2] حتی کہ مجلسی نے کہا ہے:

''شاید مخالفین نے ان دونوں (ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم جوالیقی) کی طرف یہ دونوں اقوال (تجسیم اور تصویر کا قول) ان کے ساتھ عناد رکھتے ہوئے منسوب کر دیے ہیں۔''[3]

میں یہاں یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک بعض شیعہ کا اس حقیقت سے انکار کا تعلق ہے تو واضح حقائق کی تکذیب اور کھلے جھوٹوں کی تصدیق ان کا وتیرہ ہے اور جہاں تک ان گمراہیوں کے دفاع کا تعلق ہے تو اس میں بھی کوئی اچنبھے کی بات نہیں، کیوں کہ اصل کو اصل پیاری ہوتی ہے۔ یہ اپنے اصحاب کا دفاع کرتے ہیں، بلکہ ان میں سے چند کمینے اور بدفطرت لوگوں نے آفاق میں گھومنے والی ہر شاذ اور خلافِ حقیقت آواز، ہر تصدیق شدہ گمراہ اور دین سے خارج شخص اور ہر اس شر کا دفاع کرنے میں تخصص کیا ہوا ہے، جو زبان زد خاص و عام ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ لوگ ان لوگوں کی تکفیر اور مذمت کے لیے زبان طعن دراز کرتے ہیں، جن کی اللہ اور اس کے رسول نے تعریف و توصیف کی ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہشام اور اس کے پیروکاروں کے متعلق جو اقوال گزرے ہیں، وہ شیعہ کے حریف کے نقل کردہ ہیں، لہٰذا یہ ان پر حجت نہیں۔ اس کے باوجود کہ ان گمراہیوں کے متعلق یہ تمام حوالہ جات عقائد و نظریات کی کتابوں کے مصنفین کی طرف سے، ان کے مختلف رجحانات کے حامل ہونے کے باوجود، معروف و مشہور ہیں، لیکن یہ لوگ رافضہ سے زیادہ سچے اور نقل کرنے میں زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔

یہ کتابیں ثابت کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں اس بدعت کے پھیلانے میں اصل ہاتھ رافضہ کا ہے۔ تاہم جو شخص شیعہ کا اس سے انکار پڑھتا ہے، اس کے ذہن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ ان کی طرف تجسیم کی نسبت حریف کی طرف سے کی گئی ہے، جس کی شیعہ کی کتابوں سے کوئی دلیل نہیں، لیکن یہ بات خلافِ حقیقت ہے، کیوں کہ ان کی معتبر کتابوں میں ایسی روایات ذکر ہوئی ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شیعہ کے ہشام

---

[1] دیکھیں: صفحہ نمبر (٥٧١) حاشیہ نمبر (٤)

[2] دیکھیں: المجلسي في دفاعه عن هؤلاء في بحار الأنوار (٣/ ٢٩٠ ـ ٢٩٢)

[3] بحار الأنوار (٣/ ٢٨٨)

بن حکم، ہشام بن سالم جوالیقی اور یونس بن عبدالرحمٰن قمی جیسے متکلمین نے قرآن وسنت کی دلالت کے مطابق صفات کا اثبات کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اِثبات اور تجسیم میں غلو کی بدعت بھی ایجاد کی ہے۔

کلینی کی ''اصولِ کافی'' اور ابن بابویہ وغیرہ کی ''توحید'' میں ایسی باتیں منقول ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شیعہ اندھیرے صحرا میں ہاتھ پاؤں مارتے رہے ہیں، کیوں کہ وہ تجسیم کے مسئلے میں اختلاف کی گہرائی میں غرق ہو چکے تھے۔ کوئی کہتا کہ وہ تصویر ہے۔ کوئی کہتا وہ جسم ہے۔ انھوں نے یہ صورتِ حال اپنے امام کے سامنے پیش کی تو اس نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ توحید سے بہت دور ہیں۔

روایت کہتی ہے، جس طرح شیعہ کا صدوق قمی، سہل سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا: میں نے ۲۵۵ھ کو ابو محمد کے نام یہ لکھا:

''اے جناب! توحید کے مسئلے میں ہمارے اصحاب میں اختلاف ہو چکا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ جسم[1] ہے، تو کوئی کہتا ہے کہ وہ صورت ہے۔ اگر آپ بہتر سمجھیں تو مجھے اتنی تعلیم دے دیں، جس سے میں اس پر واقف ہو جاؤں اور اس کو جائز قرار نہ دوں تو آپ اپنے بندہ ناچیز پر احسان کریں گے۔ چناں چہ اس (امام منتظر) نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر یہ جواب دیا کہ تم نے توحید کے بارے میں سوال کیا ہے، یہ تم سے علاحدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے، احد ہے، صمد ہے اس نے کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا، نہ کوئی اس کے برابر ہی ہے۔ وہ خالق ہے، مخلوق نہیں۔ جو اجسام وہ چاہے پیدا کر سکتا ہے اور جو صورت وہ چاہے تخلیق کر سکتا ہے۔ وہ مصوّر (تصویر بنایا گیا) نہیں، اس کی تعریف بلند ہے اور اس کے اسما مقدس ہیں۔ وہ شبیہ سے بلند ہے، اس جیسا کوئی نہیں، وہ سمیع اور بصیر ہے۔''[2]

ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم جوالیقی کا خصوصی طور پر شیعہ کے ہاں تجسیم کے رجحان میں بڑا ظاہر کردار ہے، جس طرح ان کی کئی روایات یہ بات ذکر کرتی ہیں۔ اصولِ کافی وغیرہ میں منقول ہے:

---

[1] لفظِ جسم اور اس طرح کے ایجاد کردہ الفاظ جن کے اِثبات یا نفی کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی بات ذکر نہیں، بہتر یہی ہے کہ ان میں توقف کیا جائے، کیوں کہ کسی لفظ کی نفی یا اثبات اس کی نفی یا اثبات کی دلیل ذکر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا جاتا۔ لیکن جہاں تک معنی کا تعلق ہے، اگر اس سے حق مراد لیا جائے تو وہ بولا جا سکتا ہے، لیکن اگر اس سے باطل معنی مراد لیا جائے تو اسے رد کر دیا جائے اور اگر بولنے والے کا کلام حق اور باطل دونوں پر مشتمل ہو تو تفصیل طلب کرنا اور حق کو باطل سے واضح کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔ دیکھیں: التدمرية (ص: ٦٥) جسم کا لغوی معنی اور مفکرین و متکلمین کی نگاہ میں اس کا مفہوم دیکھنے کے لیے ملاحظہ کیجیے: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١/ ٣١٦۔ ٣١٨)

[2] أصول الكافي (١/ ١٠٣) التوحيد لابن بابويه (ص: ١٠١۔ ١٠٢) بحار الأنوار (٢/ ٢٦١)

''محمد بن فرج رخجی سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو الحسن کو خط لکھ کر اس کے متعلق پوچھا، جو ہشام بن حکم جسم میں اور ہشام بن سالم صورت کے متعلق کہتا ہے، تو اس نے جواب لکھا: حیران کی حیرت کو اپنے سے دور کر دے اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ، کیوں کہ وہ بات نہیں، جو دونوں ہشام کہتے ہیں۔''[1]

ائمہ ان دونوں سے اور ان دونوں کے اقوال سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ جب ایک شیعہ اپنے امام کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا: ''میں ہشام کے قول کا قائل ہوں۔'' تو شیعہ کے امام (ابوالحسن علی بن محمد) نے کہا: تمھارا ہشام کے قول کے ساتھ کیا لینا دینا؟ وہ ہم میں سے نہیں۔ جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے، ہم اس سے دنیا و آخرت دونوں میں بَری ہیں۔''[2]

شیعہ کی بعض روایات ان کے ان بعض اقوال کو بے نقاب کرتی ہیں، جو انھوں نے رب ـ جل شانہ و تقدس اسماؤہ ـ کے بارے میں کہے ہیں۔ شیعہ کا ایک راوی[3] ابوعبداللہ کے سامنے شیعہ کے ایک گروہ کا تجسیم کے متعلق موقف پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی انسان کی طرح کی صورت ہے اور دوسرے کہتے ہیں: وہ گھنگھر یالے بالوں والے اَمرد (بے ریش نوجوان) کی شکل پر ہے، تو ابوعبداللہ سجدے میں گر پڑے، پھر سر اٹھایا اور کہا:

''وہ اللہ پاک ہے، جس کے کوئی مثل نہیں۔ آنکھیں اس کا ادراک کر سکتی ہیں نہ علم اس کا احاطہ کر سکتا ہے....''[4]

ابن بابویہ، ابراہیم بن محمد خزار اور محمد بن حسین سے نقل کرتا ہے، وہ دونوں کہتے ہیں: ہم ابوالحسن رضا کے پاس آئے اور ہم نے ان کو وہ روایت سنائی جو کہتی ہے کہ محمد نے اپنے رب کو تیس سال کی عمر کے بھرپور نوجوان کی صورت میں دیکھا اور ان کے دونوں پاؤں سبز رنگ میں تھے۔ ہم نے کہا: ہشام بن سالم، صاحبِ طاق[5] اور

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٠٥) نیز یہ روایت دیکھیں: التوحيد لصدوقهم ابن بابويه (ص: ٩٧) أمالي الصدوق (ص: ٢٢٨) بحار الأنوار (٣/ ٢٨٨) الحر العاملي: الفصول المهمة (ص: ١٥)

[2] ابن بابويه: التوحيد (ص: ١٠٤) بحار الأنوار (٣/ ٢٩١)

[3] روایت نے اس شخص کا نام یعقوب بن سراج ذکر کیا ہے اور یہ ان کا ثقہ راوی ہے۔ دیکھیں: الفهرست للطوسي (ص: ٢١٤)

[4] ابن بابويه: التوحيد (ص: ١٠٣ـ ١٠٤) بحار الأنوار (٢/ ٣٠٤)

[5] یعنی ابوجعفر محمد بن علی بن نعمان، کیوں کہ اس کو شیطان الطاق کا لقب دیا گیا ہے۔ شیعہ اس کو مومن الطاق کہتے ہیں، اس کا ترجمہ صفحہ نمبر (٢٣٣) پر گزر چکا ہے۔

میثمی[1] کہتے ہیں کہ وہ ناف تک خالی ہے، اس کے بعد ٹھوس، تو وہ سجدے میں گر گئے، پھر کہا:

''تو پاک ہے، انھوں نے تجھے پہچانا نہیں، تجھے واحد قرار نہیں دیا، اس لیے انھوں نے تجھے بیان کیا ہے، تو پاک ہے، اگر وہ تجھ کو پہچان لیتے تو اس طرح بیان کرتے، جس طرح تم نے خود اپنے آپ کو بیان کیا ہے ....''[2]

چناں چہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ ان کے بڑے بڑے متکلمین نے اِثباتِ جسم میں غلو کیا ہے، حتی کہ انھوں نے اللہ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جو اللہ کے ساتھ کفر اور اس کے اس فرمان: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ: ١١] ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔'' کی تکذیب ہے۔

انھوں نے اللہ کی ذات کے لائق صفات کو معطل کر دیا اور اس کو ان صفات کے ساتھ بیان کیا، جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کو متصف نہیں کیا، جبکہ ان کا امام ان کے اس گمراہ منہج کی مخالفت کرتا رہا ہے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے بیان میں اس چیز کا التزام کرنے کا حکم دیتا رہا ہے، جس کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو متصف اور بیان کیا ہے، ان کی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات ہیں۔[3]

اِثباتِ جسم میں غلو کا یہ رجحان، اس اِثباتِ حق پر بھی طاری ہوا ہے، جو علماے اہلِ بیت کا مذہب تھا، اب اس مذہب میں ان دونوں رجحانات میں، یعنی تجسیم کا رجحان، جس کا ہشام دعویٰ کرتا ہے اور تنزیہ (اللہ کو ان آلایشوں سے پاک رکھنا) کا رجحان جو اہلِ بیت کا مذہب ہے، ایک دوسرے کے ساتھ کشمکش جاری ہے، جس طرح خود شیعہ روایات کا کہنا ہے اور اہلِ علم کی کتابوں میں بھی یہ بات ثابت اور مشہور ہے۔[4]

---

[1] اس کا مکمل نام علی بن اسماعیل بن شعیب بن ہیثم بن یحییٰ التمار ہے۔ یہ شیعہ کے نامور متکلمین میں سے اور ہشام بن حکم کا شاگرد ہے، اس کی کئی کتابیں ہیں، جن میں ایک کتاب "الإمامة" ہے۔ دیکھیں: رجال النجاشي (ص: ١٧٦)

[2] ابن بابويه: التوحيد (ص: ١١٣۔ ١١٤) بحار الأنوار (٤/ ٤٠) أصول الكافي (١/ ١٠٠۔ ١٠١)

[3] اس کے لیے مزید شواہد اور دلائل کے لیے دیکھیں: التوحيد لابن بابويه، باب أنه عز و جل ليس بجسم ولا صورة (ص: ٩٧۔ ١٠٤) اس میں **٢٠** روایات ہیں۔ أصول الكافي، باب النهي عن الجسم والصورة (١/ ١٠٤۔ ١٠٦) اس میں **١٨** روایات ہیں۔ بحار الأنوار، باب نفي الجسم والصورة والتشبيه (ص: ٤٧) اس میں **٤٧** روایات ہیں۔ رجال الکشی میں ہشام بن حکم، ہشام بن سالم اور یونس بن عبدالرحمٰن کے تراجم اس نظریے کی مزید مثالیں موجود ہیں۔ نیز اس کے متعلق بعض روایات کے لیے دیکھیں: الطبطبائي: مجالس الموحدين في أصول الدين (ص: ٢٣)

[4] منهاج السنة (٢٠/ ١٤٤)

دوسری بحث

شیعہ کے ہاں تعطیل

اِثباتِ جسم میں اس غلو کے بعد تیسری صدی کے آخر میں اس مذہب میں تبدیلی واقع ہونا شروع ہوگئی اور یہ کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کی ثابت شدہ صفات کو معطل کرنے میں معتزلہ کے مذہب سے متاثر ہوا۔

چوتھی صدی ہجری میں ان میں تعطیل کا رجحان بہت زیادہ زور پکڑ گیا، کیوں کہ اس صدی میں ان کے علما جیسے مفید اور اس کے ہم نوا جیسے شریف مرتضیٰ موسوی اور ابوجعفر طوسی وغیرہ نے ان کے مذہب کی کتابیں تصنیف کیں اور انھوں نے اس مسئلے میں معتزلہ کی کتابوں پر اعتماد کیا۔[1] اس موضوع پر انھوں نے جو کچھ لکھا، اس کا اکثر حصہ معتزلہ کی کتابوں سے حرف بہ حرف منقول ہے، اسی طرح قرآنِ کریم میں صفات اور تقدیر والی آیات کی تفسیر میں بھی جو کچھ وہ ذکر کرتے ہیں، وہ سب بھی معتزلہ کی تفاسیر سے منقول ہے۔[2]

اس لیے اسما وصفات کے ابواب میں متاخر شیعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص شاید ہی ان میں اور معتزلہ کی کتابوں میں کوئی فرق تلاش کر سکے۔ صرف عقل، جس طرح ان کا دعویٰ ہے، ان کے مذہب کی بنیاد اور قابلِ اعتماد دلیل ہے۔ اس طرح اس باب میں معتزلہ جو مسائل مقرر کرتے ہیں، جیسے مسئلہ خلقِ قرآن، مومنوں کا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے انکار اور صفات کا انکار، ان تمام کو شیعہ کے متاخر علما نے قبول کیا ہے، بلکہ اس سلسلے میں جو اعتراضات معتزلہ کرتے ہیں، وہی اعتراضات متاخرین شیعہ بھی کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں جو فرق ایک قاری محسوس کر سکتا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے ائمہ کی طرف ایسی روایات کی نسبت کی ہے، جو صریحاً صفات کی نفی کرتی ہیں اور تعطیل کو ثابت کرتی ہیں، حالاں کہ انھوں نے، جس طرح شیخ الاسلام نے کہا ہے:

''اپنے دین کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ توحید اور صفات کے باب میں وہ عقل اور قیاس کو مدنظر

[1] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٢٩)

[2] المصدر السابق (١/ ٣٥٦)

نہیں رکھیں گے۔''[1]

یہ آپ ان کے مذہب میں تعطیل کے طریقۂ استدلال میں محسوس کر سکتے ہیں، جس طرح مفید کی کتاب ''النکت الاعتقادیة'' اور ابن مطہر کی ''نهج المسترشدين'' وغیرہ کی طرح کی ان کی اعتقاد اور کلام کے موضوع پر کتابوں میں ہے، جن میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں خالص عقلی اور کلامی منہج پر اعتماد کیا ہے۔

لیکن یہ منہج اور طریقہ کار شرعی علمی اور عقلی منہج کے خلاف ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات غیبی امور کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، جن کا علم کتاب و سنت پر موقوف ہے۔ تاہم ان کے معتزلہ کے منہج کی طرح عقلی دلیل پر اعتماد کرنے کے باوجود آپ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ائمہ سے بہت زیادہ ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں، جن کے ذریعے یہ اپنے مذہبِ تعطیل کو سند دیتے ہیں اور امیر المومنین علی اور بعض علمائے اہلِ بیت جیسے محمد باقر اور جعفر صادق پر افترا کرتے ہیں کہ وہ بھی تعطیلِ صفات کے قائل تھے۔

شیعہ کے ایک معاصر عالم نے نفیِ صفات میں اس کو اپنی اصل دلیل قرار دیا ہے۔ وہ اس عنوان ''صفات کی معرفت کا طریقہ'' کے تحت کہتا ہے:

''کیا امیر المومنین کی بات ''اخلاص کا کمال اس کی صفات کی نفی کرنا ہے۔'' کے سامنے سر جھکائے بغیر صفات کی تلاش اور معرفت کا کوئی اور طریقہ اور اس کے علاوہ کوئی اور گنجایش باقی رہتی ہے؟''[2]

لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ اس قوم کا کوئی ایک بھی مضبوط اور پختہ منہج نہیں، کیوں کہ مسلکِ تقلید تناقض کا شکار اور نشانہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی عقل پر اعتماد کرتے ہیں تو کبھی خبر اور روایت پر، اس طرح وہ اخباری مذہب اور اعتزالی عقلی مشرب کے درمیان جھولے کی طرح جھولتے ہیں۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ اہلِ بیت سے اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت کرنا منقول اور ثابت ہے اور نہ صرف اہلِ علم کی کتابوں میں ان کے اقتباسات ثابت اور مشہور ہیں،[3] بلکہ تعطیل کے اس طومار کے درمیان بھی ان کی بعض روایات اس کا اعتراف کرتی ہیں، جن کا ذکر تھوڑی دیر بعد ہوگا۔

لیکن ان کی ان روایات کی مثالیں بھی بہت زیادہ ہیں، جو انھوں نے ائمہ کی طرف منسوب کی ہیں اور وہ صراحتاً صفات کی نفی کرتی ہیں، جیسے یہ روایات ہیں:

---

[1] منهاج السنة (٢/ ٧٨۔ ٧٩) تحقيق دكتور محمد رشاد سالم، أو (١/ ٢٣٢) من ط: الأميرية.

[2] الزنجاني: عقائد الإمامية الاثنا عشرية (ص: ٢٨)

[3] منهاج السنة (٢/ ١٤٤)

1. ''کمال توحید اس سے صفات کی نفی کرنے میں ہے۔''[1]
2. ''اللہ کی حمد اس کی صفات کی نفی ہے۔''[2]
3. ''صفات کے اثبات کے ساتھ (تشبیہ) کی نفی نہیں۔''[3]
4. شیعہ کے علامہ ابن مطہر نے یہ صراحت کی ہے:
''اسما و صفات میں ان کا مذہب معتزلہ کے مذہب کی طرح ہے۔''[4]
5. بعض نے کہا ہے: ''فلاسفہ کے مذہب کی طرح ہے۔''[5]

اسی طرح ان کی بہت زیادہ روایات نے رب العالمین کو سلبی صفات کے ساتھ متصف کیا ہے، جن کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت شدہ صفات کی نفی میں ضم کر دیا ہے۔ ابن بابویہ نے ستر (۷۰) سے زیادہ ایسی روایات نقل کی ہیں، جو کہتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان، کیفیت، حرکت، انتقال اور جسموں کی کسی بھی صفت سے حسی و جسمانی طور پر اور نہ شکلی طور پر ہی موصوف کیا جاتا ہے۔''[6]

شیعہ کے علما کتاب وسنت میں وارد ہونے والی اللہ تعالیٰ کی صفات کی تعطیل اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سلبی صفات کے ساتھ موصوف کرنے کے اس گمراہ منہج پر گامزن ہیں۔

شیعہ کا عالم محمد حسینی قزوینی (المتوفی ۱۳۰۰ھ) جس کو یہ تیرھویں امام کا لقب دیتے ہیں، کیوں کہ اس نے ان کے مزعوم امامِ زمانہ سے تین مرتبہ ملاقات کی، اللہ تعالیٰ کے وصف میں کہتا ہے:

''...اس کا کوئی جزو نہیں۔ جس کا کوئی جزو نہیں، اس میں کوئی ترکیب نہیں ہوتی، جو مرکب نہ ہو، وہ جوہر اور عرض نہیں ہوتا۔ جو جوہر نہ ہو، وہ عقل، نفس، مادہ، صورت اور جسم نہیں ہوتا اور جو جسم نہ ہو، وہ مکان، زمان، جہت، اور وقت میں نہیں ہوتا، جو کسی جہت میں نہ ہو، اس کی مقدار ہوتی ہے نہ کیفیت نہ رتبہ، جس کی مقدار، کیفیت اور جہت نہ ہو، اس کی کوئی وضع نہیں ہوتی اور جس کی وقت

---

[1] التوحيد لابن بابويه (ص: ٥٧)
[2] المصدر السابق (ص: ٣٤۔ ٣٥)
[3] المصدر السابق (ص: ٤٠)
[4] ابن مطهر: نهج المسترشدين (ص: ٣٢)
[5] الطبطبائي: مجالس الموحدين في أصول الدين (ص: ٢١)
[6] دیکھیں: التوحيد لابن بابويه (ص: ٣١ وما بعدها)

اور جگہ میں وضع نہ ہو، اس کی نسبت اور اس کی طرف کسی چیز کی اضافت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جس کی نسبت نہ ہو، اس کا کوئی فعل و انفعال نہیں ہوتا۔ جس کا کوئی جسم ہو نہ رنگ نہ مکان نہ جہت، وہ دیکھا جا سکتا ہے نہ اس کا کوئی ادراک ہی کیا جا سکتا ہے۔''[1]

آپ نے ملاحظہ کیا ہے کہ یہ نفی محض جو اس نے فلاسفہ کی گندگی کے ڈھیر اور ملحدوں کے تلچھٹ سے اخذ کی ہے، وجودِ حق کی نفی پر مشتمل ہے۔

﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الصافات: ۱۸۰ تا ۱۸۲]

''پاک ہے تیرا رب، عزت کا رب۔ ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ اور سلام ان پر جو بھیجے گئے۔ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ کفار و مشرکین، اہلِ کتاب، صابئہ[2] (بے دین) فلاسفہ، جہمیہ[3] اور باطنیہ[4] وغیرہ

---

[1] قلائد الخرائد في أصول العقائد (ص: ٥٠) نیز دیکھیں: ابن المطهر: نهج المسترشدين (ص: ٤٥۔ ٤٧) الطبطبائي: مجالس الموحدين في أصول الدين (ص: ٢١)

[2] صابئہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سلوب کے ساتھ موصوف کرتے ہیں۔ اس لیے بیرونی نے حران کے صابئہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سلب کے ساتھ موصوف کرتے ہیں، ایجاب کے ساتھ نہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں: ''اس کی کوئی حد بندی ہو سکتی ہے نہ وہ دیکھا جا سکتا ہے اور وہ ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔'' اس کو وہ مجازاً اسمائے حسنیٰ کا نام دیتے ہیں، کیوں کہ ان کے نزدیک حقیقت میں کوئی بھی صفت نہیں، وہ تدبیر کو فلک اور اجرام فلکی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (الآثار الباقية عن القرون الخالية، ص: ٢٠٥)

صابئہ فرقے کے بارے میں عموماً اختلاف کیا جاتا ہے۔ طبری نے مجاہد وغیرہ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ ''صابئہ مجوس، یہود اور نصاریٰ کے درمیان ایک قوم ہے، جس کا کوئی مذہب نہیں۔'' (طبري: ٢/ ١٤٦ تحقيق أحمد و محمود شاكر) ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (تفسير ابن كثير: ١/ ١٠٧) رازی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ''صابئہ ابراہیم کے زمانے میں ستاروں کی پوجا کرنے والی قوم تھی۔'' (اعتقادات فرق المسلمين والمشركين، ص: ١٤٤٣) شہرستانی ذکر کرتا ہے کہ ''حضرت ابراہیم کے زمانے میں دو فرقے تھے: ایک صابئہ دوسرے حنفا۔'' (الملل والنحل: ١/ ٢٣٠) ان کو سُننِ حق اور انبیا کی راہ سے انحراف کی وجہ سے صابئہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ لغت میں صبا کا مطلب ہے: ''منحرف ہونا۔'' (المصدر السابق: ٢/ ٥)

صابئہ کے متعلق مزید حوالہ جات کے لیے دیکھیں: التبصير في الدين للإسفرائيني (ص: ٨٩) الرد على المنطقيين لابن تيمية (ص: ٢٨٧، ٢٨٩، ٤٥٤۔ ٤٥٧) الخطط للمقريزي (٢/ ٣٤٤)

[3] جہمیہ: جہم بن صفوان کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے۔ اس کے مشہور گمراہ کن عقائد میں صفات کی نفی کا قول، ارجا کا قول، جبر کا قول اور جنت و جہنم کے فنا ہو جانے کا قول اور دیگر بدعات ہیں۔ جہم اور جہمیہ کے بارے میں تفصیل سے جاننے کے لیے درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ کیجیے:

←

میں سے یہ ہر اس شخص کا راستہ ہے، جو رسولوں کے منہج سے ہٹ گیا۔

یہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو تفصیلاً سلبی صفات کے ساتھ متصف کرتے ہیں اور صرف ایک مطلق وجود ثابت کرتے ہیں، جس کی نتیجتاً کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا ان کا یہ قول تعطیل کے مقصد پر مشتمل ہے، جو وجودِ حق کی نفی کرتا ہے، کیوں کہ یہ لوگ اسما و صفات کی ایسی تعطیل کرتے ہیں، جو ذاتِ باری تعالیٰ کی نفی اور اسی طرح تمثیل کی غرض و غایت کو بھی مستلزم ہے، کیوں کہ وہ اس کی ناممکنات، معدوم اشیا اور جمادات کے ساتھ تمثیل دیتے ہیں۔[1]

اس طرح یہ سارے لوگ ایک چیز سے بھاگتے ہیں تو لازمی طور پر تحریفات اور تعطیلات کا سہارا لینے کے ساتھ ساتھ اس کی نظیر بلکہ اس سے بھی بُری چیز کا شکار ہوجاتے ہیں۔[2] حالاں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اپنی مفصل صفات کے اِثبات اور مجمل کی نفی کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔[3] اسی لیے قرآن مجید میں صفات کا اِثبات مفصل مجمل طور پر ہوتی ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ [الشوریٰ: ١١]

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں نفی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ: ١١] ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔'' کا مجمل ذکر ہوا ہے اور یہ قرآن کا نفی میں عمومی طریقہ ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴾ [مریم: ٦٥] ''کیا تو اس کا کوئی ہم نام جانتا ہے؟''

← الرد علی الجهمية، للإمام أحمد (ص: ٦٤) خلق أفعال العباد للبخاري (ص: ١١٨) مقالات الإسلاميين (١/ ٢١٤) التنبيه والرد للملطي (ص: ٢١٨) التبصير في الدين للاسفرائني (ص: ٦٣) والبدء و التاريخ للمقدسي (٥/ ١٤٦) تاريخ الجهمية والمعتزلة للقاسمي. جہمیہ کی اصطلاح صرف جہم بن صفوان کے پیروکاروں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلف ہر اس شخص کو جہمی کہا کرتے تھے، جو صفات کی نفی، خلقِ قرآن اور آخرت میں اللہ کی عدمِ رؤیت کا قائل تھا۔'' (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ١٢/ ١١٩) ایک جگہ اس طرح کہا: ''جہمیہ میں وہ فلاسفہ اور معتزلہ بھی داخل ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام مخلوق ہے۔'' (المصدر السابق: ١٢/ ٦٢٤)

4. باطنیہ: یہ اسماعیلیہ کا ایک لقب ہے۔ صفحہ (١١٥، ١١٦) پر ان کی تعریف گزر چکی ہے۔

1. دیکھیں: التدمرية لابن تيمية (ص: ١٦)

2. دیکھیں: المصدر السابق (ص: ١٩)

3. دیکھیں: المصدر السابق (ص: ٨)

4. شرح الطحاوية (ص: ٤٩)

یعنی کیا کوئی ایسا نظیر ہے، جو اس کے نام کی طرح کا استحقاق رکھتا ہے؟ عربی میں کہا جاتا ہے:
''مسامیاً یسامیه''[1] یعنی ''ہم نام، بلندی یا عزت وشرف میں مقابلہ کرنے والا۔''

حضرت ابن عباس سے مروی ان کے قول کا یہی معنی ہے:

''کیا آپ اس کی کوئی مثال یا شبیہ جانتے ہیں؟''[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ [الاخلاص: ٤]

''اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔''

لیکن اِثبات میں تفصیل ذکر ہوئی ہے: ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ [الشوریٰ: ١١]

اور جس طرح سورۃ الحشر کی آخری آیات میں ہے:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۞ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [الحشر: ٢٢ تا ٢٤]

''وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چھپی اور کھلی چیز کو جاننے والا ہے، وہی بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنی مرضی چلانے والا، بے حد بڑائی والا ہے، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو خاکہ بنانے والا، گھڑنے ڈھالنے والا، صورت بنا دینے والا ہے، سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح ہر وہ چیز کرتی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

نیز اس کے شواہد اور دلائل بہت زیادہ ہیں۔[3]

لہٰذا ان لوگوں کا نفی محض کا طریقہ نہ قرآن کے طریقے کے مطابق ہے نہ طبائع سلیمہ اور عقول صریحہ ہی کے،

---

[1] التدمریة (ص: ٨) نیز دیکھیں: لسان العرب مادة ''سما''

[2] تفسیر الطبري (١٦/ ١٠٦)

[3] شیخ الاسلام نے ان میں سے اکثر رسالہ تدمریہ (ص: ٨ وما بعدها) میں ذکر کیے ہیں۔

بلکہ یہ طریقہ انسان کی انسان کے لیے تعریف اور مدح سرائی میں بھی غیر مقبول اور ناپسندیدہ ہے تو رب العالمین کو اس کے ساتھ موصوف کرنا کیوں کر صحیح ہوگا؟[1]

شیعہ اپنے ائمہ سے روایت کرتے ہیں:

''خالق کو صرف اسی کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے، جس کے ساتھ اس نے خود اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔''

لیکن یہ اس بات سے اس طرح اعراض کرتے ہیں، جس طرح انھوں نے کتاب وسنت اور عقل وفکر کے تقاضوں سے اعراض کیا ہے اور اس میں سب سے زیادہ اثر تقلید محض اور مردہ فلسفوں کی باقی ماندہ گندگی میں منہ مارنا ہے، وگرنہ ایک عقل مند کس طرح اس غیبی امر میں، جس کی تفصیلات کی معرفت حاصل کرنے کا آسمانی خبر کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو، عقل کوتاہ اور فکر ہیچ پر کس طرح اعتماد کر سکتا ہے اور کیوں کر بشر کے متناقض حالات اور متعارض تصورات کو فیصل بنا سکتا ہے؟

ان معطلۃ (صفات معطل کرنے والا فرقہ) کا ائمہ اسلام نے خوب رد کیا ہے اور ان کا باطل اچھی طرح بیان کر دیا ہے، لہٰذا ہم از سرنو ان باتوں کا اعادہ اور تکرار نہیں کریں گے۔ لیکن اس میدان میں شیعہ کتاب کے ظہور اور انتشار کے بعد، یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مسئلے کی شیعہ کی کتابوں، ان کے ائمہ سے منقول روایات اور ان کے علما کے کلام کی روشنی میں، جو اہلِ تعطیل کے نقشِ قدم پر چلنے پر مبنی ہے، تصویر پیش کی جائے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کے کلام میں کس قدر تناقض، ائمہ سے کتنی علاحدگی اور ائمہ مذہب کی شکل بگاڑنے میں تعطیل کا مذہب بیان کرنے والی روایات وضع کرنے میں، جو اس باب میں ان کی تقلید کی تصدیق کرتی ہیں، سبائی ہاتھوں کا کتنا عمل دخل ہے۔

میں اس سلسلے میں تین مسائل منتخب کروں گا:

پہلا مسئلہ: خلقِ قرآن۔

دوسرا مسئلہ: دیدارِ باری تعالیٰ۔

تیسرا مسئلہ: نزولِ الٰہی۔

---

[1] عقیدہ طحاویہ کا شارح لکھتا ہے: ''یہ خالی نفی جس میں مدح نہ ہو، بے ادبی ہے۔ اگر آپ بادشاہ سے کہیں کہ آپ بھنگی، حجام یا جولاہے نہیں، تو چاہے آپ اپنی بات میں سچے بھی ہوں، وہ آپ کو سزا دے گا، لیکن اگر آپ مجملاً نفی کریں تو آپ اس کی مدح کریں گے، مثلاً آپ یہ کہیں کہ تم اپنی رعیت میں سے فلاں کی طرح نہیں ہو، تم ان سے کہیں اعلیٰ اور بلند ہو۔ اگر آپ نفی میں اجمال کریں گے تو ادب میں بھی اجمال ہوگا۔ (علی بن أبي العز: شرح الطحاوية، ص: ٥٠)

پہلا مسئلہ: شیعہ کا قول کہ قرآن مخلوق ہے:

قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ غیر مخلوق کلام ہے، کتاب و سنت اور اجماعِ امت اسی بات پر دلالت کرتے ہیں،[1] لیکن اثنا عشریہ خلقِ قرآن کے قول میں جہمیہ کے نقش قدم پر چلے ہیں، مجلسی نے، جو اپنے زمانے میں شیعہ کا سربراہ تھا، "بحار الانوار" کی "كتاب القرآن" کے باب "أن القرآن مخلوق"[2] میں گیارہ روایات ذکر کی ہیں اور ان میں سے اکثر روایات اس کے اختیار کردہ موقف کے مخالف ہیں، لیکن شیعہ علما کا ان روایات کی تاویل میں اپنا ایک مسلک ہے، جس کو ہم تھوڑی دیر بعد ذکر کریں گے۔

شیعہ کا آیت محسن الامین کہتا ہے: ''شیعہ اور معتزلہ نے کہا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔''[3]

یہ ان کے اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کے انکار اور اس زعم کی بنا پر ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات میں کلام پیدا کیا، مثلاً جب موسیٰ سے کلام کیا تو درخت میں کلام پیدا کیا اور جب قرآن اتارا تو جبرائیل میں۔''[4]

یہ شیعہ علما کے اس مسئلے میں چند ایک اقوال ہیں۔[5]

اگر آپ ان روایات کی طرف رجوع کریں، جنھیں یہ آلِ بیت سے نقل کرتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی اکثریت ان کے اختیار کردہ موقف کی مخالفت کرتی ہے۔ مثلاً تفسیر عیاشی میں ہے:

---

[1] اس سلسلے میں مذہبِ سلف اور مخالفین کی تردید کے لیے دیکھیں: الرد على الزنادقة والجهمية للإمام أحمد، كتاب خلق أفعال العباد للبخاري، والرد على الجهمية للدارمي، و كتاب رد عثمان بن سعيد على المريسي العنيد، والاختلاف في اللفظ والرد على الجهمية والمشبه لابن قتيبة، والرد على من يقول القرآن مخلوق للنجاد، والرد على الجهمية لابن منده وغيرها.

[2] بحار الأنوار (٩٢/ ١١٧۔ ١٢١)

[3] أعيان الشيعة (١/ ٤٦١)

[4] المصدر السابق (١/ ٤٥٣)

[5] شیخ الاسلام سے اس کے قائل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا اور کہا کہ اس سے توبہ کروائی جائے، اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک، ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [النساء: ١٦٤] کی تکذیب نہیں کرتا، یہ اقرار کرتا ہوں کہ یہ لفظ حق ہے، لیکن میں اس کے معنی اور حقیقت کی نفی کرتا ہوں، تب بھی کافر قرار دیا جائے گا۔
نیز انھوں نے کہا ہے کہ یہ لوگ جہمیہ ہیں، جن کے تمام بدعتیوں اور خواہش پرستوں سے زیادہ برے ہونے پر سلف کا اتفاق ہے، حتی کہ بہت سارے ائمہ نے انھیں ۷۲ فرقوں سے خارج قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: مجموعة رسائل ابن تيمية: ١٢/ ٥٠٢) انھوں نے ایک دوسری جگہ کہا ہے: ''امت کے سلف اور ائمہ نے جہمیوں کو کافر کہا ہے، جنھوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جسموں میں کلام پیدا کیا، جس کو موسیٰ نے سنا، اور اسی کو تکلیم بیان کیا گیا ہے۔'' (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ١٢/ ٥٣٣)

''رضا سے قرآن کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق کلام ہے۔''[1]

رجال الکشی میں ہے: ''قرآن مخلوق نہیں۔''[2]

ابن بابویہ کی ''التوحید'' میں مذکور ہے:

''ابو الحسن موسیٰ سے پوچھا گیا: اے فرزندِ رسول! قرآن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ ہم سے پہلے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم نے کہا کہ وہ مخلوق ہے، دوسری قوم نے کہا: وہ غیر مخلوق ہے، تو انھوں نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے، تو میں وہ نہیں کہتا، جو وہ کہتے ہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔''[3]

اس مفہوم کی ان کی بہت زیادہ روایات ہیں۔[4]

لیکن یہاں یہ بات باعثِ ملاحظہ ہے کہ شیعہ کے اپنے زمانے کے سربراہ ابن بابویہ القمی نے ان نصوص کی تاویل میں ایک نئی جہت اختیار کی ہے، اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ائمہ کا یہ قول کہ ''قرآن غیر مخلوق ہے'' اس معنیٰ میں ہے:

''وہ غیر مخلوق یعنی غیر مکذوب ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پیدا نہیں ہوا۔''[5]

نیز اس نے کہا ہے:

''ہم نے اس پر مخلوق کا لفظ بولنے سے اس وجہ سے احتراز کیا ہے کہ مخلوق لغت میں مکذوب بھی ہوسکتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کلام مخلوق یعنی مکذوب۔''[6]

بلاشبہہ یہ تاویل ناقابلِ تسلیم ہے، کیوں کہ یہ بالکل واضح بات ہے کہ سابقہ نصوص اور عبارت معتزلہ کے خلقِ قرآن کے قول کا رد کرتی ہیں، سلف نے ان کے رد میں کہا ہے کہ

یہ غیر مخلوق ہے، اس سے ان کی یہ مراد نہیں کہ وہ غیر مکذوب ہے، جس طرح ابن بابویہ وغیرہ خیال کر رہے ہیں۔ کسی مسلمان نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ وہ مکذوب ہے، بلکہ یہ ظاہر کفر ہے، جس کو ہر مسلمان جانتا

[1] تفسير العياشي (۱/ ۸)

[2] رجال الكشي (ص: ٤٩٠)

[3] ابن بابويه: التوحيد (ص: ٢٢٤)

[4] دیکھیں: بحار الأنوار (۹۲/ ۱۱۷۔ ۱۲۱) التوحيد (ص: ۲۲۳۔ ۲۲۹)

[5] دیکھیں: التوحيد (۲۲٥) بحار الأنوار (۹۲/ ۱۱۹)

[6] دیکھیں: التوحيد (۲۲٥) بحار الأنوار (۹۲/ ۱۱۹)

ہے۔ ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ مخلوق ہے، جس کو اس نے اپنے علاوہ دوسرے میں پیدا کیا تو سلف نے اس بات کا رد کیا، جس طرح اس کے متعلق ان کے تواتر کے ساتھ آثار منقول ہیں اور اس موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔[1]

شیعہ کے آیت اللہ البروجردی نے اپنی کتاب ''تفسیر صراطِ مستقیم'' میں ابن بابویہ سے ایک ایسی نص بھی نقل کی ہے، جس میں وہ ان تمام نصوص کو جو سابقہ مفہوم پر مشتمل ہیں، تقیے پر محمول کرتا ہے، اس کا کہنا ہے:

''شاید قرآن پر لفظِ خلق کے اِطلاق سے منع یا تو عامہ (اہلِ سنت) کا لحاظ کرتے ہوئے تقیے کی وجہ سے ہوگا یا پھر اس وجہ سے کہ اس سے ایک ایسے معنی کا وہم بھی ہوتا ہے، جو کفار نے اپنے اس قول: ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ میں مراد لیا۔''[2]

چناں چہ ان علما کو تقیے کے قول یا اس سے ملتی جلتی چیز کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں ملی۔ یہ منہج یہ بات ثابت کرتا ہے کہ یہ ان کے پاس کوئی ٹھوس چیز نہیں۔ نیز ہر نص میں تقیے کے احتمال نے ان کا سارا معاملہ خراب کر دیا ہے اور ان کے مذہب کی حقیقت ختم کر دی ہے۔ لہٰذا ان کا دین مجلسی، کلینی یا ابن بابویہ کا دین بن کر رہ گیا ہے نہ کہ ائمہ کی روایات کا دین[3] اور ہر اس شیخ، زندیق، یا مشیخت کے لباس میں افترا پرداز کے لیے انتہائی آسان ہو چکا ہے کہ وہ اپنی زندیقیت، جہالت یا خواہشِ نفس اور تعصب و تنگ نظری کی مرضی کے آگے سرنگوں ہو کر ان متعارض اقوال میں سے جو چاہے اختیار کرے اور دیگر اقوال کو پس پشت ڈال دے، چاہے وہ حق پر مبنی ہی کیوں نہ ہوں اور اس تصرف کو تقیے کے بہانے یا عامہ کی مخالفت کے دعوے کے ساتھ رد کر دے، کیوں کہ ان کے افترا کے مطابق ان کی مخالفت میں ہدایت ہے۔

اس طرح اس مکارانہ طریقے سے علمِ حق اور دین ضائع ہوگیا ہے اور ان شیطانی افکار اور چالوں کی مدد سے امت کے نصیب میں فرقے بندی اور اختلاف لکھ دیا گیا ہے۔ اگر شیعہ کا کوئی عالم شیعہ کے ساتھ احسان اور

---

[1] دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱۲/ ۳۰۱)

[2] تفسیر الصراط المستقیم (۱/ ۳۰٤)

[3] شیعہ عالم ہاشم بحرانی کی کتاب ''درة نجفية'' کے صفحہ (٦٠) اور اس کے بعد والے صفحات کا مطالعہ کیجیے، اس نے تقیے کی وجہ سے اپنی روایات کا اختلاف پیش کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ علما حیران ہیں کہ کس کو لیں اور کس کو چھوڑیں، توقف کریں یا جس کو چاہیں لے لیں، یا ان متعارض اقوال کا کیا کریں، بحرانی کے قول کے مطابق اس تقیے نے احکام کی علتوں کو دلائل کے تعارض میں کثرتِ اختلاف کی وجہ سے شک اور تردد سے خالی نہیں رہنے دیا۔'' (درة نجفیه، ص: ٦١) نیز اسی کتاب میں تقیے والا مبحث ملاحظہ کریں۔

نیکی کرنا چاہتا تو وہ جماعت کا مسلک اپناتا اور اپنی ان روایات کو قبول کرتا، جو کتاب اللہ اور اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ہوتیں اور قمی، کلینی اور مجلسی کی چالوں سے چھٹکارا پاتا، بالخصوص جب کہ ائمہ کو بھی اپنے اوپر جھوٹ باندھنے والوں کی کثرت کا شکوہ تھا، حتی کہ انھوں نے کہا: ''لوگ ہم پر جھوٹ بولنے کے شوقین ہیں۔''[1]

اگر آپ اس نظریے کو عملی جامہ پہنائیں، یعنی اس مسئلے میں شیعہ کی آلِ بیت سے وہ روایات لیں، جو اہلِ سنت کی روایات کے ساتھ اتفاق رکھتی ہیں تو آپ یہ پائیں گے کہ شیعہ کی کتابوں نے بھی آلِ بیت سے یہی روایت کیا ہے کہ اللہ کا کلام نازل کردہ ہے، مخلوق نہیں اور اہلِ سنت کی کتابیں بھی یہی روایت کرتی ہیں۔ امام بخاری نے کتاب "أفعال العباد"[2] ابن ابی حاتم،[3] ابوسعید دارمی[4]، آجری نے "الشريعة"[5] میں، بیہقی نے "الاعتقاد"[6] اور اسما وصفات[7] میں، لالکائی نے "شرح أصول اعتقاد أهل السنة"[8] میں اور ابو داود نے "مسائل الإمام أحمد"[9] میں جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ ان سے جب قرآن کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ''نہ وہ خالق ہے نہ مخلوق۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''یہ بات جعفر سے مشہور و معروف ہے۔''[10]

لہٰذا یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیح اور متفقہ مفہوم کو چھوڑ کر باطل اور غلط مفہوم کو کیوں اپنایا جاتا ہے، جس کی دلیل ان علما کے اقوال کے سوا اور کچھ نہیں، جو امت میں اختلاف اور فرقہ بندی پھیلانا چاہتے ہیں اور امت کی مخالفت اور اس سے علاحدگی کی دعوت دیتے ہیں، تاکہ خمس کے نام پر بڑی بھاری نذرانے کھائیں اور

---

[1] رجال الكشي (ص: ۱۳۵۔ ۱۳۶) مزید دلائل جاننے کے لیے اسی کتاب میں ''سنت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' والا مبحث ملاحظہ کریں۔

[2] خلق أفعال العباد (ص: ٣٦ تحقيق البدر) و (ص: ١٣٥) ضمن مجموعة عقائد السلف، تحقيق النشار و عمار الطالبي.

[3] منهاج السنة لابن تيمية (٢/ ١٨٧۔ ١٨٨) تحقيق دكتور محمد رشاد سالم.

[4] الرد على الجهمية (ص: ١٠١)

[5] الشريعة (ص: ٧٧)

[6] الاعتقاد (ص: ٣٦) بیہقی نے اس کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: جعفر سے یہ بات صحیح اور مشہور ہے۔ یہی بات جعفر بن محمد عن ابیہ علی بن حسین سے بھی مروی ہے اور زہری عن علی بن حسین کی سند سے بھی یہی بات مذکور ہے۔ ہم نے اس کو کئی سندوں سے مالک بن انس سے بھی روایت کیا ہے اور نئے پرانے تمام اہلِ علم کا یہی مذہب ہے۔ المصدر السابق (ص: ٣٩)

[7] الأسماء والصفات (ص: ٢٤٧)

[8] شرح أصول اعتقاد أهل السنة (٢/ ٢٣٨، ٢٤١۔ ٢٤٢)

[9] مسائل الإمام أحمد (ص: ٢٦٥) ط: بيروت أو (ص: ١٠٦۔ ١٠٧) ضمن مجموعة عقائد السلف.

[10] منهاج السنة (١/ ٢٧٨)

غائب امامِ زمانہ کی نیابت کا ڈھنڈورا پیٹ کر معاشرتی وجاہت، نیک نامی اور تقدس وعزت کمائیں؟ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اس بات پر شدید اِصرار کرتے ہیں کہ جو عامہ (اہل سنت) کے مخالف ہو، اسی میں ہدایت ہے!

''عامہ'' یا اہلِ سنت کے عمومی مفہوم میں معتزلہ بھی داخل ہیں، لیکن اس مسئلے میں وہ معتزلہ کی تقلید کرتے ہیں! کیوں کہ خلقِ قرآن کا مسئلہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ عبدالجبار شرح اصولِ خمسہ میں ذکر کرتا ہے:

''اس (خلقِ قرآن) کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی ہے، جو مخلوق اور محدث ہے۔''[1]

شیعہ نے اس نظریے کو معتزلہ کی آرا سے لیا ہے، لہٰذا یہ اعتزال کی پونجی ہے، یہاں عامہ کی مخالفت وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے اس نظریے کا اظہار جعد بن درہم[2] نے کیا۔ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں:

''میں نے اپنے باپ سے سنا، انھوں نے کہا: سب سے پہلے جو شخص خلقِ قرآن کا مسئلہ لے کر آیا، وہ جعد[3] بن درہم تھا، لہٰذا یہ پہلا شخص تھا، جس نے اس امت میں تعطیل کا نظریہ پیش کیا، پھر اس کو جہم بن صفوان نے اس سے اخذ کیا۔''[4]

بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ نظریے کے اصول بدیسی اثرات کی طرف لوٹتے ہیں۔ ابن اثیر اور شیخ الاسلام وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ جعد نے یہ خلقِ قرآن کا قول ابان بن سمعان سے لیا اور ابان نے اس کو طالوت بن اختِ لبید بن اعصم یہودی سے لیا، جس نے نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا تھا۔ یہ تورات کے مخلوق ہونے کا بھی قائل تھا اور یہ (طالوت) زندیق تھا، اس نے سب سے پہلے ان کے لیے اس موضوع پر تصنیف کی، پھر اس کو جعد بن درہم نے ظاہر کیا۔[5]

---

[1] شرح أصول الخمسة (ص: ٥٢٨) نیز دیکھیں: المحیط بالتکلیف (ص: ٣٣١)

[2] ابن حجر کہتے ہیں: جعد بن درہم تابعین کی صف میں شمار ہوتا تھا۔ یہ بدعتی اور گمراہ تھا، جس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا اور موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا۔ یہ اسی مذہب پر عراق میں عید الاضحیٰ کے دن قتل ہوا۔ جعد کی زندیقیت میں بہت زیادہ خبریں منقول ہیں۔ (لسان المیزان: ٢/ ١٠٥، میزان الاعتدال: ١/ ٣٩٩، ابن نباته: سرح العیون، ص: ٢٩٣۔ ٢٩٤)

[3] اللالکائي: شرح أصول اعتقاد أهل السنة (ص: ٣٨٢) یہاں یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ اس مذکورہ عبارت کا تتمہ ہے: ''اس نے یہ خلقِ قرآن کا قول، ایک سو بیس، بائیس ہجری میں اختیار کیا۔'' حالاں کہ وہ ١١٨ھ میں قتل ہوا۔ محقق کتاب نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

[4] دیکھیں: ابن تیمیة: بیان تلبیس الجهمیة (١/ ١٢٧) مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٥/ ٢٠) نیز دیکھیں: درء تعارض العقل والنقل (٥/ ٢٤٤) ابن نباتة: سرح العیون (ص: ٢٩٣)

[5] دیکھیں: ابن الأثیر: الکامل (٥/ ٢٩٤) ابن تیمیة: الحمویة (ضمن مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ٥/ ٢٠/ ٢١) ابن نباتة: سرح العیون (ص: ٢٩٣) السفاریني: لوامع الأنوار (١/ ٢٣)

اسی طرح خطیب بغدادی ذکر کرتے ہیں:

''بشر مریسی کا، جو معتزلہ کے خلقِ قرآن کے قائل نامور افراد میں تھا، والد یہودی تھا۔'' [1]

چناں چہ ان اقوال سے اس نظریے کے ظہور میں یہودی اثر ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام نے دیگر موثرات کا بھی اشارتاً کیا ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں کہ جعد بن درہم حران کا رہنے والا تھا، جن میں حضرت ابراہیم کے حریف فلاسفہ اور صابئین کی باقی ماندہ نسلیں موجود تھیں، اس لیے اس نے فرعون اور نمرود کی موافقت میں ان نفی کرنے والوں کی بنا پر ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہونے اور موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا انکار کیا، کیوں کہ ان کے نزدیک رب کلام کرتا ہے نہ غیر کے ساتھ محبت، لہٰذا اس کو مسلمانوں نے قتل کر دیا، اس طرح اس کا یہ نظریہ اس مسئلے میں گمراہ ہونے والوں میں پھیل گیا۔ [2]

شیعہ کی کتابوں میں وارد یہ روایات جو اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ اور غیر مخلوق ہے، ہوسکتا ہے قدیم شیعہ کے مذہب کی نمایندگی کرتی ہوں، جن کا یہ اعتقاد ہو، جس طرح اہلِ علم نے اس کا ذکر کیا ہے، [3] کیوں کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا قول متاخرین کی ایجاد ہے۔ [4]

اسی طرح یہ بات کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، مخلوق نہیں، اہلِ بیت سے بھی ثابت ہے، کیوں کہ اہلِ بیت کے ائمہ جیسے: علی بن حسین، ابوجعفر باقر اور ان کا بیٹا محمد بن جعفر؛ ان میں سے کوئی بھی خلقِ قرآن کا قائل نہیں، لیکن امامیہ اپنے عام اصول میں اہلِ بیت کی مخالفت کرتے ہیں۔ [5]

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ کے ساتھ کلام حقیقت میں یہ تھا کہ اس نے اس کلام کو درخت میں پیدا کیا تو یہ بات اس صریح آیت: ﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [النساء: ١٦٤] کے مخالف ہے۔ مصدر ﴿تَكْلِيْمًا﴾ کے ساتھ اس کی تاکید لانا اس تاویل کی نفی کرتی ہے، جس کا یہ اشارہ کرتے ہیں، اس لیے اکثر علما نے کہا ہے کہ مصدر کے ساتھ تاکید مجاز کی نفی کرتی ہے۔ [6] اگر بات وہی ہوتی، جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں تو اس میں موسیٰ کی کوئی فضیلت اور امتیازی خوبی نہ ہوتی، جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ ذکر کر کے ان کی عزت

---

[1] تاریخ بغداد (٧/ ٦١)

[2] درء تعارض العقل والنقل (٧/ ١٧٥۔ ١٧٦)

[3] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٩٦)

[4] دیکھیں: الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ١١٤)

[5] منهاج السنة (١/ ٢٩٦)

[6] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١٢/ ٥١٥)

افزائی کی ہے۔''اس طرح تو وہ شخص، جس نے اللہ تعالیٰ کا کلام کسی فرشتے یا نبی سے سنا، جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے آیا، وہ موسیٰ سے اس سماعِ کلام میں مرتبے اور مقام میں افضل ہے، کیوں کہ انھوں نے یہ کلام نبی یا فرشتے سے سنا اور موسیٰ نے اس کو درخت سے سنا۔ اس سے ان پر یہ بات لازم آتی ہے کہ درخت ہی نے یہ کہا ہو:

''﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ﴾''کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، لہٰذا میری عبادت کر۔'' حالاں کہ اس بات کا فساد اور خرابی بالکل ظاہر ہے۔''[1]

نفیِ صفات کے قائلین جہمیہ کا رد تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مشاہیر کے کلام میں بہت زیادہ ہے اور خلقِ قرآن کے مسئلے میں بھی بہت زیادہ آثار ہیں،[2] جو اس مسئلے کی مخصوص کتابوں میں مذکور ہیں۔[3] لیکن شیعہ مذہب میں اس مسئلے پر تنقید کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ اب جب کہ ان کی کتابیں عام اور منتشر ہیں، یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے اس فضیلت کی نفی کرتے ہوئے ان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کا انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ درخت ہی تھا، جس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا تھا، لیکن ان لوگوں نے اپنے امام کے متعلق امور میں اس منہج کو نہیں اپنایا اور ائمہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنی گفتگو میں اس مسئلے کو بھول چکے ہیں، ان کی معتبر کتاب ''بحار الأنوار'' میں اس عنوان ''اللہ تعالیٰ نے اس سے سرگوشی کی''[4] کے ساتھ ایک باب ذکر ہوا ہے، جس میں اس نے اس معنی کی متعدد روایات وکر کی ہیں، جنھیں اس نے حسبِ عادت اپنی معتبر کتابوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت کہتی ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو براءت دے کر بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی کی:

''تم اس کو چھوڑتے ہو، جس کے ساتھ میں نے کئی مرتبہ سرگوشی کی ہے اور اس کو بھیجتے ہو، جس کے ساتھ میں نے سرگوشی نہیں کی؟''[5]

تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں بلایا اور ان سے براءت لے لی اور علی کو دی تو علی نے کہا: اے اللہ کے

---

[1] البیهقي: الاعتقاد (ص: ۳۳)

[2] مجموع فتاویٰ شیخ السلام (۱۲/ ۴۱۸)

[3] دیکھیں: صفحہ نمبر (۵۸۵) حاشیہ نمبر (۱)

[4] بحار الأنوار (۳۹/ ۱۵۱)

[5] یہاں دیکھیں: اللہ تعالیٰ نے ۔ان کے دعوے کے مطابق۔ اپنے رسول کی سرزنش کی ہے اور ان کی غلطی بیان کی ہے .. یہ بات اس عصمتِ مطلقہ کے خلاف ہے، جس کے ساتھ یہ لوگ اپنے ائمہ اور رسول اللہ ﷺ کو موصوف کرتے ہیں، لہٰذا تناقض ان کی نصوص کی عام اور ظاہر علامت ہے!!

رسول! مجھے وصیت کیجیے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا:

''اللہ تعالیٰ تجھے وصیت کریں گے اور وہ تمھارے ساتھ سرگوشی کریں گے۔ وہ کہتے ہیں: تو براءت والے دن اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلی نماز سے پہلے سے لے کر عصر کی نماز تک سرگوشی کی۔''[1]

ایک دوسری روایت کہتی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے طائف، عقبہ، تبوک اور حنین کے دن اس سے یعنی علی سے سرگوشی کی۔''[2]

''بصائر الدرجات''، ''الاختصاص'' اور ''بحار الأنوار'' میں ایک روایت ہے، جو کہتی ہے:

''ابوعبداللہ سے مروی ہے۔ کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اہلِ طائف سے کہا: میں تمھارے پاس اپنی طرح کا ایک آدمی بھیجوں گا، اللہ اس کے ہاتھوں خیبر فتح کرے گا، اس کا کوڑا اس کی تلوار ہوگی (پھر روایت ذکر کرتی ہے کہ حضرت علی کو اس مہم کے لیے منتخب کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ ان کو بعد میں جا ملے، جب وہاں پہنچے) تو حضرت علی پہاڑ کے اوپر تھے، آپ ﷺ نے ان سے کہا: ٹھہر جا، وہ ٹھہر گیا، ہم نے گرج سنی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کر رہے ہیں۔''[3]

اس بات سے صَرفِ نظر کہ اس میں کتنی تاریخی غلطیاں ہیں، اس نے خیبر اور طائف کی فتح کو خلط ملط کر دیا ہے۔ یہ دیکھیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو تشبیہ دی گئی ہے، اس کی اس بات ''مِثْلَ صَرِيْرِ الزَّجَلِ'' (کڑک کی آواز کی طرح) میں تجسیم اور تمثیل کا عنصر واضح ہے۔

یہاں یہ روایت کوئی ایسا اشارہ نہیں کرتی کہ حضرت علی نے یہ آواز درخت وغیرہ سے سنی ہو، لہٰذا اس میں کون سی حیرت کی بات ہے کہ کبھی یہ تعطیل محض کا مذہب اختیار کر لیں تو کبھی تجسیم کا؟ کیا یہ روایات ان ادوار کی نمایندگی نہیں کرتیں، جن سے شیعیت کے مراحل گزرتے رہے ہیں، یعنی جب شیعہ مجسّمہ تھے، پھر تیسری صدی میں جب اعتزال کی آندھی چلی تو یہ تعطیل کے مرحلے میں داخل ہوگئے!

یا یہ بات ہے کہ ان روایات کو وضع کرنے والے ہر فرقے کی نمایندگی کرتے ہیں اور ہر کوئی ایسی روایات وضع کر لیتا ہے، جو اس کو اس کا عقیدہ لکھاتا ہے؟!

---

[1] بحار الأنوار (٣٩/ ١٥٥)

[2] بحار الأنوار (٣٩/ ١٥٤) الاختصاص (ص: ٣٢٨)

[3] المفيد: الاختصاص (ص: ٢٠٠۔ ٢٠١) بحار الأنوار (٣٩/ ١٥٥۔ ١٥٦) الصفار: بصائر الدرجات (المصدر السابق)

البتہ شیعیت ایسی چیز ہے جو بلا تفریق ان تمام کو گلے لگا لیتی ہے، کیوں کہ علی کی محبت ایسی نیکی ہے، جس کے سامنے سب برائیاں ہیچ ہیں، جس طرح ان کا کہنا ہے، لیکن جس روایت کی یہ کوئی علت بیان کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے ان کے سامنے تقیے کی جائے پناہ کے سوا اور کوئی راہِ فرار نہیں ہوتی، ان کا کوئی بھی عالم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کون سا قول تقیہ ہے، سوائے یہ کہ جو عامہ (اہلِ سنت) کی مخالفت کرے، اس میں ہدایت ہے، لیکن کاش وہ یہ کہتے: جو قرآن کے موافق ہو، وہ حق ہے اس کے سوا باقی سب تقیہ!

اس کے بعد کیا ان کے مذہب کا فساد بیان کرنے کے لیے یہی کافی نہیں کہ یہ امت میں ایک نامانوس عنصر ہے، جو اہلِ بیت کے مذہب اور ان کی اہلِ سنت کی روایات کے موافق روایات کے خلاف ہے، نیز ان کی تمام روایات متناقض اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں؟!

دوسرا مسئلہ: دیدارِ الٰہی کا مسئلہ:

اہلِ جنت کے لیے دیدارِ الٰہی احاطہ و کیفیت کے بغیر حق ہے، جس طرح ہمارے رب کی کتاب ناطق ہے:

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ [القيامة: ٢٢۔ ٢٣][1]

''اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔''

نیز دیدارِ الٰہی پر دلالت کرنے والی احادیثِ رسول متواتر ہیں، جنھیں اصحابِ صحاح و مسانید اور سنن نے روایت کیا ہے۔[2] صحابہ کرام، تابعینِ عظام، ائمہ اسلام اور اہلِ سنت والجماعت کی طرف منسوب تمام اہلِ کلام فرقے ثبوت دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں۔[3] اس مسئلے میں ان کی جہمیہ، معتزلہ اور ان کے ہم نوا خوارج اور امامیہ نے مخالفت کی ہے[4]، لیکن ان کا یہ قول کتاب و سنت اور اجماعِ سلف کی روشنی میں مردود اور باطل ہے۔[5]

یہاں میں شیعہ ماخذ سے ان کا قول ذکر کرتا ہوں۔ شیعہ امامیہ نے معتزلہ کی نقل اور پیروی میں دیدارِ الٰہی

[1] نیز دیکھیں: شرح الطحاوية (ص: ١٤٦)

[2] علي بن أبي العز: شرح الطحاوية (ص: ١٥١)

[3] علي بن أبي العز: شرح الطحاوية (ص: ١٤٦)

[4] المصدر السابق.

[5] دیکھیں: الرد على الزنادقة والجهمية للإمام أحمد (ص: ٨٥) رد الإمام الدارمي عثمان بن سعيد على المريسي العنيد (ص: ٤١٣) شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي (٣/ ٤٥٤) نیز دیکھیں: التصديق بالنظر إلى الله في الآخرة للآجري، ضوء الساري إلى معرفة رؤية الباري لأبي شامة، والتبصرة للشيرازي (ص:٢٢٩) شرح الطحاوية (ص: ١٤٦) مختصر الصواعق المرسلة (ص: ١٧٩)

کی نفی کا مذہب اختیار کیا ہے، اس سلسلے میں شیعہ کی کئی روایات نقل ہوئی ہیں، جن کو ابن بابویہ نے اپنی کتاب "التوحید" میں ذکر کیا ہے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو صاحبِ "بحار الأنوار" نے جمع کیا ہے۔

یہ روایات ان نصوص اور عبارات کی نفی کرتی ہیں، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ مومن آخرت میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ مثال کے طور پر شیعہ کی ایک روایت ابو عبداللہ جعفر صادق پر الزام تراشی کرتے ہوئے کہتی ہے:

"ان سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کو آخرت میں دیکھا جائے گا؟ تو انھوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ آنکھیں صرف اسے دیکھ سکتی ہیں، جس کا کوئی رنگ اور کیفیت ہو، جب کہ اللہ تعالیٰ رنگوں اور کیفیت کا خالق ہے۔"[1]

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حجت جو اس روایت کو جعفر کے نام پر وضع کرنے والوں نے پیش کی ہے، وہ وجودِ حق کی نفی پر مشتمل ہے، کیوں کہ جس کی مطلقاً کوئی کیفیت نہ ہو، اس کا وجود نہیں ہوتا۔ اس لیے جب سے استوا (اللہ کا عرش پر مستوی اور براجمان ہونا) کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: استوا کا معنی معلوم ہے اور اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔[2] انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اس کی کیفیت ہی نہیں۔ یہاں کیفیت کے متعلق بشر کے علم کی نفی کی گئی ہے نہ کہ کیفیت کی ذات کی، اس طرح یہ بات اس روایت کے بھی منافی ہے، جو کافی کے مصنف نے ابو عبداللہ سے بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا:

"لیکن یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ اس کی کیفیت ہے، جس کا اس کے علاوہ کوئی دوسرا استحقاق نہیں رکھتا نہ اس میں کوئی شریک ہے نہ اس کا احاطہ کیا جا سکتا اور نہ اس کے علاوہ کوئی اس کو جانتا ہی ہے۔"[3]

شیعہ کے عالم اور آیت اللہ کشف الغطا کے مصنف جعفر نجفی نے کہا ہے:

---

[1] بحار الأنوار (٤/ ٣١) مجلسی نے اس روایت کو صدوق کی امالی کی طرف منسوب کیا ہے۔

[2] یہ اثر اس معنی میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، اس کو لالکائی نے اپنی سند کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موقوف روایت کیا ہے۔ (شرح أصول اعتقاد أهل السنة: ٣/ ٣٩٧) اس کو حافظ ابن حجر نے بھی ذکر کیا ہے۔ (فتح الباري: ١٣/ ٤٠٦) شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے: "یہ جواب ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موقوف اور مرفوع روایت ہوا ہے، لیکن اس کی سند قابلِ اعتماد نہیں۔ (الفتاویٰ: ٥/ ٣٦٥) اسی طرح یہی جواب امام مالک کے استاذ ربیعہ سے بھی منقول ہے اور متعدد طرق سے امام مالک سے بھی مروی ہے۔ (المصدر السابق) اس کو لالکائی، بیہقی، بغوی اور سیوطی نے دونوں سے روایت کیا ہے۔ (شرح أصول اعتقاد أهل السنة: ٣/ ٣٩٨). البيهقي: الأسماء والصفات (ص: ٤٠٨۔ ٤٠٩) البغوي: شرح السنة (١/ ١٧١) السيوطي: الدر المنثور (٣/ ٩١)

[3] أصول الكافي (١/ ٨٥)

''اگر کسی نے اللہ کی طرف بعض صفات، جیسے دیدار وغیرہ ہے، کی نسبت کی، تو اس پر مرتد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔''[1]

حر عاملی نے دیدار کی نفی کو ائمہ کے اصول سے قرار دیا ہے اور اس نے اس مقصد کے لیے اس عنوان ''اللہ کو دنیا و آخرت میں کوئی آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ کوئی بصارت اس کا ادراک ہی کر سکتی ہے'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔[2]

چناں چہ ان لوگوں کا آخرت میں مومنوں کے اپنے رب کا دیدار کرنے سے انکار اور اس کی نفی شرعی نصوص سے خروج اور اہلِ بیت کے مذہب سے بھی خروج ہے، جس کا ان کی بعض روایات کو بھی اعتراف ہے۔

ابن بابویہ نے ابوبصیر سے روایت کیا ہے:

''وہ ابوعبداللہ سے نقل کرتا ہے کہ میں نے ان سے پوچھا: مجھے بتایئے! کیا مومن اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ہاں۔''[3]

تیسرا مسئلہ: نزولِ باری تعالیٰ:

دیدارِ الٰہی کی طرح نزولِ الٰہی کا مسئلہ بھی ہے، جو سنتِ رسول ﷺ میں مشہور و مستفیض ہے اور امت کے سلف صالحین، ائمہ عظام اور حدیث و سنت کے علما اس کی تصدیق و تلقی بالقبول اور اللہ جل جلالہ کی شان و عظمت کے لائق اس کے اثبات پر متفق ہیں۔[4]

لیکن اثنا عشریہ کے ہاں ایسی روایت ذکر ہوئی ہیں، جو انھوں نے آلِ بیت کی طرف منسوب کرتی ہیں اور وہ اس حقیقت کا انکار کرتی ہیں،[5] جب کہ دوسری طرف ان کی ایسی روایات بھی موجود ہیں، جو نزولِ الٰہی کو ثابت کرتی ہیں اور یہی وہ روایات ہیں، جو اہلِ سنت کے ان (اہلِ بیت) سے نقل کے ساتھ متفق ہیں۔

شیعہ کی کتابوں میں مذکور ہے:

---

[1] كشف الغطا (ص: ٤١٧)

[2] الفصول المهمة في أصول الأئمة (ص: ١٢)

[3] ابن بابويه: التوحيد (١١٧) بحار الأنوار (٤/ ٤٤) نیز دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٤٥٠) رقم (٨٤٨)

[4] ابن تيمية: شرح حديث النزول (ص: ٦) نیز دیکھیں: الرد على الجهمية للإمام أبي سعيد الدارمي (ص: ٢٨٤) و رد الإمام عثمان بن سعيد على المريسي العنيد (ص: ٣٧٧) السنة: لابن أبي عاصم (١/ ٢١٦) شرح أصول اعتقاد أهل السنة اللالكائي (٣/ ٤٣٤)

[5] اس کے متعلق شیعہ روایات کے لیے دیکھیں: أصول الكافي (١/ ١٢٥۔ ١٢٧) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٣/ ٣١١۔ ٣١٤)

''ایک سائل نے ابوعبداللہ سے کہا: کیا آپ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ آسمانِ دنیا میں اترتا ہے؟
ابوعبداللہ نے کہا: ہم اس کے قائل ہیں، کیوں کہ اس سلسلے کی روایات اور احادیث صحیح ہیں۔''[1]

یہی مفہوم شیعہ کی اصولِ تفاسیر کی اساس تفسیر قمی میں بھی مذکور ہے، جس طرح بحار کے مصنف نے اس کو ثابت کیا ہے۔[2] اگرچہ کتاب کے ناشر اور تعلیق نگار نے اس پر ایسا اضافہ کیا ہے، جو اس کا معنی بدل دیتا ہے،[3] لیکن وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ نص کا باقی حصہ اس کے اضافے کو بے نقاب کرتا ہے۔[4]

اس طرز پر ان کی روایات میں اختلاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا ایک حصہ بلا ریب باطل ہے اور یقیناً وہ روایات جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے موافق ہیں، وہی درست ہیں، چاہے شیعہ علما معتزلہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ان سے اعراض ہی کیوں نہ کریں۔

پھر اس باب میں امامیہ کے متقدم علما کے ان کے متاخر شیوخ کے ساتھ اختلاف سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ گمراہی پر گامزن ہے اور اس بنا پر ''یہ بات لازماً ثابت ہوتی ہے کہ شیعہ متقدم یا متاخر علما توحید کے مسئلے میں گمراہ ہوئے ہیں۔''[5] بلکہ ان کی ایسی روایات بھی منقول ہیں، جو کہتی ہیں کہ ائمہ نے متقدمین شیعہ کے اِثبات میں غلو اور متاخر شیعہ کے تعطیل میں غلو کی درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافی کے مولف نے یہ باب قائم کیا ہے: ''جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بیان کیا ہے، اس کے علاوہ کسی دوسری صفت کے ساتھ اس کو موصوف کرنے کی ممانعت'' اس میں مولف نے اپنے ائمہ سے ۱۲ روایات نقل کی ہیں۔[6]

مولف کافی نے اس باب کے افتتاح میں یہ روایت ذکر کی ہے:

---

[1] بحار الأنوار (۳/ ۲۳۱) مجلسی نے یہ روایت ابن بابویہ کی کتاب ''التوحید'' کی طرف منسوب کی ہے۔ میں نے کتاب کو دیکھا تو اس میں مجھے یہ روایت ملی، لیکن وہ عبارت جو نزول پر دلالت کرتی ہے، وہ محذوف تھی، لیکن کتاب کے محقق نے حاشیے میں اشارہ کیا ہے کہ کتاب کے بعض قلمی نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، لیکن اس نے اس کو متن میں نہیں لکھا، کیوں کہ وہ اس کے مسلک کے خلاف ہے۔ دیکھیں: التوحید لابن بابویه (ص: ۲٤۸)

[2] بحار الأنوار (۳/ ۳۱۵)

[3] اس نے کہا ہے: ''ینزل أمره'' یعنی اس کا حکم نازل ہوتا ہے۔ (تفسیر القمي: ۲/ ۲۰٤)

[4] وہ نص اس طرح ذکر ہوئی ہے: ''رب تبارک وتعالیٰ ہر رات اترتے ہیں، جب فجر طلوع ہو جاتی ہے تو رب اپنے عرش کی طرف لوٹ آتے ہیں۔'' (بحار الأنور: ۳/ ۳۱۵، تفسیر القمي: ۲/ ۲۰٤) یہاں اس کے اس قول ''پھر رب اپنے عرش کی طرف لوٹ آتا ہے۔'' میں اِثبات میں غلو مخفی نہیں۔

[5] منهاج السنة (۱/ ۲۷۵)

[6] دیکھیں: أصول الكافي (۱/ ۱۰۰۔ ۱۰٤)

''عبدالرحیم بن عتیک قصیر نے کہا: میں نے عبدالملک بن اعین کے ہاتھوں ابوعبداللہ کو یہ لکھوایا: عراق میں کچھ ایسے لوگ ہیں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو شکل وصورت اور نقش و نگار بنا کر بیان کرتے ہیں تو انھوں نے مجھے جواب میں لکھا: تم نے ۔اللہ تم پر رحم کرے۔ توحید اور اپنے کچھ لوگوں کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا ہے تو اللہ بلند ہے، جس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ وہ سمیع اور بصیر ہے، وہ اس سے بلند ہے، جس سے اس کو بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں، جو اللہ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اللہ پر افترا کرتے ہیں، جان لو! ۔اللہ تم پر رحم کرے۔ توحید میں صحیح مذہب وہی ہے جو صفاتِ قرآن میں نازل ہوئی ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے بطلان اور تشبیہ کی نفی کر، لہٰذا نفی ہے نہ تشبیہ ہے۔[1] قرآن سے تجاوز نہ کرو، وگرنہ تم بیان کرنے کے بعد بھی گمراہ ہوجاؤ گے۔''[2]

مفضل سے مروی ہے کہ میں نے ابوالحسن سے صفت کے متعلق کچھ پوچھا تو انھوں نے کہا:

''جو قرآن میں موجود ہے، اس سے تجاوز نہ کر۔''[3]

ملاحظہ کیجیے کہ یہ روایت جو ان کی کتبِ اربعہ میں سے صحیح ترین کتاب میں وارد ہوئی ہے، انھیں قرآن میں صفات کے متعلق نازل شدہ آیات کی پیروی کا حکم دیتی ہے، لہٰذا جس شخص نے معتزلہ کی پیروی کی یا عقل کو فیصل بنایا اور کتاب اللہ سے اعراض کیا، اس نے کتاب اللہ کی پیروی کی نہ اپنے امام کی وصیت پر عمل کیا۔

رضا نے کہا ہے:

''لوگوں کے توحید میں تین مذاہب ہیں: نفی، تشبیہ اور اثبات بغیر تشبیہ۔ نفی کا مذہب جائز نہیں، نہ تشبیہ کا مذہب ہی جائز ہے، کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز مشابہ نہیں اور صحیح راہ تیسرے

---

[1] سلف کا مذہب دونوں مذاہب کے درمیان اور دونوں گمراہیوں کے درمیان ہدایت ہے، جو صفات کے اثبات اور مخلوقات کی مماثلت سے نفی پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ: ١١] ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔'' اہلِ تشبیہ اور تمثیل کا رد ہے اور یہ فرمان: ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشوریٰ: ١١] (وہ سمیع اور بصیر ہے) اہلِ نفی اور تعطیل کا رد ہے۔ (دیکھیں: مجموع فتاویٰ: شیخ الإسلام: ٥/ ١٩٦) لیکن لفظِ تشبیہ لوگوں کے کلام میں مجمل ہو چکا ہے، جس سے صحیح معنی بھی مراد لیا جاتا ہے، جو یہ ہے کہ جس کی قرآن نے نفی کی ہے اور عقل نے دلالت کی ہے کہ وہ یہ ہے کہ رب کی صفات میں سے کسی صفت کو بھی مخلوقات میں سے کسی چیز کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاتا اور اس سے باطل معنی بھی مراد لیا جاتا ہے، جو یہ ہے کہ اللہ کے لیے کوئی صفت بھی ثابت نہیں۔ دیکھیں: شرح الطحاوية (ص: ٤٠)

[2] أصول الكافي (١/ ١٠٠)

[3] المصدر السابق (١/ ١٠٢)

طریقے اثبات بلاتشبیہ میں ہے۔‘‘[1]

چناں چہ اولین شیعہ نے تشبیہ کا مذہب اختیار کیا اور ان کے بعد آنے والوں نے نفی کا مسلک اپنایا اور درمیانے مذہب سے، جو ائمہ کا مذہب ہے جس طرح ان کے اقتباسات یہ بات ثابت کرتے ہیں، انھوں نے صَرفِ نظر کیا، جس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ اس باب میں کسی ٹھوس چیز پر قائم ہیں نہ انھوں نے قرآن وسنت کا منہج اپنایا نہ ائمہ کے طریق کو اپنایا، جن کے متعلق ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ان کے لیے نمونہ ہیں، بلکہ پہلے وہ اہلِ تمثیل کے ساتھ چلے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ: ۱۱] ’’اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔‘‘ کی مخالفت کی، پھر انھوں نے اہلِ اعتزال کا مسلک اپنایا اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے وارد شدہ نصوصِ صفات سے اعراض کیا۔

---

[1] بحار الأنوار (۳/ ۲۶۳)

تیسری بحث

شیعہ کا اپنے ائمہ کو اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کے ساتھ موصوف کرنا

یہ امر شیعہ کے تفردات میں سے ہے اور اس مسئلے میں وہ امت سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ اگر ایک طرف شیعہ کے پہلے علما نے خالق سبحانہ وتعالیٰ کو مخلوقات کی صفات کے ساتھ تشبیہ دی اور ان کی تجسیم میں اس غلو پر مبنی فکر کو ایک دوسرے موقف یعنی تعطیل کا سامنا کرنا پڑا، جس کو ان کے پہلے موقف کا ردعمل بھی قرار دیا جا سکتا ہے تو دوسری طرف انھوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو معدوم اشیا، جمادات اور ناممکنات کے ساتھ تشبیہ دینا شروع کر دی اور اسما و صفات کی نصوص کو معطل کر دیا۔

چناں چہ ان لوگوں نے نہ اپنے پہلے مذہب میں نہ دوسرے مذہب ہی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس طرح موصوف کیا، جس طرح اس نے خود اپنی ذات کو اور اس کو اس کے رسول نے بیان کیا ہے۔ اگر بات یہی ہے تو انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ معاملہ ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گیا کہ انھوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مخصوص اور واجب اسما و صفات کے ساتھ بعض انسانوں (ائمہ) کو موصوف کرنا شروع کر دیا، اس طرح انھوں نے مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے کا ایک تیسرا مذہب نکال لیا اور اس موقف میں انھوں نے عیسائیوں کی مشابہت کی، جس طرح پہلے مذہب یعنی مذہبِ تجسیم میں یہودیوں کی مشابہت کی تھی۔

اس طرح ان لوگوں نے یہ دعویٰ پیش کر کے کہ ائمہ اللہ کے اسما ہیں، امتِ محمد ﷺ میں ایک تیسری بدعت پیش کر دی، لہٰذا ان کے دعوے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے وہ اسما، جو اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں، وہ بارہ اماموں سے عبارت ہیں۔ یہ موقف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ سے محروم اور معطل کرنے اور انھیں بشر کو عطا کر دینے پر مشتمل ہے، بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ''معصوم'' سے نص ذکر ہوئی ہے، جو سراسر بہت بڑا بہتان ہے۔ ہلاکت ہو ان کے لیے جو وہ افترا پردازی کرتے ہیں۔

کلینی نے اصولِ کافی میں ابو عبداللہ سے اس آیت: ﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ۱۸۰] ''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو۔'' کے متعلق روایت کیا ہے

کہ انھوں نے کہا:

''ہم ہی، خدا کی قسم! وہ اسمائے حسنیٰ ہیں کہ ہماری معرفت کے بغیر اللہ تعالیٰ بندوں سے کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔''[1]

اس مفہوم کو اساطینِ مذہب نے جعفر صادق وغیرہ کی طرف منسوب بہت ساری روایات میں نقل کیا ہے۔[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [الأعراف: ١٨٠] ''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں۔''

جب کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہی اسمائے حسنیٰ ہیں۔ اس سے بڑھ کر اللہ اور اس کی کتاب کی اور کون سی مخالفت ہوسکتی ہے؟ انہی اندھیری نصوص کے سرچشموں اور گندے جوہڑوں سے ائمہ کو خدائی کا درجہ دینے والے ملحد باطنی فرقے اپنے نفس کو سیراب کرتے ہیں۔ یہ پہلی روایت جو بات اِجمال کے قالب میں کہتی ہے، ان کی دوسری روایات اسی کو تفصیلاً نقل کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''ابوجعفر نے کہا: ہم اللہ کا چہرہ ہیں۔ ہم ہی زمین میں تمھارے درمیان اِدھر اُدھر ہوتے ہیں، اللہ کی اس کی مخلوق میں ہم اللہ کی آنکھ اور اس کا اس کے بندوں کے سر پر رحمت کے ساتھ پھیلا ہوا ہاتھ ہیں۔ جس نے ہمیں جان لیا، اس نے جان لیا اور جس نے ہمیں نہ پہچانا، اس نے ہمیں نہ پہچانا۔''[3]

ابوعبداللہ سے مروی ہے:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا تو ہماری شکل اچھی بنائی اور ہمیں اپنے بندوں میں اپنی آنکھ، مخلوق میں زبان ناطق اور بندوں پر رحمت وشفقت سے بھرا ہاتھ بنا دیا۔ ہمیں اس نے اپنا وہ چہرہ بنا دیا، جس سے اس کے پاس آیا جاتا ہے، ہمیں اپنا وہ دروازہ بنا دیا، جو اس کی طرف راہ دکھاتا ہے اور زمین و آسمان میں اپنا خزانہ بردار اور نگہبان بنا دیا۔ ہماری ہی وجہ سے درختوں پر پھل آیا، پھل پکے اور نہریں جاری ہوئیں اور ہمارے ساتھ ہی آسمان سے بارش برستی ہے اور زمین سے گھاس اُگتی ہے اور ہماری عبادت کی وجہ سے اللہ کی عبادت کی گئی ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت بھی نہ ہوتی۔''[4]

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٤٣۔ ١٤٤)

[2] دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ٤٢) المفيد: الاختصاص (ص: ٢٥٢) المجلسي: بحار الأنوار (٩٤/ ٢٢) النوري الطبرسي: مستدرك الوسائل (١/ ٣٧١) البرهان (٢/ ٥٢) تفسير الصافي (٢/ ٢٥٤۔ ٢٥٥)

[3] أصول الكافي (١/ ١٤٣) البرهان (٣/ ٢٤٠)

[4] أصول الكافي (١/ ١٤٤) ابن بابويه: التوحيد (ص: ١٥١۔ ١٥٢) بحار الأنوار (٢٤/ ١٩٧) البرهان (٣/ ٢٤٠۔ ٢٤١)

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ امیر المومنین نے کہا:

''میں اللہ کی آنکھ، اللہ کا ہاتھ، اللہ کا پہلو اور اللہ کا دروازہ ہوں۔''[1]

شیعہ کے افترا کے مطابق انھوں نے مزید کہا:

''میں اللہ کا علم، اللہ کا یاد رکھنے والا دل اور اللہ کی دیکھنے والی آنکھ ہوں۔ میں ہی اللہ کا پہلو اور اس کا ہاتھ ہوں۔''[2]

ابن بابویہ کی کتاب ''التوحید'' میں ہے کہ ابوعبداللہ نے کہا:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس کی رحمت سے ایک مخلوق ہے، جن کو اس نے اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔ وہ اللہ کی دیکھنے والی آنکھ، اس کے سننے والے کان اور اس کی مخلوق میں اس کی اجازت سے اس کی بولنے والی زبان ہیں۔ ان کے ساتھ وہ برائیاں مٹا دیتا ہے، ان کے ساتھ ظلم دور کرتا ہے، ان کے ساتھ رحمت نازل کرتا ہے، ان کے ساتھ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور ان کے ہاتھوں ہی اپنی مخلوق کو آزماتا ہے اور انہی کے ساتھ اپنی مخلوق کے فیصلے نپٹاتا ہے۔''[3]

مجلسی نے ایسی ۳۶ روایات ذکر کی ہیں، جو کہتی ہیں کہ ائمہ اللہ کا چہرہ اور اس کا ہاتھ ہیں۔[4] رجال الکشی وغیرہ میں ہے، ان لوگوں کے افترا کے مطابق کہ حضرت علی نے کہا:

''میں اللہ کا چہرہ، اللہ کا پہلو، میں اول، میں آخر، میں ظاہر اور میں ہی باطن ہوں۔''[5]

شیعہ کے اکثر معتمد مصادر میں ایسی بہت ساری روایات منقول ہیں، جو ان آیات:

1. ﴿ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ [الرحمن: ٢٧]

''اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔''

2. ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ [القصص: ٨٨]

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر اس کا چہرہ۔''

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٤٥) بحار الأنوار (٢٤/ ١٩٤)

[2] ابن بابويه: التوحيد (ص: ١٦٤) بحار الأنوار (٢٤/ ١٩٨)

[3] التوحيد (ص: ١٦٧)

[4] بحار الأنوار (٢٤/ ١٩١۔ ٢٠٣)

[5] رجال الكشي (ص: ٢١١) رقم (٣٧٤) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٩٤/ ١٨٠) بصائر الدرجات (ص: ١٥١)

کی تفسیر میں جعفر سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''ہم اللہ کا چہرہ ہیں۔''[1]

اور فرمایا: ''ہم ہی وہ چہرہ ہیں، جس کی طرف سے اللہ کے پاس آیا جاتا ہے۔''[2]

نیز فرمایا: ''ہم اللہ کا وہ چہرہ ہیں، جو ہلاک نہیں ہوتا۔''[3] اس مفہوم کی دیگر روایات بھی موجود ہیں۔[4]

اسی طرح تفسیر عیاشی میں ایک طویل روایت مذکور ہے، جس کو سن کر مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قیامت کے دن گزرنے والے حالات بیان کرتے ہوئے ائمہ کی زبان سے اپنے آخر میں کہتی ہے:

''پھر ہم کو لایا جائے گا، تو ہم اپنے رب کے عرش پر بیٹھ جائیں گے...۔''[5]

اس بہتان اور افترا سے اللہ کی پناہ! یہ اور اس طرح کی ان کی بہت زیادہ روایات ہیں، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسما وصفات کی امام اور ائمہ کے ساتھ تفسیر کرتی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے رب سبحانہ وتعالیٰ کی بعض صفات بھی ائمہ پر چڑھا دی ہیں، جس طرح غیب کا علم ہے، اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے صاحبِ کافی نے اس عنوان ''ائمہ ما کان وما یکون کا علم جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں روایات کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے۔[6] اسی طرح اس عنوان ''ائمہ جب جاننا چاہیں جان لیتے ہیں''[7] کے ساتھ ایک دوسرا باب قائم کیا ہے اور اس میں بھی چند روایات ذکر کی ہیں۔ ان ابواب کی چند ایک روایات درج ذیل ہیں۔

ابو عبداللہ نے کہا، جس طرح یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کیا ہے، مجھے خوب علم ہے کہ جنت اور دوزخ میں کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کیا ہوا اور کیا ہونا ہے۔''[8]

سیف التمار سے مروی ہے کہ ہم حطیم میں شیعہ کی ایک جماعت ابو عبداللہ کے ساتھ تھے تو انھوں نے کہا:

---

[1] شیعہ کتب سے اس روایت کی تخریج صفحہ (۱۹۵، ۱۹۶) پر گزر چکی ہے۔

[2] شیعہ کتب سے اس روایت کی تخریج صفحہ (۱۹۵، ۱۹۶) پر گزر چکی ہے۔

[3] ابن بابويه: التوحيد (ص: ۱۵۰) بحار الأنوار (۲٤/ ۲۰۱) تفسير الصافي (٤/ ۱۰۸) البرهان (۳/ ۲٤۱)

[4] دیکھیں: ابن بابويه: التوحيد، باب تفسير كل شيء هالك إلا وجهه (ص: ۱٤۹۔ ۱۵۳) بحار الأنوار (۲٤/ ۱۹۱ وما بعدها) تفسیر برہان میں اس مفہوم کی ۱۳ روایات ہیں، جن کو اس نے ان کی معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے۔ دیکھیں: البرهان (۳۰/ ۲٤۰۔ ۲٤۲)

[5] تفسير العياشي (۲/ ۳۱۲) البحراني: البرهان (۲/ ٤۳۹) المجلسي: بحار الأنوار (۳/ ۳۰۲) ط: كمباني.

[6] دیکھیں: أصول الكافي (۱/ ۲٦۰۔ ۲٦۲)

[7] المصدر السابق (۱/ ۲۵۸)

[8] المصدر السابق (۱/ ۲٦۱)

''کیا ہمیں کوئی دیکھ رہا ہے؟ ہم دائیں بائیں متوجہ ہوئے، لیکن ہم نے کسی کو نہ دیکھا، تو ہم نے کہا: ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا تو انھوں نے کہا: تین مرتبہ ربِ کعبہ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر میں موسیٰ اور خضر کے درمیان ہوتا تو میں ان کو خبر دیتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور ان کو ان چیزوں کی خبر دیتا، جو ان کے سامنے نہ ہوتیں، کیوں کہ موسیٰ اور خضر کو ''ما کان'' کا علم تو دیا گیا، مگر ''ما یکون'' اور جو قیامت تک ہونے والا ہے، اس کا علم نہیں دیا گیا، جو ہم کو رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملا ہے۔''[1]

اب یہ کلمات کسی تبصرے کے محتاج نہیں۔ یہ اقوال باطنی مذاہب کا کوڑا ہیں، جس کا مسلمانوں کے ماضی میں وجود تھا، جو حضرت علی اور ائمہ کو خدا کا درجہ دیتے تھے، ان کو اثنا عشریہ نے اپنے مذہب کے بنیادی ڈھانچے میں بالاستیعاب شامل کر لیا ہے۔ یہ لوگ ان تراشیدہ باتوں اور الزامات کو اہلِ بیت کے نام لگاتے ہیں، تاکہ ان کا سہارا لے کر اپنا مذہب پھیلا سکیں، وگرنہ جو کہتا ہے: ''میں اول و آخر اور ظاہر و باطن ہوں۔''[2] کیا اس کا قول فرعون کے قول سے مختلف ہے، جس نے کہا تھا کہ ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی''، میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں؟''

پھر الکشی اور طوسی کی طرح کے اساطینِ مذہب شیعہ اس الحاد کو نقل کرنے کی کس طرح جرأت کرتے ہیں اور کلینی کو اپنے اسلام کا ثقہ شخص کس طرح قرار دیتے ہیں، حالاں کہ وہ اور اس کے ہم نوا اس صریح کفر کو نقل کرتے ہیں؟ کیا اب بھی کسی کے لیے عذر خواہی کی گنجایش ہے؟

شیعہ کے عالم مجلسی نے اس باب میں وارد ہونے والی بعض نصوص کی تفسیر میں مجاز کا سہارا لیتے ہوئے کہا ہے:

''کلامِ عرب میں یہ مجازات شائع اور عام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ''لفلان وجه عند الناس'' و ''لفلان ید علی فلان'' وغیرہ۔ وجہ جہت پر بولا جاتا ہے، لہٰذا ائمہ وہ جہت ہیں، جن کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان کی طرف توجہ کیے بغیر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا جاتا اور ہر چیز مٹ جانے والی اور تباہ ہونے والی اور کمزور ہے، ما سوائے ان کے دین، طریقے اور اطاعت کے۔ وہ اللہ کی آنکھ ہیں، یعنی اس کے بندوں پر گواہ ہیں، جس طرح آدمی معاملات پر اطلاع پانے کے لیے اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے، ایسے ہی اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے، تاکہ وہ اللہ کی طرف سے ان پر گواہ ہوں اور ان کے معاملات پر نگاہ رکھیں۔ ہاتھ کا نعمت، رحمت اور قدرت پر اطلاق عام اور شائع ہے، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تامہ، اس کی پھیلی ہوئی رحمت اور اس کی قدرت کاملہ کے

[1] المصدر السابق (١/ ٢٦٠۔ ٢٦١)

[2] دیکھیں: صفحہ نمبر (٦٠١)

مظاہر ہیں۔ پہلو جانب اور طرف کو کہتے ہیں، لہٰذا وہ جانب ہیں، جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو توجہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ لفظ یہ احتمال بھی رکھتا ہے کہ یہ اس بات سے کنایہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ان کا قرب حاصل کیے بغیر ممکن نہیں، جس طرح بادشاہ کا قرب اس کے حاشیہ برداروں کے سبب حاصل ہوتا ہے۔‘‘[1]

یہ عذر خواہی اس بات کی دلیل ہے کہ شیعہ کے علما اس کھلے کفر پر راضی ہیں، وگرنہ اس ظاہر الحاد کے لیے راستہ کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے؟ وہ یہاں دیوار کیوں نہیں کھینچ دیتا، تا کہ ’’شیعیت کے لباس‘‘ کو کفر کے داروغوں اور ملحدین کے سر برآوردہ اشخاص کی گندگی سے پاک کرے؟

اگر فرعون کے اس قول ’’اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی‘‘ کی تاویل درست ہے تو پھر مجلسی کی تاویل بھی صحیح ہے اور اس کی یہ تاویل باطل کی ستر پوشی اور ملاحدہ کے نظریات کا خواہش پرستی کی بنا پر دفاع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔[2]

بالفرض اگر مجاز کا قول اپنایا بھی جائے تب بھی یہاں اس کا سہارا لینے کی کوئی گنجایش نہیں، کیوں کہ لغت میں مجاز اور اصل معنی کے درمیان تعلق ملحوظِ خاطر ہوتا ہے اور ایسے قرینے کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے، جو اصل معنی مراد لینے میں مانع ہو[3]، جب کہ کلام میں اصل حقیقت ہوتی ہے۔

’’مجاز کی طرف اس وقت تک نہیں جایا جاتا، جب تک کلام کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا ناممکن نہ ہو۔‘‘[4]

اس لیے اثنا عشریہ وغیرہ کے بہت زیادہ فرقوں نے اس کے کلام کو حقیقت تصور کیا ہے اور اس کفر کے تقاضے کے مطابق ائمہ کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ رکھا ہے، جس کو اثنا عشریہ کے علما نقل کرتے ہیں۔

اس نظریے کا حق یہی تھا کہ اس کا انکار کیا جائے اور اس کی تکذیب کی جائے، کیوں کہ یہاں دعوائے مجاز کا کوئی مفہوم نہیں۔ کیا یہاں کوئی ایسا قرینہ اور تعلق موجود ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسما و صفات کے معانی ائمہ کے لیے قرار دے دیے جائیں؟ ان کے اس قول کہ ’’اللہ تعالیٰ کے یہ اسما: اول، آخر اور ظاہر و باطن، ائمہ کے اوصاف ہیں‘‘ اور اس فرمانِ ربانی: ﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ١٨٠] میں کون سا تعلق ہے؟!

---

[1] بحار الأنوار (٢٤/ ٢٠٢)

[2] دیکھیں: ابن تيمية: مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (٧/ ٨٧۔ ١١٩) مختصر الصواعق المرسلة (ص: ٢٤٢ وما بعدها)

[3] دیکھیں: كتب البلاغة العربية، مثلاً دیکھیں: المراغي: علوم البلاغة (ص: ٢٩٦) خفي ناصف و زملاؤه: البلاغة (ص: ٣٤١) ضمن قواعد اللغة.

[4] أبو شامة: ضوء الساري (ص: ١٠٦)

یہاں اس آیت میں کون سا قرینہ صارفہ ہے، جو اس کو اس کے اصل معنی سے، جو اللہ کے اسما ہیں، پھیرتا ہے؟ یہاں ایسی کوئی چیز موجود نہیں، البتہ اگر ان کا یہ دعویٰ ہو کہ ائمہ میں الٰہی جزو موجود ہے، تو یہ علاحدہ بات ہے۔ صاحبِ کافی نے ائمہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ''خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔''[1]

اگر یہی قرینہ ہے تو یہ غلو کے نظریے کی تاکید کرتا ہے، نفی نہیں اور ائمہ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک حصہ عنایت کرتا ہے۔ آپ مجلسی کے الفاظ میں ائمہ کے بارے میں غلو کے مظاہر ملاحظہ کرتے ہیں، جو انہی روایات کی صدائے بازگشت کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عرب کے اس قول "لفلان وجه عند الناس" شیعہ کے امام کے اس قول، جس طرح یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں: "أنا وجه الله" کے ساتھ موازنہ کیا جا سکے؟ اور کیا یہ بات قابلِ قبول ہے کہ اس کو اس بات کا قرینہ بنا دیا جائے کہ علی اور ائمہ ہی وہ جہت ہیں، جس کی طرف متوجہ ہونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟! کیا ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے جو ہمیں بھی دکھا سکیں؟

تمام لوگ اپنی عبادت اور دعا میں صرف ایک اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تمام مسلمان اپنی نمازوں میں صرف بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کی مخلوق میں اس کی وحی اور پیغام کے ابلاغ میں واسطے کے علاوہ کہیں کوئی واسطہ نہیں اور تبلیغ میں رسولوں کے علاوہ کوئی واسطہ اور وسیلہ نہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کے قول کے علاوہ ہر کسی کے قول کو لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے، اس کے بعد یہ کس طرح کہنا ممکن ہے کہ ائمہ وہ جہت ہیں، جس کی طرف لوگ متوجہ ہوتے ہیں؟

البتہ ان کا یہ دعویٰ کہ ''ائمہ ما کان و ما یکون کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں۔'' تو یہ صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفت ہے، جس میں اس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل: ٦٥]

''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ [الأنعام: ٥٩]

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

مزید فرمایا:

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٤٦)

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ﴾ [آل عمران: ۵]

''بے شک اللہ وہ ہے جس پر کوئی چیز نہ زمین میں چھپی رہتی ہے اور نہ آسمان میں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوق میں سب سے زیادہ افضل، رسولِ ہدایت ﷺ کو تلقین کی ہے کہ وہ کہے:

﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ [الأعراف: ۱۸۸]

''اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو ضرور بھلائیوں میں سے بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ [الأنعام: ۵۰]

''کہہ دے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔''

اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے امور اس کے سپرد کر دے اور اپنے متعلق یہ خبر دے کہ وہ مستقبل کے غیب کا کوئی علم نہیں رکھتا اور اس سلسلے میں آپ کو وہی معلوم ہوتا ہے، جس کی اللہ آپ ﷺ کو اطلاع دے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ [الجن: ۲۶، ۲۷][1]

''(وہ) غیب کو جاننے والا ہے، پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر کوئی رسول، جسے وہ پسند کر لے۔''

علماے اسلام نے ذکر کیا ہے کہ جو علم الغیب کا کچھ بھی دعویٰ کرتا ہے۔ وہ کافر ہو جاتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک سے زیادہ آیات میں علمِ غیب کی نسبت اپنی طرف کی ہے، وہ اپنے غیب پر اپنے منتخب رسولوں کے علاوہ کسی کو مطلع نہیں کرتا۔[2] یہ غیب مطلق ہے، جو تمام مخلوق سے حجاب اور پردے میں ہے[3]، ائمہ شیعہ

[1] دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (۲/ ۲۹۳)

[2] دیکھیں: تفسیر القرطبي (۷/ ۲، ۳)

[3] علما نے ذکر کیا ہے کہ غیب کی دو قسمیں ہے:

① غیب مطلق یا حقیقی غیب، جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جب غیب مطلقاً بولا جائے تو اس سے یہی مراد ہوتا ہے، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل: ٦٥]

② غیب اضافی یا مقید، یہ اس کو کہتے ہیں، جس کا علم بعض مخلوقات سے غائب ہو اور بعض سے نہ ہو۔ مثال کے طور پر جو ملائکہ اپنے جہان وغیرہ کے متعلق علم رکھتے ہیں اور اس کو بشر نہیں جانتا اور ایک وہ غیب ہوتا ہے، جس کا علم بعض انسان اس کے ←

کے متعلق ان ملحدانہ اور احمقانہ دعوؤں کے طومار کے درمیان مجھے بعض ایسی نصوص بھی ملی ہیں، جنھیں شیعہ کی کتابوں نے روایت کیا ہے اور وہ ائمہ کو ان صفات سے جدا کرتی ہیں، جو ان لوگوں نے ان کو پہنائی ہیں، جو حق جل شانہ کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔

صاحبِ کافی روایت کرتا ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا:

''ان لوگوں پر تعجب ہو، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اپنی فلاں لونڈی کو مارنا چاہا، تو وہ مجھ سے بھاگ نکلی۔ اب مجھے علم نہیں کہ وہ کس گھر میں ہے؟ ...''[1]

اگر ابو عبداللہ، جس طرح کلینی اپنی کتاب کے ابواب میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد دعویٰ کرتا ہے، جو ہو چکا ہے، اس کا علم رکھتے ہوئے اور ان پر کوئی چیز مخفی نہ ہوتی، جب وہ جاننا چاہیں، جان سکتے ہیں، تو ان پر اس لونڈی کی جگہ مخفی نہ رہتی۔

ائمہ زمانہ قدیم ہی سے ان لوگوں کے مزاعم سے شکوہ کناں رہے ہیں، جن کے اقوال صاحبِ کافی نے جمع کر کے ائمہ کی طرف منسوب کر دیے ہیں، اس لیے ان کی ایک حدیث میں ذکر ہوا ہے، جس کو صاحبِ بحار اور صاحبِ احتجاج نے بعض ائمہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے بلند ہے، جس کے ساتھ وہ اس کو موصوف کرتے ہیں۔ ہم اس کے علم یا قدرت میں شریک نہیں، بلکہ اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، جس طرح اس نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل: ٦٥]''

''ہمیں شیعہ کے جہلا، احمقوں اور جس کا دین مچھر کے پَر سے بھی ہلکا ہے، اس نے تکلیف دی ہے، میں اس اللہ کو گواہ بناتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور گواہی کے لیے وہی کافی ہے، میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس سے بَری ہوں، جو یہ کہتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں، یا

← اسباب پر قدرت رکھنے اور اسے استعمال کرنے کی وجہ سے رکھتے ہیں اور دوسرے ان اسباب سے ناواقفیت یا انھیں استعمال کرنے کی صلاحیت نہ رکھنے کی وجہ سے اس کا علم نہیں رکھتے۔ یہ کتاب اللہ میں وارد لفظ غیب کے عموم میں داخل نہیں، کیوں کہ یہ اس پر غائب ہے، جن سے وہ غائب ہے۔ جس نے اس کو پا لیا ہے، اس کے لیے غائب نہیں اور تمام لوگوں میں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز کسی کے لیے غیب ہے تو دوسرے کے لیے وہ حاضر، لہٰذا یہ مقید غائب ہوگا، مطلقاً غیب نہیں، جو تمام مخلوقات سے غائب ہو۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام: ١٦/ ١١٥، تفسیر المنار: ٧/ ٤٢٢)

[1] أصول الكافي (١/ ٢٥٧)

اللہ کی بادشاہت میں شریک ہیں، یا وہ ہمیں اس جگہ پر اتارتا ہے، جو اس کے علاوہ ہے، جو اللہ نے ہمارے لیے پسند کی ہے۔''

شیعہ کی روایات خود اپنے آپ کو بے نقاب کرتی ہے اور اپنی ہی عبارتوں کی مخالفت کرتی ہیں۔ شیعہ کا یہ قول کہ ائمہ مصدرِ رزق اور بارش برسانے کا منبع ہیں... الخ، یہ غالی شیعہ کی باقیات ہے، جس کو اثنا عشری علما نقل کرتے ہیں، جب کہ ائمہ نے ان کے اس مذہب کی مخالفت کی ہے۔ شیعہ کی روایات میں مذکور ہے کہ ابو عبداللہ سے جب کہا گیا کہ ''مفضل بن عمر کہتا ہے کہ آپ بندوں کے رزق پر قدرت رکھتے ہیں'' تو انھوں نے کہا:

> ''خدا کی قسم! ہمارے رزقوں پر بھی اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ مجھے اپنے عیال کے لیے کھانے کی ضرورت تھی، تو فکرِ معاش کی وجہ سے پریشان حال تھا۔ جب میں نے ان کے لیے کھانا اکٹھا کر لیا تو مجھے اطمینان ہوا۔ اللہ اس پر لعنت کرے، وہ اس سے بَری ہے۔''[1]

لیکن یہ روایات کالے بھیل میں سفید بال یا آٹے میں نمک کی طرح ہیں اور تقیے میں ہر اس نص کے لیے گنجایش ہے، جس سے ان کے علما کے سینے میں تنگی ہو۔ اگر آپ اس کی مثال سننا چاہتے ہیں تو شارح کافی کا ابو عبداللہ کے مذکورہ بالا اس قول پر تبصرہ ملاحظہ کیجیے، وہ کہتا ہے:

> ''اس تعجب اور اس کے اظہار کی غرض یہ ہے کہ جاہل ان کو کہیں الٰہ اور معبود نہ بنا لیں، یا وہ اپنے نفس کی حفاظت کے لیے بعض حاضرین کے وہم کو دور کرنا چاہتے ہیں، جو ان کی فضیلت اور جو ان کی طرف علمِ غیب کی نسبت کی گئی ہے، اس کے منکر تھے، وگرنہ وہ ما کان اور ما یکون کو جاننے والے تھے، تو ایک لونڈی کی جگہ ان سے کس طرح اوجھل رہ سکتی ہے؟ اگر تم کہو کہ ان کا اس بات کی اس طرح خبر دینا جھوٹ کو لازم قرار دیتا ہے، تو میں کہوں گا: یہ جھوٹ کا موجب تو تب ہو سکتا ہے، جب انھوں نے توریہ کا قصد نہ کیا ہو، جب کہ انھوں نے اس کا قصد کیا ہوا تھا... تو معنی یہ ہوا کہ میں ایسا علم نہیں جانتا جو اللہ کے علم سے حاصل نہ کیا گیا ہو کہ وہ کس گھر میں ہوگی۔''[2]

دیکھیے! یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ امام ''ما کان'' اور ''ما یکون'' کا علم رکھتا ہے، اس نے اس روایت کو رد کرنے میں عجیب طرح کا تکلف کیا ہے کہ اس نے امام کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے میں بھی کوئی

---

[1] بحار الأنوار (۲۵/ ۳۰۱) رجال الكشي (ص: ۳۲۳) نیز اس معنی میں ایک اور روایت دیکھیں: بحار الأنوار (۲۵/ ۳۲) و رجال الكشي (ص: ۳۲٤۔ ۳۲۵) نیز ایک اور روایت کے لیے دیکھیں: البحار (۲۵/ ۳۱٦) و رجال الكشي (ص: ۵۱۸۔ ۵۱۹)

[2] المازندراني: شرح جامع على الكافي (٦/ ۳۰۔ ۳۱)

ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور اپنے مذہب کا عصمتِ ائمہ کا ایک عظیم قاعدہ توڑ دیا ہے۔

اگر امام نے اپنے اس قول سے یہ ارادہ کیا تھا کہ جاہل اس کو معبود نہ بنا لیں تو تم کیا اس کے قول کے مخالف بات کو ثابت کر کے امام کو خدا بنانے کی دعوت نہیں دے رہے ہو؟ ان بعض حاضرین کے موجود ہونے کی دلیل کہاں ہے، جن کے وجود سے امام کو ڈر تھا، جب کہ سارا سلسلہ سند شیعہ راویوں پر مشتمل ہے؟! پھر لغت کے کس زاویے کی بنا پر یہ توریہ کی قبیل سے شمار ہوگا؟

شیعہ کے ایک دوسرا عالم شعرانی کو، جو شرح پر تعلیق نگار ہے، اس روایت کی تاویل میں یہ تکلف اچھا نہیں لگا اور اس نے اس کو رد کرنے کے لیے مختصر ترین راستہ یہ اپنایا کہ اس روایت کے جھوٹا ہونے کا حکم جاری کیا۔[1]

اس طرح زنادقہ علماے اہلِ بیت کی طرف ان جھوٹی افواہوں کو پھیلاتے ہیں اور جب وہ ان زنادقہ کے جھوٹ کی تکذیب کرتے اور لوگوں کے سامنے ان کے باطل کو رسوا کرتے تو شیعہ کے علما نے اس تکذیب اور مخالفت کو تقیے پر محمول کر لیا۔ اس طرح شیعیت کو غلو کے دائرہ کار میں محصور رکھنے اور حق کو رد کرنے اور اہلِ بیت کی گستاخی کرنے کے لیے یہ تقیہ غالی شیعہ کے ہاتھ میں ایک ہتھیار آ گیا۔

زرارۃ بن اعین نے یہ دعویٰ کیا کہ ''جعفر بن محمد اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کو جانتے ہیں۔'' جب جعفر کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے قائل کو کافر قرار دیا، لیکن زرارۃ تک جب جعفر کا یہ موقف پہنچا تو اس نے بیان کرنے والے سے کہا: ''اس نے تمھارے ساتھ تقیہ کیا ہے۔''[2]

---

[1] تعاليق علمية على الكافي وشرحه (٦/ ٣١)

[2] اس واقعے کے لیے دیکھیں: ميزان الاعتدال، ترجمة زرارة بن أعين (٢/ ٦٩۔ ٧٠)

چوتھی بحث

شیعہ کا اپنے مذہبِ تعطیل کی تائید کے لیے تحریف کا دعویٰ کرنا

یہ مسلک شیعہ کے علاوہ کسی نے اختیار نہیں کیا اور یہ شذوذ اور انحراف صرف ان ہی کے ساتھ خاص ہے۔ انھوں نے کتاب اللہ میں اسما و صفات کو ثابت کرنے والی آیات سے بڑے خطرناک دعوے کے ساتھ چھٹکارا پانا چاہا ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہاں ہم اس دعوے میں سے اختصار کے ساتھ اسما و صفات کے ساتھ تعلق رکھنے والے امور ذکر کریں گے۔

شیعہ کا یہ دعویٰ حقیقت میں ان کی قرآنی آیات کی تحریف ہے۔ مثال کے طور پر ابن بابویہ نے رضا علی بن موسیٰ سے اس فرمانِ الٰہی:

﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ [البقرۃ:۲۱۰]

''وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''

کے متعلق روایت کیا ہے کہ رضا نے کہا:

''یہ اس طرح ہے: "هل ينظرون إلا أن يأتيهم الله بالملائكة في ظلل من الغمام"، یہ اسی طرح نازل ہوئی تھی۔''[1]

شیعہ کا اس تحریف سے ہدف بالکل واضح ہے، وہ اس تحریف کے ذریعے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ معتزلہ کے مذہب کی طرح اللہ تعالیٰ سے آنے کی نفی کریں۔

شیعہ عالم طبرسی کی ''الاحتجاج'' میں امیر المومنین علی سے مروی ہے کہ وہ ایک زندیق کو اسلام کا قائل کرنے کے لیے اس کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے تو انھوں نے کہا:

[1] التوحيد لابن بابويه (ص: ١٦٣) بحار الأنوار (٢/ ٣١٩) البرهان (١/ ٢٠٨)

''یہ فرمانِ الٰہی: ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ [القصص: ۸۸] دراصل اس طرح نازل ہوا تھا: ''كل شيء هالك إلا دينه'' کیوں کہ یہ محال ہے کہ اس کی ہر چیز تو فنا ہو جائے اور چہرہ باقی رہ جائے، وہ اس سے بہت زیادہ عظیم اور جلیل تر ہے۔''[1]

اس عبارت سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ اس کہانی کا خالق کوئی عجمی اور جاہل ہے، جس کو عربی کی کچھ سوجھ بوجھ نہیں۔ یہ کوئی زندیق ہے، جو اللہ کی کتاب پر الزام تراشی کر رہا ہے، اس کی صفات معطل کر رہا ہے اور اس کفر کو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منسوب کر رہا ہے۔

اس کی بہت بڑی مکاری اور کینہ پروری اس کے اس دعوے سے سامنے آتی ہے کہ یہ امیر المومنین کا ایک زندیق کو قائل کرنے کے لیے جواب ہے! یہ خدائی صفات کی تعطیل میں یہ منہج اور اسلوب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ٹولہ جس نے یہ روایات تخلیق کی ہیں، اپنے نظریات کے دفاع کے سلسلے میں کسی کی حرمت و تقدس کا کوئی خیال نہیں رکھتا، نہ ان کی کوئی حدود ہیں!

اگر معتزلہ وغیرہ کے معطلہ فرقے نے کتاب اللہ کے الفاظ کی بے حرمتی کی کوشش نہیں کی، بلکہ معنوی تاویل تلاش کرنے ہی پر اکتفا کیا ہے تو دوسری طرف یہ گروہ تمام حدود اور مبادیات سے تجاوز کرتے ہوئے اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لیے اس حد تک چلا گیا ہے جو حقیقت میں اس کو اسلام ہی سے خارج کر دیتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ تعطیل کا ایک گروہ ہے، جو امت کے دین کی اصل اور بنیاد یعنی کتاب اللہ کے ساتھ دست آزمائی کر کے امتِ اسلامیہ کے خلاف سازش بننا چاہتا ہے۔ اس طرح اس ذریعے سے ان کی حقیقت سر بازار بے نقاب ہوگئی ہے۔ اللہ ہی ان لوگوں کا گھیراؤ کرنے والا ہے۔

---

[1] الاحتجاج (ص: ۲۵۳)

چوتھی فصل

ایمان اور ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کا عقیدہ

اس فصل میں دو بحثیں ذکر ہوں گی:

پہلی بحث: ایمان اور وعد و وعید کے متعلق شیعہ کا نظریہ۔

دوسری بحث: ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کا نظریہ۔

پہلی بحث میں یہ پانچ مسائل زیر بحث آئیں گے:

پہلا مسئلہ: شیعہ کے نزدیک ایمان کا مفہوم۔

دوسرا مسئلہ: توحید و رسالت کی گواہی کے ساتھ تیسری گواہی۔

تیسرا مسئلہ: نظریۂ اِرجاء۔

چوتھا مسئلہ: وعد کے متعلق شیعہ نظریے کا بیان۔

پانچواں مسئلہ: وعید کے متعلق شیعہ نظریے کی تفصیل۔

دوسری بحث میں ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کے نظریے کی وضاحت ہوگی۔

پہلی بحث

ایمان اور وعد و وعید کے متعلق شیعہ کا نظریہ

پہلا مسئلہ: شیعہ کے نزدیک ایمان کا مفہوم:

اثنا عشریہ نے بارہ اماموں پر ایمان کو ایمان کی حقیقت میں شامل کر دیا ہے،[1] بلکہ انھوں نے اسی کو عین ایمان قرار دے دیا ہے۔ اصولِ کافی میں مذکور ہے:

''اسلام: وہ ظاہر ہے، جس پر لوگ قائم ہیں، یعنی اللہ کی توحید کی گواہی اور محمد رسول اللہ کی عبدیت اور رسالت کی گواہی۔''

پھر اس نے باقی ارکانِ اسلام ذکر کیے ہیں اور پھر کہا ہے:

''ایمان اس کے ساتھ اس امر کی معرفت ہے، اگر وہ ان کا اقرار کرے، لیکن اس امر کو نہ پہچانے تو وہ مسلمان ہوگا، مگر گمراہ ہے۔''[2]

شیعہ کہتے ہیں کہ آخرت میں اعمال کا ثواب اسلام کی بنا پر نہیں ہوگا، بلکہ ایمان کی بنیاد پر ہوگا۔ اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے صاحبِ کافی نے اس عنوان ''اسلام سے جان محفوظ ہوتی ہے اور ثواب ایمان پر منحصر ہے'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔[3] وہ لوگ اس فرمانِ الٰہی:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

[البقرة: ١٣٦۔ ١٣٧]

---

[1] اشعری نے یہ مذہب جمہور رافضہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ١٢٥)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢٤)

[3] المصدر السابق.

''کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو وہ محض ایک مخالفت میں (پڑے ہوئے) ہیں، پس عنقریب اللہ تجھے ان سے کافی ہو جائے گا اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

کی تفسیر میں ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

''اس سے علی، حسن، حسین اور فاطمہ کو مراد ہیں اور یہ ان کے بعد ائمہ میں بھی جاری ہے۔''

وہ کہتا ہے:

''پھر یہ بات اللہ سے لوگوں کی طرف لوٹ آتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر کہتے ہیں: ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا﴾ یعنی لوگ اگر ایمان لائیں۔ ﴿بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ﴾ ''جس طرح تم ایمان لائے'' یعنی علی، فاطمہ، حسن، حسین اور ان کے بعد ائمہ۔'' ﴿فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ ''تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو وہ محض ایک مخالفت میں (پڑے ہوئے) ہیں۔''[1]

اس لیے شیعہ عالم ابن مطہر حلی نے کہا ہے:

''امامت کا مسئلہ (بارہ اماموں کی امامت کا مسئلہ) ایمان کا ایک رکن ہے، جس کے سبب جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے اور رحمان کے غضب سے چھٹکارا پانے کا استحقاق ملتا ہے۔''[2]

شیعہ عالم محمد جواد العاملی کہتا ہے:

''ہمارے نزدیک ایمان بارہ اماموں کی امامت کے اعتراف کے ساتھ واقع ہوتا ہے، لیکن جو شخص ان میں سے کسی ایک کے زمانے میں فوت ہوا ہو، اس کے ایمان کے لیے صرف اپنے عہد کے امام اور سابقہ اماموں کی معرفت ہی کی شرط ہے۔''[3]

شیعہ کا ایک معاصر عالم امیر محمد قزوینی کہتا ہے:

---

[1] تفسیر العیاشي (۱/ ۲٦) تفسیر الصافي (۱/ ۹۲) البرهان (۱/ ۱۵۷)

[2] منهاج الکرامة في معرفة الإمامة (ص:۱)

[3] مفتاح الکرامة (۲/ ۸۰)

''جو علی کی ولایت اور امامت کا انکار کرتا ہے تو وہ اپنے حساب سے ایمان ساقط کر لیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔''[1]

دوسرا مسئلہ: تیسری گواہی:

اس ایمان کے مقتضا کے مطابق، جس کو اثنا عشریہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا، انھوں نے ایک تیسری گواہی اختراع کر لی ہے، جو اس نو ایجاد ایمان کا شعار اور علامت ہے، یہ گواہی ان لوگوں کا یہ کہنا ہے:

''أَشْهَدُ أَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ'' ''میں گواہی دیتا ہوں کہ علی (رضی اللہ عنہ) اللہ کا ولی ہے۔''

وہ یہ کلمات اپنی اذان میں اور اپنی نماز کے بعد دہراتے ہیں اور اپنے قریب المرگ افراد کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔ لہٰذا شہادتین کے ساتھ ساتھ ائمہ کا اقرار ہر نماز کے بعد کیا جائے۔ حر عاملی نے اس معنی میں ایک باب بھی قائم کیا ہے۔[2] شیعہ کی روایات میں زرارہ عن ابی جعفر کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''اگر میں عکرمہ[3] کو اس کی موت کے وقت پاتا تو اس کو فائدہ دیتا۔ ابو عبداللہ سے پوچھا گیا کہ وہ کس طرح اس کو فائدہ دیتے؟ تو انھوں نے جواب دیا: جس پر تم ہو، وہ ان کو اس کی تلقین کرتے۔''[4]

ابو بصیر ابو جعفر سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''اپنے مُردوں کو موت کے وقت لا الٰہ الا اللہ اور ولایت کی شہادت کی تلقین کرو۔''[5]

نیز فرمایا:

''اس کو قبر میں اتارتے وقت بھی یہی تلقین کی جائے۔''[6]

اسی طرح جب لوگ چلے جائیں تب بھی اس کی تلقین کی جائے۔ مجلسی نے اس کے لیے یہ باب قائم کیا

---

[1] الشيعة في عقائدهم وأحكامهم (ص: ٣٤)

[2] دیکھیں: وسائل الشيعة: باب استحباب الشهادتين والإقرار بالأئمة بعد كل صلاة (٤/ ١٠٣٨)

[3] اس سے حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عکرمہ مراد ہیں، جو علامہ، حافظ اور مفسر قرآن تھے۔ (سير أعلام النبلا: ٥/ ١٢) ان کے نزدیک ان کی یہ حیثیت ہے، اس لیے ہے نیز دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٢١٦) اس میں مولف کشی کہتا ہے کہ یہ بات ان کی مذمت پر دلالت کرتی ہے۔

[4] فروع الكافي (١/ ٣٤) من لا يحضره الفقيه (١/ ٤١) تهذيب الأحكام (١/ ٨٢) رجال الكشي (ص: ٢١٦) وسائل الشيعة (٢/ ٦٦٥)

[5] فروع الكافي (١/ ٣٤) تهذيب الأحكام (١/ ٨٢) وسائل الشيعة (٢/ ٦٦٥)

[6] اس سلسلے میں شیعہ روایات کے لیے دیکھیں: فروع الكافي (١/ ٥٣) تهذيب الأحكام: ١/ ٩١) وسائل الشيعة (٢/ ٨٤٣)

ہے: ''لوگوں کے چلے جانے کے بعد ولی کا میت کو شہادتین اور ائمہ کے ناموں کے ساتھ اقرار کی تلقین کرنا''[1] پھر مجلسی میں اس نے کئی روایات درج کی ہیں۔ یہ نئی شہادت اس مسئلہ امامت کا اقرار ہے، جس کے متعلق ابن المطہر حلی کا خیال ہے:

''وہ احکامِ دین میں اہم مطلب اور مسلمانوں کا سب سے زیادہ شرف و منزلت والا مسئلہ ہے۔''[2]

اس کے بعد یہ اعتقاد کہ بارہ اماموں پر ایمان رکھنا ایمان کا رکن ہے یا وہ بہ ذاتِ خود ایمان ہے اور دین کا ایک اہم مطلب ہے... یہ عقیدہ ان کے مذہب اور ان کی خود ساختہ شریعت کے باطل ہونے کی ایک واضح دلیل اور روشن نشانی ہے، جو نہ قرآن میں مذکور ہے نہ سنت میں اس کی کوئی حقیقت ثابت ہے۔[3]

اس لیے شیخ الاسلام کی رائے میں ان کا یہ کہنا کہ امامت (بارہ اماموں کی امامت کا قول تو ایک طرف رہا، جس کے ساتھ روافض کے مذہب کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے علاوہ کسی مسلمان نے بھی اتفاق نہیں کیا) دین کا اہم مطلب ہے، کفر ہے، کیوں کہ یہ بات دین میں کسی تامل کے بغیر بداہتاً معلوم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان مسئلہ امامت سے کہیں اہم ہے۔[4]

اگر امامت کا یہی مرتبہ اور مقام ہے، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں تو اس سے تمام لوگوں سے سب سے زیادہ دور بھی وہ رافضہ ہی ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وہ پرچم جو ''معدوم'' کے، جس کو یہ امام منتظر کا نام دیتے ہیں، قیام سے پہلے بلند کیا جاتا ہے وہ جاہلیت کا پرچم ہے[5] اور وہ اس کے پردے میں علی اور حسین کی خلافت کے سوا تمام خلفا کو کافر قرار دیتے ہیں۔

ایسے ہی صرف ائمہ کی معرفت سے عزت و کرامت کا درجہ نہیں ملتا، کیوں کہ یہ مقام تو صرف رسول کی معرفت سے بھی حاصل نہیں ہوتا، جب تک آپ ﷺ کے حکم کی فرماں برداری اور آپ ﷺ کے قول کی اتباع نہ کی جائے۔[6]

---

[1] وسائل الشیعة (٢/ ٨٦٢)

[2] منهاج الکرامة (ص: ١)

[3] دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٠ وما بعدها)

[4] منهاج السنة (١/ ٢٠)

[5] دیکھیں: الغیبة للنعماني، باب في أن كل راية ترفع قبل قيام القائم فصاحبها طاغوت (ص: ٧)

[6] منهاج السنة (١/ ٣١)

تیسرا مسئلہ: نظریۂ ارجاء:

اگر ان لوگوں کے نزدیک ایمان صرف بارہ اماموں کے اقرار کا نام ہے اور ان کے ہاں صرف ائمہ کی معرفت ایمان اور جنت میں داخل ہونے کے لیے کافی ہے تو اس اعتقاد کی بنا پر انھوں نے حرف بہ حرف مرجیہ[1] کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ چناں چہ آپ دیکھتے ہیں کہ صاحبِ کافی نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ''ایمان کے ساتھ برائی نقصان نہیں دیتی اور کفر کے ساتھ نیکی فائدہ نہیں دیتی''[2] اس باب میں اس نے ۶ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں سے ایک ابوعبداللہ کا یہ قول ہے:

''ایمان کے ساتھ عمل نقصان دہ نہیں، ایسے ہی کفر کے ساتھ عمل فائدہ مند نہیں۔''[3]

یاد رہے کہ ایمان شیعہ کی اصطلاح میں ائمہ کی محبت یا صرف ان کی معرفت کا نام ہے۔

جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ کہا:

''اکثر شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ علی کی محبت ایسی نیکی ہے، جس کے ساتھ کوئی برائی نقصان نہیں دیتی۔''[4]

تو اس زمانے کے شیعہ کے ایک عالم اور آیت نے اس کا یہ جواب دیا:

''اس نے جو اکثر شیعہ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ ''علی کی محبت ایسی نیکی ہے، جس کے ساتھ کوئی برائی نقصان نہیں دیتی'' تو یہ اس کی طرف سے بہتان ہے، وہ سارے ہی اس پر متفق ہیں، لہٰذا اس کی ان کے بہت زیادہ کی اس عقیدے کے ساتھ تخصیص کرنا، جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔''[5]

شیخ الاسلام نے کہا ہے:

''اگر حبِ علی کے ساتھ برائیاں نقصان دہ نہیں، تو امام معصوم کی کوئی ضرورت نہیں جو تکلیف میں

---

[1] مرجیہ وہ لوگ ہیں، جو عمل کو ایمان سے علاحدہ قرار دیتے ہیں اور ایمان صرف معرفتِ الٰہی کو قرار دیتے ہیں، ان میں سے کچھ یہ کہتے ہیں کہ ''اہلِ قبلہ میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا، خواہ اس نے کتنے بڑے گناہ کیے ہوں۔''

مرجیہ کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ٢١٣۔ ٢٣٤) الملل والنحل (١/ ١٣٩۔ ١٤٦) الفرق بين الفرق (ص: ٢٠٢۔ ٢٠٧) التنبيه والرد (ص: ٤٣) التبصير في الدين (ص: ٥٩) البدء والتاريخ (٥/ ١٤٤) اعتقادات فرق المسلمين والمشركين (ص: ١٠٧) الخطط للمقريزي (٢/ ٣٤٩۔ ٣٥٠)

[2] أصول الكافي (٢/ ٤٦٣)

[3] المصدر السابق (٢/ ٤٦٤)

[4] منهاج السنة (١/ ٣١)

[5] محمد مهدي الكاظمي: منهاج الشريعة في الرد على ابن تيمية (١/ ٩٨)

لطف ہے، کیوں کہ اگر وہ موجود نہ ہوتو گناہ اور برائیاں تو موجود رہیں گی، اگر حبِ علی ہی کافی ہے تو پھر امام کا وجود اور عدمِ وجود دونوں ہی برابر ہیں۔''[1]

اس طرح معصوم کی امامت کا مسئلہ جو لطف کے قاعدے پر مبنی ہے، وہ خالی محبت (حبِ علی رضی اللہ عنہ) کے مسئلے کے ساتھ منہدم ہو جاتا ہے اور یہ تناقض ان کے ہر قول میں ہے، ان کے ہر قول کے لیے ضروری ہے کہ دوسرا قول اس کی مخالفت کرے، چنانچہ ہر وہ دین جو اللہ کی طرف سے نہ ہو، اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ لوگ مرجیہ سے اس اعتبار سے تھوڑے سے مختلف ہیں کہ مرجیہ کہتے ہیں: ایمان اللہ کی معرفت کا نام ہے اور یہ کہتے ہیں کہ ایمان امام کی معرفت یا اس کی محبت کا نام ہے۔ ان لوگوں کی اس باب میں سیکڑوں روایات ہیں، ان کے ہاں مذکور ہے: ''کیا دین محبت کے سوا کچھ اور بھی ہے؟''[2]

مجلسی نے اس باب: ''ان کی محبت و ولایت کا ثواب اور وہ آگ سے امان ہیں'' میں ۱۵۴ روایات ذکر کی ہیں۔[3] اسی طرح ایک دوسرے باب کا عنوان یہ ہے:

''اس کی ولایت (یعنی علی رضی اللہ عنہ) اللہ جبار کے عذاب سے قلعہ ہے۔ اگر تمام لوگ اس کی محبت پر اکٹھے ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتے۔''[4]

شیعہ کی روایات میں مذکور ہے:

''پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے وہی جنت میں داخل ہوگا جو اس کے ساتھ محبت رکھتا ہوگا اور پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے دوزخ میں وہی جائے گا جو اس کے ساتھ بغض رکھتا ہوگا۔''[5]

اس مفروضے کی بنا پر اللہ اس کے رسول پر ایمان، تمام دینی عقائد اور تمام تکلیفات (شرعی پابندیاں) اور شرعی احکام ساقط ہو جاتے ہیں اور شریعتِ اسلام میں حبِ علی کے سوا کچھ نہیں بچتا! ان افتراءات اور دروغ گوئیوں نے ایسے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، جو اباحت پسند اور خواہشات کے غلام ہیں۔[6]

ان روایات سے لازم آتا ہے کہ قرآن مخلوق کی ہدایت کے لیے نہیں، بلکہ انھیں گمراہ کرنے کے لیے

---

[1] منهاج السنة (١/ ٣١)

[2] تفسير العياشي (١/ ١٦٧) بحار الأنوار (٢٧/ ٩٥)

[3] بحار الأنوار (٢١/ ٧٣۔ ١٤٤)

[4] بحار الأنوار (٣٩/ ٣٢)

[5] علل الشرائع (ص: ١٦٢)

[6] نقض عقائد الشيعة للسويدي، الورقة (٣٤) مخطوط.

نازل ہوا ہے، کیوں کہ اس میں جنت یا دوزخ میں داخل ہونے کے معاملے میں اصل اور بنیاد ہونے کے باوجود اس میں حبِ علی یا بغضِ علی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

سویدی کہتا ہے:

''اگر ایمان اور عمل صالح کے بغیر اللہ اور اس کے رسول کی محبت نجات اور عذاب سے خلاصی پانے کے لیے کافی نہیں تو حبِ علی کس طرح کافی ہوسکتی ہے؟ یہ بات اس فرمانِ الٰہی کے بھی خلاف ہے:

﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ [النساء: ۱۲۳]

''جو بھی کوئی برائی کرے گا، اسے اس کی جزا دی جائے گی۔''

''نیز یہ بات اس فرمان کے خلاف بھی ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ [الزلزال: ۸]

''اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

''بلکہ یہ بات ان کے اصول اور روایات کے بھی خلاف ہے۔ اصول کی اس طرح مخالفت ہے کہ اگر کوئی رافضی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ اس کو ان کی سزا نہیں دیتا تو اس سے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب کا ترک لازم آتا ہے اور روایات کی مخالفت اس طرح ہوتی ہے کہ علی سجاد اور دیگر ائمہ سے صحیح اسناد کے ساتھ ان کی دعائیں مروی ہیں، جن میں ان کا گریہ کرنا اور اللہ کے عذاب سے پناہ مانگنا وارد ہوا ہے۔ اگر ان جیسے ائمہ کرام اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں تو ان کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے یہ کس طرح درست ہے کہ وہ ان کی محبت سے دھوکا کھا کر ترکِ عمل میں ان پر بھروسہ کر لے؟''[1]

آپ ان کے اس قول: ''پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے دوزخ میں وہی داخل ہوگا جو اس سے بغض رکھتا ہوگا'' پر غور کریں تو آپ اس نتیجے تک پہنچیں گے کہ یہ قول کھلے عام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فرعون، ہامان، قارون، دیگر سربرآوردگانِ کفر اور گذشتہ قوموں میں ان کے پیروکار دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے، کیوں کہ انھوں نے علی کے ساتھ بغض نہیں رکھا، بلکہ وہ ان کو جانتے تک نہیں تھے! دیکھیے! یہ غلو ان کو کہاں تک لے آیا ہے؟

بلاشبہہ اس نظریے کو رد کرنے کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اسلام میں اس کا ضرورتاً باطل

[1] نقض عقائد الشيعة، الورقة (٣٤۔ ٣٥)

ہونا معلوم ہے (جس کے لیے زیادہ نظر وفکر کی بھی ضرورت نہیں)

اگر معاملہ ایسے ہی ہوتا، جس طرح یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں تو نہ رسول بھیجے جاتے نہ کتابیں نازل کی جاتیں اور نہ شریعتیں ہی بنائی جاتیں، لیکن شیعہ معاشرے میں اس عقیدے کے آثارِ بد موجود ہیں، وہ اس کی وجہ سے اللہ کے احکام کو بہ نظرِ استحقار دیکھتے ہیں اور اللہ کی حدود پائمال کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

چوتھا مسئلہ: وعد (ثواب کا وعدہ) کے متعلق شیعہ کا عقیدہ:

ابن بابویہ نے کہا ہے:

''وعد کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کسی عمل پر ثواب کا وعدہ کریں، وہ اس کو پورا کرنے والا ہے۔''[1]

اس وعدے کے مفہوم میں وسعت دیتے ہوئے انھوں نے بہت ساری روایات اور احادیث اختراع کر لی ہیں اور انھیں جعفر صادق وغیرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے، جو ایسے اعمال پر ثواب کا وعدہ دلاتی ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، بلکہ دلیل اور برہان ان کے منع اور حرام ہونے پر قائم ہے، کیوں کہ وہ اعمال شرک اور اِلحاد کی نوع سے ہیں۔ مثال کے طور پر اصحابِ رسول ﷺ کو سب وشتم کرنا، بلکہ اس کو انھوں نے تمام نیکیوں سے افضل قرار دیا ہے۔[2] رخساروں پر تھپڑ مارنا، گریبان چاک کرنا، اپنی جان کو عذاب دینا، عزائے حسین کے نام پر جسم کو چھریوں اور تلواروں کے ساتھ مارنا، یہ ان کے نزدیک تمام اطاعات سے عظیم تر ہے۔[3]

اسی طرح قبروں کا حج اور ان کا طواف کرنا، ان کو پکارنا اور ان سے فریاد چاہنا؛ ان لوگوں کی اہم اور جلیل القدر عبادات ہیں۔[4] نیز انھوں نے ایسی عبادات ایجاد کر لی ہیں، جن کی اللہ کی طرف سے کوئی نص اور دلیل نازل نہیں ہوئی، پھر انھوں نے ان پر بڑا اعظیم ثواب مرتب کرلیا ہے۔[5]

---

[1] الاعتقادات (ص: ٩٤) نیز دیکھیں: أوائل المقالات (ص: ٥٧) الاعتقادات للمجلسي (ص: ١٠٠)

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٧/ ٢١٨) اور اسی کتاب کے صفحے (٧٨٠) کی طرف رجوع کریں۔

[3] دیکھیں: عقائد الإمامية للزنجاني (١/ ٢٨٩ وما بعدها) مبحث (المواكب الحسينية) نیز دیکھیں: الآيات البينات لمحمد حسين آل كاشف الغطا (ص: ٤ وما بعدها) فصل المواكب الحسينية، و دائرة المعارف الشعية (٢١/ ٧٠٦)

[4] دیکھیں: ''توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' (ص: ۴۵۹)

[5] مثلاً دیکھیں: بحار الأنوار، باب أعمال يوم الغدير وليلته وأدعيتهما (٩٨/ ٢٩٨۔ ٣٢٣) و باب عمل يوم النيروز وما يتعلق بذلك (٩٨/ ٤١٩ وغيرها) نیز دیکھیں: وسائل الشيعة، باب استحباب صوم يوم النيروز والغسل فيه، ولبس أنظف الثياب والطيب (٧/ ٣٤٦) وباب استحباب صوم يوم التاسع والعشرين من ذي القعدة، وہ کہتا ہے کہ یہ ستر ←

شیعہ کی روایات کہتی ہیں کہ ائمہ اپنے شیعہ کے لیے ان کے جنت میں داخلے کی گارنٹی کے مالک ہیں، بلکہ انھوں نے اپنے بعض پیروکاروں کی باقاعدہ تعیین کر کے اس امر کی گواہی دی ہے، لہٰذا وہ نہ صرف یہ کہ ثواب کا وعدہ کرتے ہیں، بلکہ اس کو پورا بھی کرتے ہیں!!

اس موضوع سے متعلق شیعہ کی روایات میں سے ایک روایت ''رجال الكشي'' میں ملاحظہ کیجیے:

''زیاد قندی، علی بن یقطین سے روایت کرتا ہے کہ ابو الحسن نے اس کو جنت کی ضمانت دی ہے۔''[1]

دوسری روایت میں ہے:

''عبدالرحمٰن بن حجاج سے مروی ہے کہ میں نے ابو الحسن سے کہا کہ علی بن یقطین نے مجھے یہ آپ کے نام ایک خط دے کر بھیجا ہے کہ میں آپ سے اس کے لیے دعا کی استدعا کروں، انھوں نے کہا: آخرت کے معاملے میں؟[2] میں نے کہا: ہاں۔ وہ کہتا ہے: پھر انھوں نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور کہا: میں نے علی بن یقطین کو ضمانت دے دی ہے کہ آگ اس کو نہیں چھوئے گی۔''[3]

دیکھیے! یہ کس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر قسم ڈالی جا رہی ہے، گویا ان کے پاس اللہ کی رحمت کے خزانے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ہر چیز کی چابیاں ہیں، اس لیے انھیں ضمانت دیتے وقت، ان شاء اللہ، کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ بخشش اور محرومی کے چیک تقسیم کرتے ہیں! کیا ان کی اللہ کے ساتھ کوئی تدبیر اور سانجھ ہے؟ یا وہ اللہ کے رسول ہیں، جن کی طرف وحی کی جاتی ہے؟ یا انھوں نے غیب کو جان لیا ہے؟ یا انھوں نے رحمان کے ساتھ کوئی عہد و پیمان کیا ہوا ہے؟

ان جیسے مزاعم یہ واضح کرتے ہیں کہ ان کہانیوں کے خالق زندیق لوگ ہیں، جو قرآن و سنت پر قطعاً ایمان نہیں رکھتے، بلکہ ان کا ہدف اس دین کو خراب کرنا ہے اور ان کو اس مقصد کے حصول کے لیے شیعیت کے دائرے کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ملی۔

← سال کا کفارہ ہے۔ (٧/ ٣٣٣) وأبواب صلاة جعفر (٥/ ١٩٤۔ ١٩٧) و صلاة فاطمة (٥/ ٢٤٣) و صلاة يوم المباهلة، یہ ان کے دعوے کے مطابق ایک لاکھ حج کے برابر ہے۔ دیکھیں: (٥/ ٢٨٧)

[1] رجال الكشي (ص: ٤٣٠)

[2] دیکھیے! امام مزعوم ان سے دعا کے مقصود کے بارے میں استفسار کر رہا ہے، جب کہ وہ اس کے انجام سے نہ صرف واقف ہے، بلکہ اس کی ضمانت بھی دے رہا ہے، یہ ان کم عقلوں کا جھوٹ ہے، یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اختلاف اور ان کی اکثر روایات میں پائے جانے والے تناقض کے ذریعے ان کا پردہ چاک کرنا چاہا ہے۔

[3] رجال الكشي (ص: ٤٣١) کشی نے اس سے ملتی جلتی متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ دیکھیں (ص: ٤٣١۔ ٤٣٢)

یہ علی بن یقطین، جس کے لیے ان زندیقوں نے اپنی ''جنت'' کی ضمانت دی ہے، ان کا مذہبی بھائی ہو سکتا ہے، کیوں کہ امام طبری نے ۱۶۹ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ ''وہ زندیقیت کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔''[1]

چناں چہ ائمہ کی اپنے پیروکاروں کو جنت کی ضمانت دینے کے متعلق روایات اور اخبار اثنا عشریہ کی کتابوں میں معروف و مشہور ہیں۔[2]

پانچواں مسئلہ: وعید کے متعلق شیعہ کا نظریہ:

شیعہ عالم مفید کہتا ہے:

> امامیہ کا اتفاق ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی وعید اور دھمکی ان لوگوں کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور اس کے فرائض کا اقرار کرنے والوں میں سے کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہیں، صرف خاص کافروں کو دی گئی ہے۔''[3] نیز یہ لوگ کبیرہ گناہ کرنے کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوتے، اگرچہ وہ کبائر اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے فاسق ہی کیوں نہ ہو جائیں۔[4]

یہ قول اپنے ظاہری مفہوم میں اہلِ سنت کے مذہب کے موافق ہے، لیکن وہ ایک دوسرے راستے سے اس مذہب پر عمل کرنے سے راہِ فرار حاصل کر لیتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے کفر اور کافر قرار دینے والے اسباب کا دائرہ کار بہت وسیع کر لیا ہے۔ لہٰذا امامیہ کا اتفاق ہے کہ ''تمام اصحابِ بدعت کافر ہیں اور امام کا فرض بنتا ہے کہ جب وہ اقتدار پر متمکن ہو جائے تو ان کو دعوت دے، توبہ کروائے اور ان پر حجت قائم کرے۔ اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کر لیں اور صحیح راہ پر آ جائیں تو صحیح ہے، وگرنہ ان کو ایمان سے پھرنے کی وجہ سے قتل کر دے اور ان میں سے جو بھی اس بدعت پر مر گیا تو وہ اہلِ نار میں سے ہے۔''[5]

---

[1] تاريخ الطبري (٨/ ١٩٠)

[2] اس کی مزید مثالیں أصول الكافي (١/ ٤٧٤۔ ٤٧٥) رجال الكشي (ص: ٤٤٧۔ ٤٤٨۔ ٤٨٤) رجال الحلي (ص: ٩٨، ١٨٥) میں دیکھیں۔ یہ تمام محولہ بالا صفحات ائمہ کی اپنے بعض پیروکاروں کو جنت کی گارنٹی پر مشتمل ہیں، اس گارنٹی کو وہ آدمی کی توثیق شمار کرتے ہیں، اس لیے ان کی رجال کی کتابوں میں اس کی بہ کثرت مثالیں بکھری ہوئی ہیں۔ اس طرح دوزخ کے سرٹیفکیٹ کو وہ جرح کی علامت قرار دیتے ہیں، اس لیے وہ اپنے رجال کی کتابوں میں اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

[3] أوائل المقالات (ص: ١٤)

[4] المصدر السابق (ص: ١٥)

[5] المصدر السابق (ص: ١٦)

ایسے ہی وہ ان لوگوں کے کافر ہونے پر بھی متفق ہیں، جنھوں نے امیر المومنین کے ساتھ جنگ کی اور وہ امیر المومنین کے ساتھ لڑنے کی وجہ سے کفار، گمراہ اور لعنتی ہیں اور اس وجہ سے وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔[1]

اسی طرح انھوں نے اپنے ہر مخالف پر بھی یہی حکم لگایا ہے، لہٰذا ابن بابویہ نے کہا ہے:

''جو ہمارے ساتھ امورِ دین میں سے کسی ایک چیز میں بھی اختلاف کرتا ہے، اس کے متعلق ہمارا وہی اعتقاد ہے، جو اس شخص کے متعلق ہے، جو دین کے تمام امور میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔''[2]

لہٰذا یہ لوگ اس باب اور مسئلے میں وعیدیہ ہیں، اس لیے شیخ الاسلام نے فرمایا ہے:

''متاخرین شیعہ اسما اور احکام کے باب میں وعیدیہ ہیں۔''[3]

اشعری ذکر کرتے ہیں:

''روافض کا ایک گروہ اپنے مخالفین کے لیے وعید ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے گا، لیکن جو ان کے موقف کا قائل ہوتا ہے، اس کے لیے وعید ثابت نہیں کرتے، بلکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا اور اگر ان کو جہنم میں داخل بھی کرے گا تو نکال لے گا۔ انھوں نے اپنے ائمہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو شیعہ اور اللہ کے درمیان معاصی اور گناہ ہیں، ان کے بارے میں سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کر دیا، جو شیعہ اور ائمہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو ان سے اس نے تجاوز کیا اور جو شیعہ اور لوگوں کے مابین مظالم اور شکوے ہیں تو ان میں ائمہ ان کی سفارش کریں گے اور یہ لوگ انھیں معاف کر دیں گے۔''[4]

یہ مفہوم جس کے متعلق امام اشعری گفتگو فرما رہے ہیں، مجلسی نے اس کو شائع اور عام کرنے کے لیے اس عنوان ''شیعہ سے درگزر'' کے تحت منعقد ایک باب میں ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اس میں ۹۷ روایات ذکر کی ہیں۔[5]

یہ تمام روایات ذکر کرنے کے بعد، گویا انھیں قلیل سمجھتے ہوئے، وہ کہتا ہے:

''اس باب کی بہت زیادہ روایات آخرت کے حوض و شفاعت کے ابواب، قیامت میں مومنوں اور

---

[1] المصدر السابق (ص: ۱۰)

[2] الاعتقادات (ص: ۱۱۶) نیز دیکھیں: الاعتقادات للمجلسي (ص: ۱۰۰)

[3] الفتاویٰ (٦/ ٥٥)

[4] مقالات الإسلاميين (١/ ١٢٦)

[5] دیکھیں: بحار الأنوار (٦٨/ ٩٨۔ ١٤٩)

مجرموں کے احوال کے متعلق ابواب اور فضائلِ ائمہ کے ابواب میں گزری ہیں۔"[1]

اس مذکورہ باب کا آغاز اس نے اس حدیث سے کیا ہے جو وہی مذہب بیان کرتی ہے جو اشعری نے ذکر کیا ہے، ان کی حدیث کہتی ہے:

"جب قیامت کا دن ہوگا، تو شیعہ کا حساب ہمارے سپرد کر دیا جائے گا، جس گناہ کا اللہ اور بندے کے ساتھ تعلق ہوگا، ہم اس میں جو فیصلہ کریں گے، وہ ہمارا فیصلہ قبول کرے گا۔ جو بندوں کے آپس کے شکوے ہوں گے، ہم ان کو طلب کریں گے تو وہ ہمیں مل جائیں گے اور جس کے شکوے کا ہمارے ساتھ تعلق ہوگا تو ہم معاف کرنے اور درگزر کرنے کے زیادہ حق دار ہوں گے۔"[2]

چنانچہ یہ لوگ اپنے مخالفین کے لیے وعیدیہ اور اپنے ہم مسلک اور ہم نوا افراد کے لیے مرجیہ ہیں۔

---

[1] بحار الأنوار (٦٨/ ١٤٩)

[2] المصدر السابق (٦٨/ ٩٩) عيون أخبار الرضا (٢/ ٦٨)

دوسری بحث

ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کا نظریہ

ارکانِ ایمان: اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن اور تقدیر پر ایمان پر مشتمل ہیں، جس طرح اس فرمانِ الٰہی میں مذکور ہے:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ [البقرة: ١٧٧]

''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو اور لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یومِ آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔''

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ [القمر: ٤٩]

''بے شک ہم نے جو بھی چیز ہے، ہم نے اسے ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

شیعہ کے ربوبیت، الوہیت اور اسما وصفات کے باب میں اللہ تعالیٰ پر ایمان میں انحراف کے بارے میں تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔ یہاں بقیہ ارکانِ ایمان کے متعلق شیعہ کے نظریے کے بارے میں بحث ہوگی، کیوں کہ ایسے لگتا ہے کہ مسئلہ امامت کا ان پر بھی اثر تھا۔ یہ لوگ ارکانِ ایمان یعنی اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، تقدیر اور یومِ آخرت پر ایمان کے اثبات کے ساتھ جب ان ارکان کو بیان کرتے ہیں تو اس میں امامت کا اثر واضح محسوس ہوتا ہے، جس طرح آیندہ صفحات میں واضح ہوجائے گا۔

فرشتوں پر ایمان:

ارکانِ ایمان میں سے اس رکن نے (شیعہ کے ہاں) اپنا بھرپور حصہ وصول کیا ہے، چناں چہ ملائکہ ائمہ کے نور سے تخلیق کیے گئے ہیں اور وہ ائمہ کے خادم ہیں اور فرشتوں کے کئی گروہ۔ شیعہ دعوے کے مطابق۔ قبرِ حسین

پر ٹھہرے رہنے کے مکلّف ہیں....۔شیعہ کی روایات کہتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب کے چہرے کے نور سے ۷۰ ہزار فرشتے پیدا کیے ہیں، جو قیامت تک اس کے لیے اور اس کے ساتھ محبت کرنے والوں کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔''[1]

کبھی وہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو علی کے نور سے پیدا کیا۔''[2]

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ رحمان کے فرشتوں میں سے کچھ ایسے فرشتے بھی ہیں، جن کی صرف یہی ذمے داری ہے کہ وہ قبرِ حسین پر روتے رہیں اور بار بار اس کی زیارت کرتے رہیں۔ شیعہ کا کہنا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے چار ہزار پراگندہ، غبار آلود فرشتے قبرِ حسین پر مقرر کیے ہیں، جو قیامت تک اس کو روتے رہیں گے.....۔''[3]

حسین کی قبر کی زیارت اہلِ آسمان کی تمنا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں:

''آسمانوں میں وہ اللہ سے یہی سوال کرتے رہتے ہیں کہ وہ ان کو زیارتِ حسین کی اجازت دے دے، اس طرح ایک گروہ اترتا رہتا ہے اور دوسرا چڑھتا رہتا ہے۔''[4]

نیز یہ لوگ کہتے ہیں:

''فرشتے ہمارے اور ہمارے ساتھ محبت رکھنے والوں کے خادم ہیں۔''[5]

شیعہ کی ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے:

''جبرائیل نے ائمہ کا خادم بننے کی دعا کی، لہٰذا جبرائیل ہمارا خادم ہے۔''[6]

ابن مطہر حلی نے فرشتوں کا اس جیسا لقب نقل کیا تو شیخ الاسلام نے اس کے جواب میں کہا:

''اللہ تعالیٰ کے حضرت محمد ﷺ کی طرف ایلچی جبرائیل کو خادم کا لقب دینا، اس بات سے عبارت ہے کہ ایسا شخص فرشتوں کی قدر اور اللہ تعالیٰ کے ان کو انبیا کی طرف بھیجنے کی اہمیت سے ناواقف ہے۔''[7]

---

[1] كنز جامع الفوائد (ص: ٣٣٤) بحار الأنوار (٢٣/ ٣٢٠)

[2] المعالم الزلفىٰ (ص: ٢٤٩)

[3] وسائل الشيعة (١٠/ ٣١٨) فروع الكافي (١/ ٣٢٥) ثواب الأعمال (ص: ٤٩) كامل الزيارات (ص: ١٨٩)

[4] الطوسي: التهذيب (٢/ ١٦) ثواب الأعمال (ص: ٥٤) وسائل الشيعة (١٠/ ٣٢٢)

[5] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٣٥) ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ١٤٧) عيون أخبار الرضا (١/ ٢٦٢) علل الشرائع (ص: ١٣)

[6] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٤٤۔ ٣٤٥) إرشاد القلوب (ص: ٢١٤) كنز جامع الفوائد (ص: ٤٨٣)

[7] منهاج السنة (٢/ ١٥٨)

یہ حقیر اور گھٹیا وصف اس پر کس طرح بولا جا سکتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ﴾ [التکویر: ۱۹۔ ۲۰]

''بے شک یہ یقیناً ایک ایسے پیغام پہنچانے والے کا قول ہے جو بہت معزز ہے۔ بڑی قوت والا ہے، عرش والے کے ہاں بہت مرتبے والا ہے۔''

یہاں ''رسول کریم'' سے مراد حضرت جبرائیل ہیں اور ''ذو العرش'' سے خود اللہ رب العزت۔ ان کے اس باب میں بہت زیادہ دعوے ہیں، گویا فرشتوں کا ان کے بارہ اماموں کے معاملے کے سوا کوئی دوسرا کام ہی نہیں یا دوسرے لفظوں میں وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نہیں، بلکہ ائمہ کے فرشتے ہیں۔ ابو عبداللہ نے کہا:

''فرشتے ہمارے گھروں میں اترتے ہیں، ہمارے بستروں پر الٹے سیدھے ہوتے ہیں، ہمارے دستر خوانوں پر حاضر ہوتے ہیں، ہر زمانے کی ہر خشک اور تر جڑی بوٹی ہمارے پاس لاتے ہیں، ہم پر اور ہمارے بچوں پر اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں، کیڑوں مکوڑوں (چوپائیوں) کو ہم تک پہنچنے سے روکتے ہیں، نماز کے وقت ہمارے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہیں ہوتی، جب وہ ہمارے پاس زمین میں ہونے والے واقعات اور اہلِ زمین کی خبریں نہ لاتے ہوں، دنیا میں جو بادشاہ بھی مرتا ہے اور کون اس کا قائم مقام بنتا ہے اور دنیا میں اس کا کردار کیسا تھا، ان سب کی خبریں وہ ہمارے پاس لاتے ہیں۔''[1]

وہ کہتے ہیں کہ ائمہ اپنے بچوں کے تکیے اور ہار فرشتوں کے پَروں سے بناتے ہیں، بلکہ فرشتے ائمہ کے بچوں کی پرورش اور نگہداشت کرتے ہیں، حتیٰ کہ ابو عبداللہ نے کہا: ''وہ ہم سے زیادہ ہمارے بچوں پر شفقت کرتے ہیں۔''[2]

فرشتے، شیعہ روایات میں، مسئلہ ولایت کے مکلّف ہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس عقیدے کو مقرب فرشتوں کی جماعت کے سوا کسی نے قبول نہیں کیا،[3] حالاں کہ ان کے خیال کے مطابق ان کے مخالفین ولایت پر سزا نازل ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایک فرشتے کا اس سزا میں پر توڑ دیا گیا، کیوں کہ اس نے امیر المومنین کی ولایت کا انکار کر دیا اور وہ اس وقت تک اس سے شفایاب نہ ہوا، جب تک اس نے حسن کی قبر کو نہ چھوا اور اس کی مٹی میں لوٹ پوٹ نہ ہوا۔[4]

---

[1] بحار الأنوار (۲٦/ ۳٥٦) بصائر الدرجات (ص: ۲۷)

[2] بحار الأنوار (۲٦/ ۳٥٤) بصائر الدرجات (ص: ۲٦)

[3] بحار الأنوار (۲٦/ ۳٤٠) بصائر الدرجات (ص: ۲٠)

[4] بحار الأنوار (۲٦/ ۳٤١) بصائر الدرجات (ص: ۲٠)

شیعہ دعوے کے مطابق فرشتوں کو عزت اس وقت تک نہیں ملی، جب تک انھوں نے ولایتِ علی کو قبول نہ کر لیا۔[1] یہیں پر بس نہیں، بلکہ فرشتوں کی زندگی ہی ائمہ پر موقوف ہے:

''کیوں کہ ان کا کھانا پینا ہی علی اور اس کے محبین کے لیے دعا اور اس کے گناہ گار شیعہ کے لیے استغفار کرنا ہے۔''[2] ''ملائکہ ہماری (یعنی ائمہ کی) اور ہمارے شیعہ کی تسبیح سے پہلے تسبیح و تقدیس سے ناآشنا تھے۔''[3]

اس لیے فرشتے شیعہ کا خصوصی خیال رکھتے ہیں، جب کوئی شیعہ شخص اپنے کسی ساتھی کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو حفاظت پر مامور فرشتے ان سے علاحدہ ہوجاتے ہیں اور ان کے خلاف کچھ نہیں لکھتے۔

یہ لوگ کہتے ہیں:

''جب ایک شیعہ دوسرے شیعہ کے ساتھ ملتا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے سوال جواب (گفتگو) کرتے ہیں تو حفاظت پر مامور فرشتے کہتے ہیں کہ علاحدہ ہو جاؤ، ان کے راز ہوں گے، اللہ نے ان پر پردہ ڈالا ہے۔''[4]

حالاں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ۝ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ [قٓ: ١٧۔ ١٨]

''جب (اس کے ہر قول و فعل کو) دو لینے والے لیتے ہیں، جو دائیں طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہیں۔ وہ کوئی بھی بات نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران ہوتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ﴾ [الزخرف: ٨٠]

''یا وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان کا راز اور ان کی سرگوشی نہیں سنتے، کیوں نہیں اور ہمارے

---

[1] دیکھیں: تفسیر الحسن العسکري (ص: ١٥٣) الاحتجاج للطبرسي (ص: ٣١) بحار الأنوار (٢٦/ ٣٣٨)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٤٩)

[3] جامع الأخبار لابن بابویه (ص: ٩) بحار الأنوار (٢٦/ ٣٤٤)

[4] وسائل الشیعة (٨/ ٥٦٣۔ ٥٦٤)

بھیجے ہوئے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں۔''

شیعہ کے اس باب میں ان کے علاوہ اور بھی بہت زیادہ مزاعم ہیں، جو عجیب وغریب مبالغات، اور سرکش اندازوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کے مقام و مرتبے پر دست درازی اور ان پر افترا پردازی پر مشتمل ہیں اور یہ دعوے فرشتوں کے انکار کے زیادہ قریب ہیں، کیوں کہ ان کے فرائض، خصوصیات اور اللہ تعالیٰ کے ان کو عطا کردہ شرف کا انکار، دینِ ولایت کو ان کا دین وشریعت قرار دینا اور قبرِ حسین پر شرک کو فرشتوں کے ایک گروہ کا عمل قرار دینا، یہ ساری باتیں ان کے لیے ان کا اصلاً انکار کر دینا آسان بنا دیتی ہیں۔

جب انھوں نے قرآن کریم میں فرشتوں کے ذکر ہونے والے اسما اور القاب کی تاویل ائمہ سے کر دی، یا فرشتوں کے سارے فرائض منصبی ائمہ کے لیے قرار دے دے تو گویا وہ انکار کے بہت زیادہ نزدیک ہو گئے۔ اسی وجہ سے مجلسی نے یہ باب قائم کیا ہے:

''وہ ''صافّون'' (صف باندھنے والے) ''مسبّحون'' (تسبیح کرنے والے) صاحبِ مقام معلوم، حاملینِ عرشِ رحمٰن اور وہ ''سفرۃٍ کرام بررۃ'' (یہ تمام الفاظ فرشتوں کے اوصاف) ہیں۔''[1]

یہ لوگ فرشتوں کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنبياء: ٢٦۔ ٢٧]

''بلکہ وہ بندے ہیں جنھیں عزت دی گئی ہے۔ وہ بات کرنے میں اس سے پہل نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے ساتھ ہی عمل کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرة: ٩٨]

''جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکال کا دشمن ہو تو بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔''

کتابوں پر ایمان:

شیعہ کے مسئلہ امامت وغیرہ میں امت سے جداگانہ عقائد کے تقاضے کے مطابق ان کے ہاں یہ پہلو بھی

[1] بحار الأنوار (٢٤/ ٨٧)

متاثر ہوا ہے۔ لہٰذا یہ ایسی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ان کے اماموں پر اسی طرح آسمانی کتابیں نازل کی ہیں، جس طرح اپنے انبیا پر اپنی کتابیں نازل کی ہیں۔

ایسے ہی ان کا یہ خیال بھی ہے کہ بارہ اماموں کے پاس وہ آسمانی کتابیں موجود ہیں، جو تمام انبیا پر نازل ہوئیں۔ وہ ان کو پڑھتے ہیں اور فیصلوں کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

یہاں یہ دونوں مسئلے ان کی معتبر کتابوں سے مکمل دیانتداری کے ساتھ نقل کیے جاتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: شیعہ کا دعویٰ کہ کتب الٰہیہ اماموں پر نازل ہوتی ہیں:[1]

شیعہ کی معتبر کتابوں میں لمبے چوڑے دعوے اور خطرناک مزاعم مذکور ہیں، جن کا حقیقت میں کوئی وجود ہے نہ کوئی اثر نہ امت کی کتابوں میں اس کا کوئی شاہد یا کوئی خبر ہی موجود ہے۔ یہ دعویٰ جات اور مزاعم اس مفہوم پر مشتمل ہیں کہ بہت ساری ایسی مقدس کتابیں ہیں، جو آسمان سے اللہ رب العزت کی طرف سے ائمہ پر وحی کی صورت میں نازل ہوئیں۔

بعض اوقات شیعہ کی کتابیں ایسی عبارتیں اور خبریں ذکر کرتی ہیں، جن کے متعلق ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ انہی کتابوں سے ماخوذ ہیں اور ان روایات پر، جن کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ انھی کتابوں سے ماخوذ ہیں، عقائد اور مبادیات کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ گویا وہ لوگ جنھوں نے شیعیت کے اصول وضع کیے، انھوں نے اپنے اصول کی تائید کے لیے کتاب اللہ کے متعلق کیے گئے گذشتہ تمام دعوؤں پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھیں خدشہ تھا کہ یہ ان کا مقصد پورا کرنے کے لیے کافی نہیں۔ کہیں ان کے پیروکار ان کے اردگرد سے بھاگ ہی نہ جائیں، جو دولت وثروت کے چشمے ہیں، وہ کہیں بند نہ ہو جائیں اور خمس اور نیابتِ امامِ زمانہ کے نام پر جس مال، عزت جاہ اور تقدس سے وہ محظوظ ہو رہے ہیں، کہیں وہ ہاتھوں سے جاتا ہی نہ رہے، اس لیے انھوں نے یہ دعوے گھڑ لیے، تاکہ ان تمام ایک جیسے دعوؤں کو ملا کر وہ ان اہداف کے حصول کو یقینی بنائیں اور امت اور اس کے دین کی طرف ایک تیر سیدھا کر لیں!

---

[1] شیعہ کے نزدیک بہت ساری ایسی کتابیں ہیں، جن کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ وہ ائمہ کے پاس رکھی ہوئی ہیں، جن کا ''سنت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ'' کے تحت فصل میں ذکر ہوا ہے۔ یہ تقدس و احترام میں انہی کتابوں کی طرح ہیں، لیکن ان کے وہ اوصاف بیان نہیں کیے جاتے جو ان کے کیے جاتے ہیں کہ مثال کے طور پر یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں یا اس طرح کے دیگر اوصاف۔

یہ دعوے شاید ہی ان اکثر جھوٹے نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے اپنے اوپر کتابیں اور وحی نازل ہونے کے دعویٰ جات سے مختلف ہوں۔ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو ایسے لگتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی میں اس نظریے نے جڑیں پکڑنا شروع کر دی تھیں، جس طرح صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس کا اشارہ ملتا ہے:

''ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، صرف اللہ کی کتاب ہے یا پھر وہ فہم جو ایک مسلمان آدمی کو عطا ہوتا ہے، یا جو اس صحیفے میں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے کہا: دیت، قیدی چھڑوانے اور کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنے کا ذکر ہے۔''[1]

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے، جو سوال کے اسلوب میں ہے:

''کیا تمھارے پاس کتاب اللہ میں جو ہے، اس کے سوا بھی وحی میں سے کوئی چیز ہے؟ (یہ روایت ''کتاب'' سے مراد کی شرح کرتی ہے)۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''ابو جحیفہ نے یہ بات ان سے اس لیے پوچھی تھی کہ شیعہ کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ اہلِ بیت ۔خصوصاً حضرت علی۔ کے پاس وحی میں سے کچھ ہے، جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخصوص کیا ہوا ہے اور دوسروں کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ حضرت علی سے اس مسئلے کے بارے میں قیس بن عباد اور اشتر نخعی نے بھی پوچھا تھا۔ ان دونوں کی حدیث مسند نسائی میں موجود ہے۔''[3]

چناں چہ اس نظریے کا بیج بہت شروع کے زمانے میں ظاہر ہو چکا تھا، لیکن اس کو کس نے سینچا اور پروان چڑھایا؟ تو اس کے متعلق حسن بن محمد بن حنفیہ کے رسالے "الإرجاء" میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ عبداللہ بن سبا کے پیروکاروں (سبائیوں) نے اس جیسے افکار پھیلانے شروع کر دیے تھے، مثلاً ان کا کہنا تھا:

''ہم کو وہ وحی ملی ہے، جس سے لوگ گمراہ رہے ہیں اور ان کا خیال تھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا ۹۰ فیصد حصہ چھپا لیا ہے۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (١/ ٢٠٤) اس کی تخریج گزر چکی ہے، دیکھیں: صفحہ نمبر (۹۹)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٦/ ١٦٧)

[3] فتح الباري (١/ ٢٠٤)

[4] رسالة الإرجاء (ضمن كتاب الإيمان) محمد بن يحيىٰ العدني (ص: ٢٤٩۔ ٢٥٠) مخطوط.

کتاب ''أحوال الرجال'' میں ہے:

''عبداللہ بن سبا نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ قرآن نو حصوں میں سے ایک حصہ ہے، جس کا (مکمل) علم حضرت علی کے پاس ہے۔''[1]

لہٰذا سبائیوں کا دعویٰ یہ اشارہ کرتا تھا کہ حضرت علی کے پاس مخفی علم ہے اور یہی اس دعوے کی بنیاد ہے جو ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر گیا، جو تمام اس دعوے کی طرف لوٹ کر آتی ہیں کہ آلِ بیت کے پاس وہ ہے جو لوگوں کے پاس نہیں۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قطعی طور پر اس کی نفی کی تھی، لہٰذا جو چیز باطل سے پھوٹے وہ باطل ہی ہوتی ہے، کیوں کہ جو اصل کا حکم ہوتا ہے، وہی فرع کا حکم ہوتا ہے۔ یہاں ہم آپ کی خدمت میں مکمل دیانتداری کے ساتھ ان کے اس سلسلے میں وہ چند مزاعم اور دعویٰ جات پیش کرتے ہیں، جو ہم نے ان کی معتبر کتابوں میں پائے ہیں۔

① مصحف فاطمہ رضی اللہ عنہا:

شیعہ کتابیں دعویٰ کرتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر مصحف نازل ہوتا رہا ہے۔ مصحفِ فاطمہ کے متعلق کافی کی ایک روایت کہتی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی، تو حضرت فاطمہ علیہا السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے اتنا زیادہ دکھ پہنچا جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی غم گساری کے لیے ایک فرشتہ بھیجا، جو آپ سے باتیں کرتا۔ انھوں نے امیر المومنین کو اس بات کی شکایت لگائی تو انھوں نے کہا: اب جب تم اس کو محسوس کرو اور اس کی آواز سنو تو مجھے بتانا۔ حضرت فاطمہ نے جب اس کو محسوس کیا تو ان کو بتایا۔ امیر المومنین جو اس سے سنتے، اس کو لکھنا شروع کر دیا، حتی کہ اس سے ایک مصحف تیار ہو گیا، لیکن اس میں حلال و حرام جیسی کوئی چیز نہیں، اس میں جو ہونا ہے، صرف اس کا علم ہے۔''[2]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مصحف کی غرض صرف اکیلی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص ایک معاملہ ہے، جو ان کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، دل جوئی اور خاطر داری کرنا ہے اور یہ کہ اس کا

---

[1] الجوزجاني: أحوال الرجال (ص: ٣٨)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٤٠) بحار الأنوار (٢٦/ ٤٤) بصائر الدرجات (ص: ٤٣)

موضوع صرف آنے والے حالات کا علم ہے۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ ان کو مستقبل میں رونما ہونے والے معاملات کا علم بتانے میں کس طرح ان کی تعزیت اور غم خواری ہے، جس میں، شیعہ روایات کے مطابق، ان کے بیٹوں پوتوں کی شہادت اور اہلِ بیت کے مصائب کا تذکرہ ہے؟ پھر مزید حیرانی کی بات یہ ہے کہ فاطمہ کو علم ما یکون یعنی غیب کا علم کس طرح دیا گیا ہے، جب کہ ان کے والد مکرم رسولِ ہدایت ﷺ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ﴾ [الأعراف: ۱۸۸]

''اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو ضرور بھلائیوں میں سے بہت زیادہ حاصل کر لیتا۔''

کیا وہ رسول اللہ ﷺ سے بھی افضل ہیں؟ یہ روایت کہتی ہے:

''فرشتے نے جو لکھوایا وہ حضرت علی نے لکھا۔'' جب کہ ان کی دوسری روایات کہتی ہیں:

''رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد علی (رضی اللہ عنہ) قرآن جمع کرنے میں مشغول تھے۔''[1]

معلوم ہوا کہ جھوٹ میں تناقض اور اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے، پھر یہ لوگ مزید کہتے ہیں کہ ان کا یہ مصحف قرآنِ کریم سے تین گنا زیادہ ضخیم ہے۔ کافی میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

''میں ابوعبداللہ کے پاس آیا، پھر اس نے علم کے بارے میں طویل حدیث ذکر کی، جو اللہ تعالیٰ نے، ان کے زعم کے مطابق، ائمہ کو ودیعت کیا، اس میں ابوعبداللہ کا یہ قول بھی مذکور ہے: ہمارے پاس مصحفِ فاطمہ ہے۔ (راوی کہتا ہے) میں نے کہا: مصحفِ فاطمہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ایک مصحف ہے، جس میں تمھارے اس قرآن جیسا تین گنا زیادہ ہے، تمھارے قرآن کا اس میں ایک حرف بھی نہیں۔''[2]

یہ افسانہ، جس کو شیعہ کا ''ثقة الإسلام'' اپنی صحیح سند کے ساتھ روایت کر رہا ہے، جس طرح ان کے علما کا یہ فیصلہ ہے،[3] کہتا ہے:

''ان کا مصحف، مصحفِ (عثمانی) کے حجم سے زیادہ اور اس کے مضمون کے مخالف ہے۔''

تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ کی کتاب مصحفِ فاطمہ سے سائز میں کم ہے اور مصحف فاطمہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب سے، جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى

---

[1] دیکھیں: کتاب کا صفحہ نمبر (۲۶۳)

[2] أصول الكافي (۱/ ۲۳۹)

[3] دیکھیں: الشافي شرح أصول الكافي (۳/ ۱۹۷)

لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ [النحل: ۸۹]''ہر چیز کے لیے بیان، ہدایت، رحمت اور مسلمانوں کے لیے خوشخبری قرار دیا ہے'' زیادہ مکمل اور پورا ہے؟

یہ قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے دستورِ حیات قرار دیا ہے، کیا امت کو اپنا دین مکمل کرنے کے لیے اس کے علاوہ کسی دوسری ایسی کتاب کی ضرورت ہے کہ اگر امت نے اس کتاب کو گم کر دیا تو ہدایت اور بھلائی کے اسباب کبھی مکمل نہیں ہوں گے؟ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ امت کے پاس آج یہ کتاب (مصحفِ فاطمہ) موجود نہیں، کیوں کہ تمام کے اعتراف کے مطابق اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔

پھر تسلی اور تعزیت پر مشتمل کتاب، جس طرح ان کی سابقہ روایات کہتی ہے، کتاب اللہ سے زیادہ کامل کس طرح ہوسکتی ہے؟ کیا یہ زعم عقل سے غایت درجہ کے خروج اور جھوٹ کی جسارت پر دلالت نہیں کرتا؟

یہ بات بھی یاد رہے کہ جھوٹ کے مزاج کے مطابق مصحفِ فاطمہ کے بیان میں بھی ان کے افسانے تضاد کا شکار ہیں۔ اگر مذکورہ روایت ذکر کرتی ہے کہ یہ مصحف ایک فرشتے نے لکھوایا تھا اور اس کا نزول رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہوا تھا، تو ان کی دوسری روایت کہتی ہے:

''فاطمہ نے اپنے پیچھے ایک کتاب چھوڑی جو قرآن نہیں تھا، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا کلام تھا، جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی املا تھی اور علی کا خط تھا۔''[1]

اس کا مطلب ہوا کہ یہ مصحف رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھا، لکھوانے والے رسول اللہ تھے اور وہ کلام اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ اس روایت پر اگر غور کریں تو اس کا آخری حصہ قریب ہے کہ اس کے پہلے حصے کے ساتھ ٹکرا جائے، کیوں کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ فاطمہ پر نازل ہو رہا ہو، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ املا کروائیں اور حضرت علی کے خط سے اس کو لکھا جائے؟ ان کی ایک اور روایت کہتی ہے:

''مصحفِ فاطمہ میں کتاب اللہ سے کوئی چیز نہیں، بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے جو ان پر ڈالی گئی ہے۔''[2]

یہ روایت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ مصحف آسمان کی طرف سے ان پر پھینکا گیا، املا کروانے والے رسول اللہ ﷺ نہیں تھے، نہ وہ حضرت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ نہ کوئی فرشتہ آیا، جو ان کے ساتھ باتیں کرتا اور ان کی غم خواری کرتا، تاکہ جو وہ بولے حضرت علی اس کو، اس کے علم میں لائے بغیر، لکھ لیں، جس طرح مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہوتا ہے، پھر اس سے مصحفِ فاطمہ تشکیل پائے، ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ

---

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ٤٢) عن بصائر الدرجات (ص: ٤٢)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ٤٨) بصائر الدرجات (ص: ٤٣)

چیز ان پر ڈالی گئی، نیز یہ ان کے والد مکرم ﷺ کی وفات کے بعد ہوا تھا نہ کہ ان کی زندگی میں! شیعہ کی کتابیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ ائمہ علمِ غیب اور مستقبل بینی کے لیے مصحفِ فاطمہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں: ''میں نے مصحف فاطمہ میں دیکھا ہے کہ ۱۲۸ھ کو زنادقہ کا ظہور ہوگا۔''[1]

یعنی میں نے یہ بات اس سے اخذ کی ہے، لیکن یہ سال جس کی اس کہانی نے تحدید کی ہے، اس میں گمراہیوں کے سرغنہ جہم بن صفوان کے قتل کے علاوہ کوئی نمایاں حادثہ رونما نہیں ہوا، جس طرح تاریخ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ امر اس افسانے میں پیش کردہ زنادقہ کے ظہور کی پیشین گوئی کے مخالف ہے۔

یہ کہانی جھوٹ کو آگے بڑھائے ہوئے مزید کہتی ہے کہ ابوعبداللہ نے کہا:

''میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی مصحفِ فاطمہ میں دیکھا ہے، مجھے اس میں بنی فلاں کا صرف جوتے کے ساتھ لگے ہوئے غبار جتنا ذکر ملا ہے۔''[2]

یہ کہانی تقیے کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہے، اس نے بنی فلاں کا نام ظاہر نہیں کیا، نہ اس میں مذکور لفظ ''فیها'' (اس میں) کا مشار الیہ واضح کیا ہے۔ مجلسی نے بھی اپنی عادت کے مطابق اس کی توضیح نہیں کی۔ یہ لوگ اس کے ساتھ خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بنی فلاں سے حضرت حسن بن علی بن طالب رضی اللہ عنہما کی اولاد مراد لیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ان کے متعلق ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا:

''حسن کی اولاد کو حسد اور طلبِ دنیا نے انکار پر اُکسایا ہے۔''[3]

مقصود یہ ہے کہ مصحفِ فاطمہ ان کے ہاں کائنات میں رونما ہونے والے واقعات کی مستقبل بینی کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ اگر حقیقت میں ایسا ہوتا تو تاریخ کا رخ بدل جاتا! شیعہ کی کتابیں جن مصائب کی تصویر کشی کرتی ہیں، ائمہ کو کبھی ان کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ان کا غائب امام منتظر قتل ہو جانے کے خوف سے کبھی نہ چھپ جاتا اور تقیے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ رہتی، کیوں کہ مصیبت کے اسباب جان لینے کے بعد وہ مصیبت سے بچ جاتے اور محبوب و مرغوب اشیا کے اسباب پہچان لینے کے بعد وہ محبوب اور دل پسند کو حاصل کر لیتے!

اگر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ اس میں کسی چیز کو بدلنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے تو پھر وہ دوسرے لوگوں کی طرح ہی ہیں، جن میں اللہ کی تقدیر جاری ہوتی ہے اور ان کا ان وقوع پذیر ہونے والے حادثات اور واقعات

[1] أصول الكافي (١/ ٢٤٠)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ٤٨) بصائر الدرجات (ص: ٤٤)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٠٥_ ٣٠٦)

کے متعلق علم ہونا ان کی وحشت دور نہ کرتا، بلکہ ان کے غم کو دو آتشہ کر دیتا، کیوں کہ ان واقعات کو بدلنے کے لیے ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا!

اگر یہ روایات ''مصحفِ فاطمہ'' کا موضوع مستقبل بینی کا علم قرار دیتی ہیں تو ان کی ایک دوسری روایت، جس طرح ان کا ثقۃ الاسلام روایت کرتا ہے، یہ کہتی ہے کہ ابوعبداللہ نے مصحفِ فاطمہ کے بارے میں کہا:

''میں نہیں سمجھتا کہ اس میں قرآن ہے، اس میں وہ سب مذکور ہے، جس کی لوگوں کو ضرورت ہے، اور ہم کسی کے محتاج نہیں، حتی کہ اس میں ایک کوڑے، نصف کوڑے، چوتھائی کوڑے اور خراش کے تاوان کا بھی ذکر ہے۔''[1]

یہ عبارت اور روایت مصحفِ فاطمہ میں ''علم ما یکون'' کے ساتھ ساتھ حدود اور دیات کا علم بھی شامل کرتی ہے، حتی کہ اس میں خراش کے تاوان کا بھی ذکر ہے، بلکہ اس میں ساری تشریع موجود ہے، اس کے ساتھ ائمہ کسی دوسرے کے محتاج نہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کو کتاب اللہ کی ضرورت نہیں؟ کیا وہ مصحفِ فاطمہ کے ہوتے ہوئے قرآن کی شریعت سے مستغنی ہو چکے ہیں؟ اگر یہی بات ہے تو ان کے لیے ان کا دین اور امت اسلامیہ کے لیے اس کا دین!

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کی عظیم الشان شریعت اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے ساتھ بھی مکمل نہیں ہوئی کہ اس کو مصحفِ فاطمہ کی ضرورت ہے اور مصحفِ فاطمہ ایسی چیز ہے، جو سب سے بے پروا کر دینے والی ہے؟ ان تمام نصوص کا جوہر اور مغز بالکل واضح ہے۔ ائمہ کو علم ما یکون عطا کرنا، حقیقت میں ان کو اللہ العالمین کی خصوصیت علمِ غیب دے کر ان اُلوہی صفات سے نوازنا ہے اور مصحفِ فاطمہ کو حدود و دیات کے علم پر مشتمل قرار دے کر شریعت اسلامی کو در پردہ ناقص قرار دینا ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ان کی ایک دوسری روایت کہتی ہے:

''علم تشریع "الجامعة" میں موجود ہے، مصحفِ فاطمہ میں نہیں۔ یہ کہتے ہیں: ہمارے پاس ایک صحیفہ ہے، جس کا نام "الجامعہ" ہے۔ حلال وحرام میں سے جو کچھ ہے، اس میں موجود ہے، حتی کہ خراش کی دیت بھی مذکور ہے۔''[2]

اسی طرح ان کے پاس ''حدود'' نامی ایک صحیفہ ہے، جس میں حدود کے بارے میں ذکر ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٤٠)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٣) عن بصائر الدرجات (ص: ٣٩)

''کوڑے کا تیسرا حصہ، جس نے اس سے تجاوز کیا، اس پر کوڑے کی حد لاگو ہوگی۔''[1]

لیکن ''علمِ ما یکون'' کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ مصحفِ فاطمہ کے علاوہ بھی اس کا وسیلہ ہے، وہ جفر ہے اور جبرائیل اور میکائیل سے بھی بڑی ایک مخلوق ہے،[2] ...الخ۔حتی کہ وہ کہتے ہیں:

''فضا میں کوئی پرندہ بھی نہیں پھڑ پھڑاتا، مگر ہمارے پاس اس کے متعلق علم ہوتا ہے۔''[3]

پھر انھوں نے اس بات سے بھی رجوع کیا اور کہا کہ علم سارا کا سارا اللہ کی کتاب سے لیا جاتا ہے، جس طرح ان کی روایت میں ہے کہ ابوعبداللہ نے کہا:

''جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، جنت اور جہنم میں ہے اور جو ہوا ہے اور جو ہوگا، میرے پاس ان تمام کا علم ہے، (راوی نے) کہا: پھر وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے اور دیکھا کہ یہ سننے والوں کو بہت بڑی بات لگی ہے تو کہا: میں نے یہ سب کتاب اللہ سے جانا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔''[4]

بعض معاصرین شیعہ کا یہ قول گزر چکا ہے:

''شیعہ کتاب اللہ کے سلامت ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، کیوں کہ اس کا مصحفِ فاطمہ کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔''[5]

لیکن شیعہ کے ایک دوسرے عالم خنیزی نے کہا ہے:

''مصحفِ فاطمہ قرآن نہیں، اس بات پر ان کی نصوص دلالت کرتی ہیں۔''[6]

دیکھیے! یہ اقوال اور روایات ایک دوسرے کی تکذیب کر رہی ہیں، لیکن ان کو اس سے ذرہ برابر شرم محسوس نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کا دین تقیہ ہے!

شیعہ کی ایک معتبر[7] کتاب "دلائل الإمامة" میں ایک روایت وارد ہوئی ہے، جو اس مصحف مزعوم کے

---

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ١٩۔ ٢٠) عن بصائر الدرجات (ص: ٣٨)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ١٩) أمالي ابن الطوسي (ص: ٢٦٠)

[3] بحار الأنوار (٢٦/ ١٩) عيون أخبار الرضا (ص: ٢٠٠)

[4] اس کی تخریج وتبصرہ گزر چکا ہے۔ دیکھیں (ص: ١٥٣)

[5] دیکھیں: صفحہ نمبر (٢٩٧)

[6] الخنيزي: الدعوة الإسلامية (١/ ٤٧)

[7] کتاب "دلائل الإمامة" کے بارے میں مجلسی کہتا ہے، جو ان کی مشہور اور معتبر کتاب ہے: ''سید ابن طاؤس وغیرہ کی طرح ←

بارے میں کہتی ہے:

''اس میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو قیامت تک ہونے والا ہے، سب کی خبر ہے، اس میں ہر آسمان کی خبر ہے، آسمان میں فرشتوں کی کتنی تعداد ہے، کتنے لوگوں کو اللہ نے رسول اور کتنے لوگوں کو غیر رسول پیدا کیا، ان کے کیا نام ہیں؟ جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے، ان کے کیا نام ہیں؟ کس نے ان کی دعوت قبول کی اور کس نے رد کی؟ اللہ تعالیٰ نے جتنے لوگ پیدا کیے، ان تمام میں مسلمانوں اور کافروں کے نام، ہر اس کا بیان جس نے تکذیب کی، قرونِ اولیٰ کا بیان اور ان کے واقعات، کون سا طاغوت کتنی دیر کے لیے حکمران بنا، ان کی تعداد، ائمہ کے نام، صفات اور کمالات، تمام مخلوق کے نام اور ان کی عمریں، اہلِ جنت کا بیان اور ان کی تعداد، اہلِ جہنم کی تعداد، ان سب کے نام، جس طرح قرآن نازل ہوا، اس کا علم، جس طرح تورات نازل ہوئی، اس کا علم، انجیل جس طرح نازل ہوئی، اس کا علم، زبور جس طرح نازل ہوئی، اس کا علم اور تمام ممالک میں ہر درخت اور مٹی کے ڈھیلے کا علم؛ ان تمام چیزوں کا علم اس میں موجود ہے۔''[1]

یہ تمام جگہیں ''اس کے پہلے دو ورقوں میں ہیں۔''[2]

راوی کہتا ہے کہ شیعہ کے امام نے کہا:

''میں نے تجھے یہ بیان نہیں کیا کہ تیسرے ورقے کے بعد کیا ہے، نہ میں نے اس سے ایک حرف بھی بولا ہے۔''[3]

خدا جانے اس ورقے کا سائز کیا ہوگا؟ ایسے ہی یہ بات بھی ناقابلِ فہم ہے کہ ان کے ائمہ نے اپنی امامت کو واپس حاصل کرنے کے لیے، جس سے وہ محروم ہوگئے، (جس طرح شیعہ کا کہنا ہے) ان تمام علوم سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟!

← کے جملہ متاخرین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا مولف ہمارے ثقہ امامی راویوں میں سے ہے۔ (یعنی محمد بن جریر بن رستم الطبری)، یہ ابن جریر تاریخ طبری کا مصنف، جو ہمارے مخالف ہے، وہ نہیں۔'' (المجلسي: بحار الأنوار: ١/ ٣٩۔ ٤٠) کتاب کا مقدمہ کہتا ہے: ''یہ کتاب ہمیشہ سے امامت اور حدیث میں شیعہ کا مصدر رہی ہے، اس کی تالیف سے لے کر عصرِ حاضر تک نسل در نسل اس پر اعتماد کیا جاتا رہا ہے۔'' (مقدمہ کتاب، ص: ٥)

[1] محمد بن جرير بن رستم الطبري: دلائل النبوة (ص: ٢٧۔ ٢٨)

[2] المصدر السابق.

[3] المصدر السابق.

ان کا امامِ زمانہ اپنی غار سے باہر کیوں نہیں نکلتا؟ وہ قتل سے کیوں ڈرتا ہے؟ (جس طرح یہ اس کے چھپ جانے کی وجہ بیان کرتے ہیں) جب یہ تمام علوم اس کے پاس ہیں تو پھر بھی وہ کیوں چھپا بیٹھا ہے؟ ''دلائل الإمامة'' کی روایت اس مصحف کے نزول کی کیفیت بھی کافی میں مذکور سابقہ روایات میں ذکر کردہ کیفیتِ نزول سے مختلف بیان کرتی ہے:

''یہ آسمان سے تین فرشتوں: جبرائیل، اسرافیل، اور میکائیل کے ذریعے یک مشت نازل ہوا، یہ اس کو لے کر اترے، جبکہ وہ نماز میں حالتِ قیام میں تھی۔ وہ بھی کھڑے رہے، حتی کہ وہ نماز سے فارغ ہوئی تو انھوں نے ان کو سلام کیا اور کہا: السلام (اللہ تعالیٰ) آپ کو سلام دیتا ہے، پھر انھوں نے وہ مصحف ان کی گود میں رکھ دیا۔''[1]

فاطمہ نے کہا: اللہ کے لیے سلامتی، اسی سے سلامتی اور اسی کی طرف سلامتی ہے۔ تم پر بھی اللہ کے ایلچیو! سلام ہو، پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گئے اور وہ وہیں نمازِ فجر کے بعد زوال تک بیٹھے اس کو پڑھتی رہیں، حتی کہ اس کے آخر تک جا پہنچی، جس میں تھا:

''آپ (فاطمہ) کی اطاعت اللہ کی تمام مخلوق یعنی جن، انسان، پرندے، حیوان، انبیا، ملائکہ، سب پر فرض کر دی گئی ہے۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، ان کے گزرنے کے بعد وہ مصحف کس کے پاس چلا گیا؟ اس نے جواب دیا: انھوں نے وہ مصحف امیر المومنین کو دے دیا، جب وہ گزر گئے تو حسن کے پاس آ گیا، پھر حسین کے پاس، پھر ان کے اہلِ خانہ کے پاس، یہاں تک کہ وہ اس کو اس امر کے مالک کو دے گئے....''[2]

یہ مصحفِ فاطمہ کے متعلق ان کی کتابوں میں وارد روایات کا کچھ حصہ ہے، جو بیان کرتا ہے کہ فاطمہ کا ایک مصحف تھا، جو ان پر ان کے والد مکرم ﷺ کی وفات کے بعد نازل ہوا، اس میں علمِ غیب اور حدود و دیات وغیرہ کا علم ہے اور وہ آج ان کے امام غائب کے پاس ہے۔ یہ قرآن کی طرح وحی ہے، لیکن اس سے تین گنا بڑا ہے۔ ہمارے قرآن کا اس میں ایک حرف بھی نہیں، تو گویا یہ مصحف قرآن کے تکملے کے طور پر نازل ہوا ہے؟

اس طرح اس مزعومہ مصحف کے مانند ان کے کئی دیگر مصاحف ہیں، جن کے بارے میں شیعہ کے مصحفِ فاطمہ کے بارے میں کیے گئے دعوے کے ساتھ ملتے جلتے دعوے ہیں۔ یہ ایک بڑا وسیع موضوع ہے،

[1] محمد بن جرير بن رستم الطبري: دلائل النبوة (ص: ٢٧۔ ٢٨)

[2] المصدر السابق.

جس کے لیے ایک مستقل بحث کی ضرورت ہے، لہٰذا یہاں ہم ان کے کچھ مصاحف کے نام اور تفصیل میں جائے بغیر ان کا مختصر سا تعارف ذکر کرتے ہیں۔

② ایک کتاب، جو شیعہ کے دعوے کے مطابق، رسول اللہ ﷺ پر وفات سے قبل نازل ہوئی:

ابوعبداللہ صادق سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر ان کی وفات سے پہلے ایک کتاب نازل کی، جس میں کہا: اے محمد! یہ کتاب، تیرے اہلِ بیت میں سے نجیب (اعلیٰ اوصاف کا حامل) کے نام تیری وصیت ہے۔

''آپ ﷺ نے پوچھا: اے جبرائیل! میرے اہل میں سے نجیب کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: علی بن ابی طالب۔ کتاب پر سونے کی مہریں تھیں، آپ ﷺ نے وہ کتاب حضرت علی کو دی اور کہا کہ اس کی ایک مہر کھولے اور جو کچھ اس میں ہے، اس کے مطابق عمل کرے۔ امیر المومنین نے اس کو کھولا اور اس کے مطابق عمل کیا، پھر انھوں نے وہ کتاب اپنے بیٹے حسن کو دے دی تو انھوں نے بھی ایک مہر کھولی اور اس کے اندر موجود تعلیمات کے مطابق عمل کیا، پھر انھوں نے وہ حسین کو دے دی، انھوں نے بھی ایک مہر کھولی تو اس میں یہ لکھا ہوا پایا: اپنی قوم کو لے کر الف گاہ شہادت میں قدم رکھ، تمھارے علاوہ ان کو شہادت نصیب نہیں ہوگی اور اپنی جان اللہ تعالیٰ سے خرید لو، تو انھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ کتاب علی بن حسین کو دے دی، انھوں نے اس کی مہر توڑی تو ان کو یہ حکم ملا کہ وہ خاموش رہے، اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور اپنے رب کی طرف سے موت آنے تک عبادت کرے تو انھوں نے ایسے ہی کیا اور وہ کتاب محمد بن علی کو دے دی۔ اس نے اس کو کھولا تو اس میں لکھا تھا: لوگوں کو بیان کر، ان کو فتویٰ دے، اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈر، تجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ پھر اس نے وہ مجھ کو دے دیا، میں نے اس کی مہر توڑی تو میں نے اس میں یہ لکھا ہوا پایا: لوگوں کو حدیث بیان کر، ان کو فتویٰ دے، اپنے اہلِ بیت کے علوم نشر کر، اپنے صالح آبا و اجداد کی تصدیق کر، اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈر، تم حرز اور امان میں ہو۔ میں نے ایسا ہی کیا، پھر میں اس کو موسیٰ بن جعفر کو دے دوں گا، ایسے ہی موسیٰ اس کو اپنے بعد والے کو دے دے گا، پھر یہ سلسلہ قیامِ مہدی تک ایسے ہی چلتا رہے گا۔''[1]

[1] بحار الأنوار (٣٦/ ١٩٢۔ ١٩٣) نیز دیکھیں: ابن بابویه: إكمال الدين (ص: ٣٧٦) أمالي الصدوق (ص: ٢٤٠) أمالي الشيخ (ص: ٢٨٢) أصول الكافي (١/ ٢٨٠)

اس کلام سے یہ بات اخذ کرنا ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے وقت تک اس بات سے ناواقف تھے کہ آپ کے اہلِ بیت میں سے ''نجیب'' کون ہے، لہٰذا آپ پوچھ رہے ہیں کہ یہ نجیب کون ہے؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے لوگوں کے سامنے اس کا اعلان و اظہار نہیں کیا، صرف اسی ایک بات کے ساتھ شیعہ کی تمام روایات ساقط ہو جاتی ہیں یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آلِ بیت میں بہت سارے نجبا تھے اور سوال صرف یہ تھا کہ ان میں سے یہاں مقصود اور مراد کون ہے؟ اگر یہ بات ہو، تب یہ چیز شیعہ کے افضلیتِ علی کے دعوے کو منسوخ کرتی ہے۔

پھر اس کتاب نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ اس میں حضرت علی اور حضرت حسن کے لیے کیا وصیت تھی، لیکن حضرت حسین کو موت کی راہ پر نکلنے کا حکم دیا۔ یہ بات تاریخی واقعات کے خلاف ہے، کیوں کہ حضرت حسین نے جن نتائج کا سامنا کیا، وہ خروج کے وقت ان کے ذہن کے کسی نہاں خانہ میں نہیں تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جن مسائل کا سامنے کرنا پڑا، جن کے نتیجے میں وہ شہادت پر فائز ہوئے، اس کا سہرا ان کے سر جاتا ہے، جنھوں نے ان کو سبز باغ دکھائے اور دھوکا دیا۔

جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو انھوں نے پسپائی اختیار کر کے ان کو رسوا کیا اور ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ وہی لوگ تھے، جو اُن کے شیعہ ہونے کے دعویدار تھے۔ انھوں نے بیسیوں خط لکھ کر انھیں اپنی طرف راغب کیا اور جب وہ ان کے دیار کے قریب ہوئے، تو وہ ان کی نصرت سے پیچھے ہٹ گئے، بلکہ ان کی اکثریت خوف اور طمع اور ذاتی مفادات کی خاطر دشمنوں سے جا ملی اور ان کی اور ان کے ساتھ اکثریت کی شہادت کا سبب بنے۔[1]

اس لیے شیعہ کی کتابوں نے حسین کے بعد تین افراد کے سوا سب پر مرتد ہونے کا حکم لگایا ہے۔[2] اب یہ روایت کیا اس گروہ کے دفاع کی کوشش نہیں؟ پھر یہ لوگ علم کی اشاعت اور دعوت کے وجوب کے متعلق ائمہ میں کس طرح تفریق کرتے ہیں؟ کسی کے لیے خاموش رہنا اور گھر میں دب کے رہنا لازمی قرار دیتے ہیں تو کسی کے لیے اشاعتِ علم اور اظہارِ دعوت؟

مزید برآں یہ روایت اعتراف کرتی ہے کہ شیعہ کے پاس کوئی عالم نہیں تھا، جو ان کو حدیث سناتا اور ان کے درمیان علم پھیلاتا، یہاں تک کہ ابوجعفر صادق آئے اور انھوں نے اس کام کا ذمہ اٹھایا۔ اس بات کی شیعہ

[1] مختصر التحفة (ص: ٦٢)

[2] أصول الكافي (٢/ ٣٨٠)

کی ایک دوسری روایت بھی تصدیق کرتی ہے:

''شیعہ ابوجعفر سے پہلے اپنے حج اور حلال وحرام کے مناسک اور احکام سے ناواقف تھے، جب ابو جعفر آیا تو اس نے ان کے لیے علم کی راہ کھولی اور ان کے حج اور حلال وحرام کے مناسک واحکام بیان کیے...۔''[1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابوجعفر سے پہلے اولین شیعہ جہالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علی بن حسین گھر بیٹھے رہے اور انھوں نے خاموش رہنے کو ترجیح دی یا انھوں نے اس وصیت پر عمل کرنے میں خیانت کی اور سونے سے مہر بند کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے علم کی اشاعت کی اور بصیرت و دانائی کے ساتھ اللہ کے دین کی دعوت دی؟!

علی بن حسین اکابر تابعین میں سے تھے اور وہ علم اور دین میں ان کے سادات میں سے تھے۔ انھوں نے ہی ان جیسے افترا پردازوں کے متعلق کہا تھا:

''ہمارے ساتھ اسلام کی محبت جیسی محبت کرو۔ خدا کی قسم! تمھاری ان باتوں نے ہمیں لوگوں میں مبغوض کر دیا ہے۔''[2]

امام زہری فرماتے ہیں:

''میں نے ان سے افضل کوئی قریشی اور ان سے زیادہ بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔''[3]

نیز انھوں نے کہا: ''وہ ثقہ، مامون اور کثیر الحدیث تھے۔''[4]

شیعہ کے عالم مفید نے بھی ان کے علم پھیلانے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس سے عامہ (اہلِ سنت) کے فقہا نے ناقابلِ شمار علوم روایت کیے ہیں اور ان سے مواعظ، ادعیہ، حلال وحرام، مغازی اور ایام کے متعلق بہت کچھ محفوظ کیا ہے، جو علما کے درمیان مشہور ہے۔ اگر ہم ان کی شرح کرنا شروع کر دیں تو بات لمبی ہو جائے گی۔''[5]

---

[1] أصول الكافي (٢/ ٢٠)

[2] طبقات ابن سعد (٥/ ٢١٤)

[3] الخزرجي: الخلاصة (ص: ٢٧٣)

[4] منهاج السنة (٢/ ١٥٣)

[5] المفيد: الإرشاد (ص: ٢٩٢۔ ٢٩٣) عباس القمي: الأنوار البهية (ص: ١١٢)

اس طرح ان کے اقوال اور روایات باہم دست وگریبان ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے ہیں، جو جھوٹ اور افترا کی علامت ہے۔

③ لوحِ فاطمہ:

یہ ،جس طرح ان کی روایات سے معلوم ہوتا ہے، مصحفِ فاطمہ کے علاوہ ایک لوح ہے، کیوں کہ مصحفِ فاطمہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نازل ہوا، جس کو فرشتہ لے کر آیا اور حضرت علی نے اس کو فرشتے کے منہ سے سن کر لکھا اور حضرت فاطمہ کو دیا، یا تین فرشتوں کے ذریعے یکمشت اترا وغیرہ اور اس کے علاوہ دیگر جو اس قوم نے اس کتاب کے اوصاف ذکر کیے ہیں، لیکن لوحِ فاطمہ کے اوصاف دوسرے ہیں، مثلاً: یہ رسول اللہ ﷺ پر اتری اور رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو ہدیہ کر دی...۔ انھوں نے لوحِ فاطمہ سے بعض نصوص نقل کی ہیں جو ان کے عقائد کی تائید کرتی ہیں۔

یہاں ہم اس سے منقول ایک روایت نقل کرتے ہیں، جو انتہائی زیادہ خفیہ ہے، بلکہ اس کے آخر میں، جس طرح ابھی ذکر ہوگا، اس کو ان لوگوں سے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، جو اس کے اہل نہیں، کیوں کہ یہ ان کا سربستہ راز ہے، لیکن خدا جانے یہ راز کب اور کیسے افشا ہوا؟

وہ روایت حسبِ ذیل ہے:

وافی کے مصنف نے کافی سے ابو بصیر عن ابی عبداللہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ابو عبداللہ نے کہا:

''میرے باپ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے کہا: مجھے تمھارے ساتھ ایک کام ہے۔ مجھے کب وقت دیتے ہو کہ میں خلوت میں تجھ سے وہ بات پوچھ سکوں؟ جابر نے کہا: جب آپ چاہیں، تو ایک دن وہ ان کو تنہائی میں ملے اور کہا: اے جابر! مجھے اس لوح کے متعلق بتاؤ، جو تم نے میری والدہ حضرت فاطمہ بنت رسول ﷺ کے ہاتھ میں دیکھی تھی اور میری والدہ نے تجھے کیا بتایا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟

''تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمھاری والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تھا اور میں نے ان کو حسین کی ولادت کی مبارکباد دی تھی۔ میں نے ان کے ہاتھ میں ایک سبز تختی دیکھی، میرا خیال تھا کہ وہ زمرد کی بنی ہوئی تھی اور میں نے اس میں ایک سفید کتاب دیکھی، جس کا رنگ سورج کے رنگ کے مشابہ تھا۔

’’میں نے ان سے کہا: اے دخترِ رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ تختی کیسی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ لوح مجھے رسول اللہ ﷺ نے تحفے میں دی ہے اور یہ میرے والد، خاوند، دونوں بیٹوں اور میری اولاد میں سے اوصیا کے ناموں پر مشتمل ہے۔ مجھے میرے والد محترم نے یہ عطا کی ہے، تاکہ وہ مجھے اس کے ساتھ خوشخبری دیں۔ جابر کہتے ہیں: مجھے وہ تمھاری والدہ فاطمہ نے دی، میں نے اس کو پڑھا اور اس کو لکھ لیا تو میرے باپ نے کہا: اے جابر! کیا تم مجھ کو وہ دکھا سکتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، تو میرے والد صاحب ان کے ساتھ ان کے گھر کی طرف چل دیے۔ انھوں نے ایک چمڑے کا صحیفہ نکالا، تو اس نے کہا: اے جابر! اپنی کتاب کو دیکھ، تاکہ میں اس کو تمھیں سناؤں، جابر نے اپنی کتاب میں دیکھنا شروع کر دیا اور میرے باپ نے پڑھنا شروع کر دیا تو انھوں نے ایک حرف میں بھی مخالفت نہ کی۔ جابر نے کہا: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس کو لوح میں اس طرح لکھا ہوا دیکھا تھا: بسم اللہ الرحمٰن یہ اللہ تعالیٰ کی محمد (ﷺ) کے نام کتاب ہے، جو اس کا نبی، نور، سفیر، حجاب اور دلیل ہے، اس کو روح الامین رب العالمین کی طرف سے لے کر آئے ہیں، اے محمد! میرے اسما کی تعظیم کر اور میری نعمتوں کا شکریہ ادا کر...؟‘‘[1]

[1] اس روایت کو شیعہ کتب میں دیکھیں: الكليني: الكافي (١/ ٥٢٧، ٥٢٨) الفيض الكاشاني: الوافي، أبواب العهود بالحجج والنصوص عليهم صلوات الله عليهم، المجلد الأول (٢/ ٧٢) نیز دیکھیں: الطبرسي: الاحتجاج (١/ ٨٤۔ ٧٨) و ابن بابويه القمي: إكمال الدين (ص: ٣٠١۔ ٣٠٤) الطبرسي: (صاحب مجمع البيان) أعلام الورى (ص: ١٥٢) الكراجكي: الاستنصار (ص: ١٨) غور کریں کہ شیعہ روایت اس مزعومہ خدائی کتاب کے الفاظ نقل کرنے میں متفق نہیں، مثلاً ”إكمال الدين“ اور ”الكافي“ کے الفاظ و عبارات میں مقابلہ کر کے دیکھیں۔ اس کی فوٹو کاپی اگلے صفحے میں ملاحظہ کریں۔

صورة لأحد الكتب المزعومة

بسم الله الرّحمن الرّحيم

هذا كتاب من الله العزيز الحكيم لمحمّد نبيّه و نوره وسفيره وحجابه ودليله نزل به الرّوح الأمين من عند ربّ العالمين ، عظّم يا محمّد أسمائي واشكر نعمائي ولا تجحد آلائي ، إنّي أنا الله لا إله إلّا أنا قاصم الجبّارين ومديل المظلومين وديّان الدّين ، إنّي أنا الله لا إله إلّا أنا ، فمن رجا غير فضلي أو خاف غير عدلي ، عذّبته عذاباً لا أعذّبه أحداً من العالمين فإيّاي فاعبد و عليّ فتوكّل ، إنّي لم أبعث نبيّاً فأكملت أيّامه وانقضت مدّته إلّا جعلت له وصيّاً وإنّي فضّلتك على الأنبياء و فضّلت وصيّك على الأوصياء وأكرمتك بشبليك وسبطيك حسن وحسين ، فجعلت حسناً معدن علمي بعد انقضاء مدّة أبيه وجعلت حسيناً خازن وحيي و أكرمته بالشهادة و ختمت له بالسعادة ، فهو أفضل من استشهد وأرفع الشهداء درجة ، جعلت كلمتي التامّة معه و حجّتي البالغة عنده ، بعترته أثيب وأعاقب ، أوّلهم عليّ سيّد العابدين وزين أوليائي الماضين[1] وابنه شبه جدّه المحمود محمّد الباقر علمي والمعدن لحكمتي سيهلك المرتابون في جعفر ، الرّادّ عليه كالرّادّ عليّ ، حقّ القول منّي لأكرمنّ مثوى جعفر ولأسرّنّه في أشياعه وأنصاره و أوليائه ، أتيحت[2] بعده موسى فتنة عمياء حندس لأنّ خيط فرضي لا ينقطع وحجّتي لا تخفى و أنّ أوليائي يسقون بالكأس الأوفى ، من جحد واحداً منهم فقد جحد نعمتي ومن غيّر آية من كتابي فقد افترى عليّ ، ويل للمفترين الجاحدين عند انقضاء مدّة موسى عبدي وحبيبي وخيرتي في عليّ وليّي وناصري و من أضع عليه أعباء النبوّة وأمتحنه بالاضطلاع بها يقتله عفريت مستكبر يدفن في المدينة الّتي بناها العبد الصّالح[3] إلى جنب شرّ خلقي حقّ القول منّي لأسرّنّه بمحمّد ابنه و خليفته من بعده و وارث علمه ، فهو معدن علمي وموضع سرّي و حجّتي على خلقي لا يؤمن عبد به إلّا جعلت الجنّة مثواه وشفّعته في سبعين من أهل بيته كلّهم قد استوجبوا النّار وأختم بالسعادة لابنه عليّ وليّي وناصري والشاهد في خلقي وأميني على وحيي ، أخرج منه الدّاعي إلى سبيلي والخازن لعلمي الحسن وأكمل ذلك بابنه م ح م د رحمة للعالمين ، عليه كمال موسى وبهاء عيسى وصبر أيّوب فيذلّ أوليائي في زمانه و تتهادى رؤوسهم كما تتهادى رؤوس الترك والدّيلم فيقتلون ويحرقون و يكونون خائفين ، مرعوبين ، وجلين ، تصبغ الأرض بدمائهم و يفشو الويل والرّنّة في نسائهم أولئك أوليائي حقّاً ، بهم أدفع كلّ فتنة عمياء حندس وبهم أكشف الزّلازل وأدفع الآصار والأغلال أولئك عليهم صلوات من ربّهم ورحمة وأولئك هم المهتدون.

قال عبد الرّحمن بن سالم : قال أبو بصير : لو لم تسمع في دهرك ، إلّا هذا الحديث لكفاك ، فصنه إلّا عن أهله . (*) ①

(1) في بعض النسخ [وزين أولياء الله الماضين] .
(2) في بعض النسخ [ابيحت] وفي بعضها [انتجبت] .
(3) هو ذو القرنين لان طوس من بنائه كما صرح به في رواية النعماني لهذا الخبر . (آت)

① شیعہ کتب سے اس کی تخریج گذشتہ صفحے پر گزر چکی ہے۔

④ شیعہ کا دعویٰ کہ آسمان سے بارہ صحیفے اترے ہیں، جو ائمہ کی صفات پر مشتمل ہیں:

شیعہ کی ایک طویل حدیث ہے، جس کو ان کے صدوق ابن بابویہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس طرح یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ۱۲ مہریں اتاریں اور بارہ صحیفے اتارے ہیں، ہر امام کا نام اس کی مہر پر ہے اور اس کی صفات اس کے صحیفے میں ہیں۔''[1] یہی نہیں بلکہ ان کے اس سلسلے میں بہت زیادہ مزاعم اور دعویٰ جات ہیں۔[2]

چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ کتابِ اسلام میں تو ان کا کوئی بھی دعویٰ نہیں پایا جاتا، جس سے ان کے تمام مزاعم پاش پاش ہوگئے تو انھوں نے ائمہ کے بارے میں اپنے اعتقادات ثابت کرنے کے لیے ہر ذریعہ اختیار کیا، لہٰذا انھوں نے یہ خیال پیش کرنا شروع کر دیا کہ قرآن کے ساتھ ساتھ دیگر کتب الٰہیہ بھی نازل ہوئی ہیں، لیکن ان دعووں نے ان کو کوئی فائدہ دینے کے بجائے ان کے جھوٹوں اور رسوائیوں کی فہرست میں مزید اضافہ کر دیا۔

اس نظریے پر نقد اور تبصرہ:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤی اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ﴾ [النساء: ۱۵۳]

''اہلِ کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتارے، سو وہ تو موسیٰ سے اس سے بڑی بات کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھلا، تو انھیں بجلی

---

[1] ابن بابويه القمي: إكمال الدين (ص: ٢٦٣)

[2] ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ بھی کتابیں ہیں، جیسے صحیفہ فاطمہ۔ یہ ان کے دعوے کے مطابق موتی کا سفید رنگ کا صحیفہ ہے، جس میں ائمہ کے نام ہیں۔ اس کو چھونا تمام لوگوں کے لیے ممنوع ہے، ''نبی، وصی نبی یا اہلِ بیت نبی کے سوا کسی کو اس کو چھونے کی اجازت نہیں'' پھر انھوں نے اپنی بعض نصوص ذکر کی ہیں، جن میں ایک یہ ہے: ''ابو القاسم محمد بن عبداللہ مصطفیٰ۔ ان کی والدہ آمنہ ہیں، ابو الحسن علی بن ابی طالب مرتضیٰ ان کی ماں فاطمہ بنت اسد ہیں...'' پھر باقی بارہ کے ان کی ماؤں کے ناموں سمیت نام ذکر ہوئے ہیں۔ دیکھیں: بحار الأنوار (٣٦/ ١٩٣۔ ١٩٤) إكمال الدين (ص: ١٧٨) عيون أخبار الرضا (ص: ٢٤۔ ٢٥)

نے ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑ لیا۔‘‘

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [الإسراء: ۹۰۔ ۹۳]

’’اور انھوں نے کہا ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کرے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگور کا ایک باغ ہو، پس تو اس کے درمیان نہریں جاری کر دے، خوب جاری کرنا۔ یا آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے، جیسا کہ تو نے دعویٰ کیا ہے، یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے۔ یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر ہو، یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، یہاں تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔ تو کہہ میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر کے سوا کچھ نہیں جو رسول ہے۔‘‘

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الأنعام: ۷]

’’اور اگر ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی چیز اتارتے، پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے تو یقیناً وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، یہی کہتے کہ یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔‘‘

چنانچہ وہ لوگ جنھوں نے رسول سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ان کے سامنے آسمان سے لکھی صورت میں صحیفہ پیش کرے وہ کفار اور اہلِ کتاب تھے، لیکن ان کی یہ درخواست قبول نہ ہوئی، لیکن کلینی اور اس کے ہم نواؤں نے، جنھوں نے یہ جھوٹ پھیلایا، انھوں نے بہترین امت، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی تھی، اس کی یہ تصویر کشی کرنے کی جراَت کی کہ وہ یہودیوں اور کفار سے بھی بڑے کافر ہیں، کیوں کہ ان پر آسمان سے کتابیں بھی نازل ہوئیں، لیکن وہ ایمان نہ لائے، یعنی انھوں نے بارہ اماموں کو نہ پہچانا۔ حالانکہ یہ آیت ان روافض کے دعوے کو

باطل قرار دینے میں بالکل صریح ہے، کیوں کہ اگر ان کے دعووں کی کوئی بھی حقیقت ہوتی تو آیات اس کا اشارہ تو کرتیں اور ان کے دعوے کی مخالفت نہ کرتیں یا نبی کریم ﷺ ان سے کہہ دیتے کہ فاطمہ پر یا علی پر جو نازل ہوا ہے، اس کو بھی لے لو، یا جو ائمہ پر نازل ہوگا، اس کو بھی لے لینا، لیکن اس جیسی کوئی چیز بھی رونما نہیں ہوئی، پس یہ اتنے بے شرم ہیں کہ اس جیسے ننگے جھوٹ پر بھی اتنی جرأت دکھا رہے ہیں۔ امت کو کیا پڑی تھی کہ اس نے صرف قرآن اور سنت کو نقل کیا اور ان مزعومہ کتابوں کو ان کے لیے چھوڑ دیا کہ یہ اکیلے ہی انھیں نقل کریں؟ ان کتابوں کو نہ کوئی امتی جانتا ہے نہ کوئی تاریخ دان اور نہ اہلِ ادیان ہی ان سے آشنا ہیں۔ اگر ان کے پاس یہ خدائی صحیفے موجود تھے تو پھر امام کی تعیین میں شیعہ میں اختلاف کیوں ہوا اور وہ بیسیوں فرقوں میں کیوں بٹ گئے؟

مجھے ان کی ایک روایت ملی ہے جو کافی میں ہے اور وہ اس دعوے کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ ابوعبداللہ سے مروی ہے، جن کے سر یہ سارے افتراءات لگاتے ہیں، انھوں نے کہا:

> ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے۔ اس کا ذکر بلند ہو۔ تمھارے نبی کے ساتھ نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا، لہٰذا آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور تمھاری کتاب کے ساتھ کتابوں کو ختم کر دیا، اس کے بعد کبھی کوئی کتاب نہیں ہوگی، اس میں اس نے ہر چیز کی تفصیل نازل کر دی ہے، اس میں تمھاری تخلیق، زمین و آسمان کی تخلیق اور تم سے پہلے لوگوں کی خبر ہے۔ یہ تمھارے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے اور اس میں تم سے بعد والے لوگوں کی بھی خبر ہے، اس میں جنت وجہنم کا اور تمھارے انجام کا تذکرہ ہے۔''[1]

یہ روایت کسی تبصرے کی محتاج نہیں، کیوں کہ یہ ان تمام دعووں کی تکذیب کرتی ہے اور ان کے وقوع پذیر ہونے کی قطعی نفی کرتی ہے۔ شیعہ کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رضا نے کہا:

> ''محمد ﷺ کی شریعت قیامت تک منسوخ نہیں ہوگی، جس نے اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا یا قرآن کے بعد کوئی کتاب پیش کی تو ہر اس شخص کے لیے اس کا خون بہا دینا جائز ہے، جس نے بھی اس سے یہ بات سنی۔''[2]

یہاں ہم ان سے، ان کی ذہنیت اور اندازِ فکر کے مطابق مخاطب ہیں، وگرنہ نہ اس نظریے کو ذکر کر دینا ہی

---

[1] صحیح الکافي (١/ ٣١) أو أصول الکافي (١/ ٢٦٩) نیز دیکھیں: مفتاح الکتب الأربعة (٨/ ٦٤۔ ٦٥)

[2] بحار الأنوار (٧٩/ ٢٢١) و (١١/ ٣٤۔ ٣٥) مجلسی نے اسے ''علل الشرائع لابن بابویه'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس کے باطل ہونے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، نیز امت کا اجماع بھی اس بات پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے سوا کوئی دوسری کتاب نہیں اور جس کسی نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے، وہ جھوٹا اور زندیق ہے۔

ان کتابوں کے نازل کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [النحل: ٨٩]

''اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی، اس حال میں کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے اور فرماں برداروں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوش خبری ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ﴾ [الإسراء: ٩]

''بلاشبہ یہ قرآن اس (راستے) کی ہدایت دیتا ہے، جو سب سے سیدھا ہے۔''

اگر یہ مصاحف اور صحیفے نازل ہوئے تھے تو آج یہ کہاں ہیں؟ کیا ان کا کوئی نشان ہے؟ پھر امام منتظر کے پاس ان کو چھپا کر رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے کہ شیعیت کی عمارت تعمیر کرنے والے کاریگروں نے اس ڈر سے کہ کہیں کتاب اللہ میں اس پر دلالت کرنے والی کسی بھی دلیل کے نہ ہونے کی وجہ سے، ان کا مذہب پیروکاروں سے محروم نہ ہو جائے، ایسی روایات وضع کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا اس سے بھی گہرا اور دور رس ایک مقصد یہ تھا کہ امت اور اس کے دین کے خلاف ساز باز کی جائے اور شیعہ کو مسلمانوں سے اتنا دور کر دیا جائے کہ یہ اپنی کتابوں کے ساتھ کتاب اللہ سے بھی علاحدہ ہو جائیں۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ شیعہ کے وہ قدیم اور معاصر علما، جنھوں نے اثنا عشریہ کی طرف تحریفِ قرآن کی نسبت کی مخالفت کی ہے اور ان روایات کو کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود، ان افسانوں میں شامل کیا ہے، جو شیعہ مذہب کے رگ و پے میں سرایت کر چکے ہیں، انھوں نے بھی ۔میرے مطالعے کے مطابق۔ اس الزام کے متعلق، جس کو کلینی اور اس کے ہم نواؤں نے پھیلانے کی ذمے داری بڑی خوبی سے نبھائی ہے، وہی موقف نہیں اپنایا۔ شیعہ علما نے اس سے بڑی غفلت دکھائی ہے، حالانکہ یہ بات بھی پہلے دعوے سے کم خطرناک نہیں، بلکہ ابن بابویہ اور طبرسی، یہ دونوں وہ ہیں جنھوں نے ''افسانہ تحریف'' کا انکار کیا ہے، اس گمراہی کو پھیلانے میں پورے شریک ہیں۔ کیا اس کی کہیں یہ وجہ تو نہیں کہ شیعہ کے متعلق پہلی بات مسلمانوں میں معروف ہو چکی تھی اور

دوسری غیر معروف تھی؟ شیعہ کا مذکورہ بالا دعویٰ اپنے پہلو میں انتہائی خطرناک امور رکھتا ہے، مثلاً:

① وحی منقطع ہوئی ہے نہ نبوت ختم ہوئی ہے اور ائمہ شیعہ انبیا کے مرتبے پر یا اس سے بھی کسی بلند مقام پر فائز ہیں، کیوں کہ ان پر تو آسمان سے متعدد کتابیں نازل ہوتی ہیں اور یہ تعدد رسول اللہ ﷺ کو بھی حاصل نہیں تھا۔ نیز یہ نظریہ صحابہ کرام اور تمام امت کو گمراہ قرار دیتا ہے، کیوں کہ انھوں نے ان نازل شدہ کتابوں کو رد کر دیا۔ یہ دعویٰ اس بات کی واضح علامت ہے کہ یہ مذہب بدقسمتی سے جھوٹوں کی ایک ٹولی کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا ہے، جو کسی قسم کے جھوٹ سے قطعا پرہیز نہیں کرتے تھے، چناں چہ انھوں نے احادیث وضع کر کے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بول دیا اور یہ کتابیں وضع کر کے اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ بول دیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پر وہی جھوٹ باندھتے ہیں، جو ایمان نہیں رکھتے۔

تیسرا مسئلہ: شیعہ کا یہ دعویٰ کہ تمام آسمانی کتابیں ائمہ کے پاس موجود ہیں:

شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بارہ اماموں کے پاس آسمان سے نازل ہونے والی تمام کتابیں موجود ہیں اور وہ ان کی مختلف زبانیں ہونے کے باوجود انھیں پڑھتے ہیں۔

صاحبِ کافی نے اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے اس عنوان: ''ائمہ کے پاس وہ تمام کتابیں موجود ہیں، جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں اور ان کی زبانیں مختلف ہونے کے باوجود وہ انھیں جانتے ہیں'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے اور اس میں اس نے اپنی روایت کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے۔[1]

صاحبِ بحار نے بھی یہی کام کیا ہے اور اس عنوان: ''ائمہ ۔صلوات اللّٰہ علیہم۔ کے پاس انبیا کی کتابیں ہیں، وہ ان کی زبانیں مختلف ہونے کے باوجود انھیں پڑھتے ہیں'' کے ساتھ ایک باب ذکر کیا ہے اور اس باب میں مجلسی نے ۲۷ احادیث درج کی ہیں۔[2]

یہ روایات ائمہ شیعہ کے بارے میں کہتی ہیں:

''ہر وہ کتاب جو نازل ہوئی، وہ اہلِ علم کے پاس ہے اور ہم وہی ہیں۔''[3]

نیز فرمایا:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٢٧)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ١٨٠)

[3] أصول الكافي مع شرح جامع للمازندراني (٥/ ٣٥٥)

[4] المصدر السابق (٥/ ٣٥٤)

’’ہمارے پاس صحفِ ابراہیم اور الواحِ موسیٰ ہیں۔‘‘[4]

مزید فرمایا:

’’ہمارے پاس تورات، انجیل، زبور کا علم اور الواح میں موجود علم کا بیان ہے۔‘‘[1]

ایک دوسری روایت ’’الواح‘‘ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتی ہے:

’’یہ الواحِ موسیٰ ہیں اور یہ الواح جنت سے اترے ہوئے زبرجد پتھر کی ہیں، اس میں ہر اس چیز کی تفصیل ہے، جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ یہ عبرانی زبان میں لکھی ہوئی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے یہ امیر المومنین کو دیں اور کہا: انھیں سنبھال کر رکھنا، اس میں اوائل اور اواخر کا علم ہے، یہ الواحِ موسیٰ ہیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں یہ تجھ کو دے دوں۔

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں انھیں صحیح طرح پڑھ نہیں سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے جبرائیل نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو حکم دوں کہ اس رات ان کو اپنے سرہانے کے نیچے رکھ کر سو جاؤ، جب آپ صبح بیدار ہوں گے تو آپ انھیں پڑھنا سیکھ جائیں گے۔

چناں چہ انھوں نے اس کو اپنے سرہانے رکھ دیا اور صبح کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو، ان میں جو کچھ تھا، اس سب کی تعلیم دے دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان کو لکھ لیں تو انھوں نے ان کو بکری کی کھال پر لکھ لیا اور یہی جفر ہے، اس میں اوائل اور اواخر کا علم ہے اور یہ ہمارے پاس ہے۔‘‘[2]

اگر یہ روایت جفر کا مضمون متعین کرتی ہے کہ یہ الواحِ موسیٰ ہیں تو شیعہ کی ایک دوسری روایت اس تعیین کے دائرے سے نکلتے ہوئے کہتی ہے کہ ابوعبداللہ نے کہا:

’’میرے پاس سفید جفر ہے ... جس میں داود کی زبور، موسیٰ کی تورات، عیسیٰ کی انجیل، صحفِ ابراہیم، حلال و حرام اور مصحفِ فاطمہ ہے۔ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ اس میں قرآن ہے، اس میں وہ سب کچھ ہے، جس میں لوگ ہمارے محتاج ہیں اور ہم کسی کے محتاج نہیں، حتی کہ اس میں کوڑے، آدھے کوڑے، چوتھائی کوڑے اور خراش کے تاوان کا بھی ذکر ہے۔‘‘[3]

گویا شارحِ کافی نے ان تمام چیزوں کا جفر میں لکھا ہونا بہت گراں سمجھا ہے، جو صرف ایک بکری کی

[1] المصدر السابق.

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ١٨٧۔ ١٨٨)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٤٠)

کھال ہے، جس طرح سابقہ روایت نے اس کی یہ تفسیر کی ہے، لہٰذا وہ کہتا ہے:

''ظاہر یہ ہے کہ جفر محض ایک ظرف ہے، جس میں یہ تمام صحیفے ہیں نہ کہ یہ صحیفے تمام اس میں لکھے ہوئے ہیں۔''[1]

جب کہ سابقہ روایت صراحتاً اس بات کی مخالفت کرتی ہے، کیوں کہ وہ صریحاً یہ بات کہتی ہے کہ حضرت علی نے اس کو بکری کی کھال پر لکھا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بکری کی کھال میں ان تمام کا سما جانا مستحیل ہے، جن میں صرف ایک شَے یعنی الواحِ موسیٰ، اوائل و اواخر کے علم پر محیط ہیں۔ یہ بات اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے کہ یہ دعوے ایسے جاہل کے بنائے ہوئے ہیں، جس کو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔ ہر عقل مند یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر ائمہ کے پاس اوائل اور اواخر کا علم ہوتا تو تاریخ کا دھارا بدل جاتا۔

یہ دعویٰ کہ ائمہ کے پاس آسمانی کتابیں ہیں، محض نظریات کی حد تک ہی نہیں، بلکہ عمل کے دائرے میں بھی داخل ہو چکا ہے۔ شیعہ کے گمان کے مطابق ابوالحسن نے ایک بریہ نامی عیسائی کے سامنے انجیل پڑھی، اس عیسائی نے ان کی قراءت سننے کے بعد کہا:

''میں پچاس سال سے صرف تمھیں ہی تلاش کر رہا تھا، پھر روایت کے مطابق وہ عیسائی مسلمان ہوگیا اور اس کا اسلام اچھا رہا، پھر اس نے امام سے کہا: تورات، انجیل اور انبیا کی کتابوں کا علم تمھارے پاس کہاں سے آیا؟ تو انھوں نے جواب دیا: یہ ہمیں ان سے وراثت میں ملا ہے۔ جس طرح انھوں نے پڑھا، ہم اسی طرح پڑھتے ہیں اور جس طرح انھوں نے کہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین میں اس کو حجت نہیں بناتے کہ کسی چیز کے بارے میں اس سے پوچھا جائے تو وہ کہہ دے: میں نہیں جانتا۔''[2]

اس روایت سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ شیعہ تورات اور انجیل وغیرہ پڑھتے ہیں، جس طرح انبیا نے پڑھیں، حتی کہ وہ اس میں لوگوں کے سوالات کا جواب دینے کے لیے بھی اشیا پاتے ہیں، بلکہ معاملہ محض قراءت اور فتاویٰ سے آگے بڑھ کر فیصلے اور عدالتی امور تک پہنچ چکا ہے۔

صاحبِ کافی نے اس عنوان کے ساتھ یہ باب قائم کیا ہے:

---

[1] شرح جامع للماندراني (٥/ ٣٨٩)

[2] أصول الكافي مع شرح جامع (٥/ ٣٥٩) بحار الأنوار (٢٦/ ١٨١۔ ١٨٢) التوحيد للصدوق (ص: ٢٨٦۔ ٢٨٨)

"باب في الأئمة أنهم إذا ظهر أمرهم حكموا بحكم داود و آل داود، ولا يسألون البينة ـعليهم السلام"[1]

''یہ باب کہ ائمہ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا ہے تو وہ داود اور آلِ داود کے فیصلوں کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اور دلیل نہیں پوچھتے۔''

اس باب میں جو روایات اس نے ذکر کی ہیں، ان میں ایک یہ ہے:

''جعید ہمدانی نے علی بن حسین سے روایت کیا ہے کہ میں نے ان سے پوچھا: تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: آلِ داود کے فیصلے کے ساتھ، اگر ہمیں کوئی چیز تھکا دے اور کوئی راہ سجھائی نہ دے تو روح القدس ہمیں القا کر دیتا ہے۔''[2]

ان کی بہت زیادہ ایسی روایات بھی مذکور ہیں، جو کہتی ہیں:

''ان کا مہدی منتظر آلِ داود کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرے گا اور دلیل نہیں مانگے گا۔''[3]

وہ ان جملہ احکام کا ذکر بھی کرتے ہیں، جن میں ان کا مہدی اپنی مخصوص شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا، مثلاً:

''وہ اہلِ کتاب سے جزیہ قبول نہ کرے، ہر اس انسان کو قتل کر دے گا جو بیس برس کا ہو جائے گا، لیکن وہ دین میں فقاہت حاصل نہ کرے گا، وہ دلیل قبول نہ کرے گا اور آلِ داود کے فیصلوں کے مطابق فیصلے کرے گا اور ان جیسی دوسری چیزیں۔''[4]

ان کی تفصیل ''مہدی منتظر کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' کی فصل میں ذکر ہوگی۔ شیعہ کی کئی ایسی روایات منقول ہیں، جو کہتی ہیں کہ حضرت علی کہتے ہیں:

''اگر مجھے اقتدار مل گیا تو میں ہر گروہ کے درمیان اس کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گے۔''[5]

ان میں سے ایک روایت یہ کہتی ہے کہ حضرت علی نے کہا:

''اگر میرے لیے تکیہ بچھا دیا جاتا،[6] یا لوگوں نے جس طرح ابن صوحان[7] کے لیے بچھایا اس طرح

---

[1] أصول الكافي (١/ ٣٩٣)
[2] المصدر السابق (١/ ٣٩٨)
[3] دیکھیں: المصدر السابق (١/ ٣٩٨ وما بعدها)
[4] دیکھیں: الشعراني: تعاليق علمية على شرح الكافي للمازندراني (٦/ ٣٩٣)
[5] دیکھیں: البحار (٢٦/ ١٨٠ وما بعدها) و (٤٠/ ١٣٦ وما بعدها)
[6] مجلسی کہتا ہے: تکیہ بچھانے سے مراد اقتدار اور فیصلے کا نفاذ ہے۔ (بحار: ٤٠/ ١٣٧)
[7] مجلسی کہتا ہے: ''اس خبر میں ابن لوحان کا ذکر غریب ہے، شاید یہ ابن ابی سفیان تھا، اگر یہ وہ ہوتو پھر یہ مراد ہوگا کہ اگر میرے اصحاب میرے فیصلے کو اس طرح نافذ اور قبول کرتے، جس طرح ابن صوحان کا حکم نافذ کیا جاتا تھا۔ (البحار: ٢٦/ ١٨٢)

میرے لیے تکیہ بچھا دیا جاتا تو میں اہلِ تورات کے مابین تورات کے مطابق فیصلہ کرتا اور اہلِ انجیل کے درمیان انجیل کے ساتھ، اہلِ زبور کے درمیان زبور اور اہلِ فرقان کے مابین فرقان کے مطابق فیصلہ کرتا۔''[1]

اس نظریے پر نقد وتبصرہ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جن وانس کی طرف نبی بنا کر بھیجا، آپ پر نبوت ختم کر دی اور آپ کی رسالت کے ساتھ تمام رسالتیں منسوخ کر دیں:

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران: ۸۵]

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔''

اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ بھی زندہ ہوتے تو وہ آپ ﷺ کے پیروکار ہوتے۔[2] نیز جب حضرت عیسیٰ کا زمین پر نزول ہوگا تو وہ شریعتِ محمد ﷺ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔[3] لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی کتاب کے ساتھ تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ [المائدة: ٤٨۔ ٤٩]

''اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی، اس حال میں کہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو کتابوں میں سے اس سے پہلے ہے اور اس پر محافظ ہے۔ پس ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر، اس سے ہٹ کر جو حق میں سے

---

[1] البحار (٢٦/ ١٨٢)

[2] شرح الطحاوية (ص: ٥١٣)

[3] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (٤/ ٣١٦) شرح الطحاوية (ص: ٥١٣)

تیرے پاس آیا ہے۔تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک امت بنا دیتا اور لیکن تا کہ وہ تمھیں اس میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتائے گا جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے بچ کہ وہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کیا ہے۔''

امام ابن جریر طبری اس آیت: ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں کہتے ہیں:

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے، جو اس نے اپنے نبی کو دیا کہ وہ اپنے پاس فیصلہ کروانے کے لیے آنے والے اہلِ کتاب اور تمام ملتوں کے افراد کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے ان پر نازل کی ہے اور وہ قرآن ہے، جس کو اس نے اپنی شریعت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کو اپنے سے پہلے تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور ان پر نگران بنا کر نازل کیا، جس نے اپنے سے پہلے تمام کتابوں کو منسوخ اور ختم کر دیا۔''[1]

لیکن شیعہ کی کتابیں کہتی ہیں کہ ان کے ائمہ آلِ داود کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کریں گے اور ہر دین کے ماننے والے کے درمیان اس کی کتاب کے مطابق فیصلہ سنائیں گے۔ کیا اس میں شریعتِ اسلام سے خروج نہیں یا اتحادِ ادیان کی دعوت نہیں؟! یہ بات اس حقیقت کی دلیل ہوسکتی ہے کہ شیعیت مختلف فرقوں اور ادیان کی جائے پناہ ہے، چناں چہ ہر صاحبِ دین اس میں اپنا مقصد تلاش کر سکتا ہے اور اس کے لبادے میں اسلام میں اپنا زہر پھیلا سکتا ہے۔

رہی شیعہ کی یہ بات کہ ائمہ کے پاس انبیا کی کتابیں موجود ہیں تو اس بات کی ان کے پاس ان دعووں کے سوا کوئی دلیل نہیں، جن کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ کیوں کر ممکن ہے؟ یہ ساری کتابیں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی نہیں تھیں، جس طرح صحیحین کی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے:

''یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ ان کے ایک مرد اور عورت نے زنا کر لیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ زنا کے متعلق تمھاری کتاب کیا کہتی ہے؟ انھوں نے

[1] تفسیر ابن جریر الطبري (٦/ ٢٦٨۔ ٢٦٩) نیز دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١٩/ ٢١٨)

کہا: ہم انھیں رسوا کرتے ہیں اور انھیں کوڑے مارے جاتے ہیں تو عبداللہ بن سلام نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، اس میں ان کی سزا رجم ہے، پھر وہ تورات لے کر آئے، انھوں نے اس کو کھولا اور ایک نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور اس سے پہلی اور بعد والی آیت پڑھی۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھا، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت تھی۔ انھوں نے کہا: اے محمد ﷺ! اس نے سچ کہا ہے، اس میں رجم کی آیت موجود ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا تو ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔‘‘[1]

اہلِ علم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان: ’’رجم کے بارے میں تورات میں کیا پاتے ہو‘‘ اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو چکا ہو کہ اس میں رجم کا حکم جس طرح آپ ﷺ نے مشروع قرار دیا، اس کے مطابق ثابت ہے اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ آپ کو اس کا علم عبداللہ بن سلام اور دیگر مسلمان ہونے والے یہودی علما کے ذریعے حاصل ہوا ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے اس لیے پوچھا ہو، تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ ان کے پاس اس کا کیا حکم ہے؟ پھر اس کی صحت اللہ تعالیٰ سے معلوم کریں۔[2]

لیکن انھوں نے یہ احتمال ذکر نہیں کیا کہ آپ ﷺ کے پاس تورات موجودہ ہو، بلکہ یہ شیعہ کی بدعت ہے، اگر معاملہ ایسے ہی ہوتا، جس طرح شیعہ کی کتابیں دعویٰ کرتی ہیں تو آپ ﷺ اپنے پاس موجود تورات نکالتے، انھیں لانے کا حکم نہ دیتے یا اپنے چچا زاد بھائی علی سے منگوا لیتے۔

یہاں ایک اور بات بھی ہے کہ شیعہ یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ سابقہ اور موجودہ آسمانی کتابیں ائمہ کے پاس ہیں، جو تحریف اور تبدیلی کی پہنچ سے محفوظ ہیں، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ اہلِ کتاب نے کلمات میں تحریف کر دی، ان کو ان کے اصل مقام سے بدل دیا، جو ان کو یاد کروایا گیا، اس کا ایک حصہ وہ بھول گئے، جب انھوں نے کتاب کا ایک حصہ ضائع کر دیا اور اس کو بھول گئے تو ان کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔

جب امتِ قرآن ناخواندگی کے دور سے باہر نکل آئی اور انھوں نے اہلِ کتاب کی تاریخ پڑھی تو ان کے

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح: كتاب المناقب، باب قول الله تعالىٰ: ﴿يعرفونه كما يعرفون أبناء هم...﴾ [البقرة: ١٤٦] (٦/ ٦٣١)، رقم الحديث (٣٦٣٥) صحيح مسلم: كتاب الحدود، باب رجم اليهود، أهل الذمة في الزنىٰ (٢/ ١٣٢٦) رقم الحديث (١٦٩٩) سنن أبي داود: كتاب الحدود، باب في رجم اليهوديين (٤/ ٥٩٣) رقم الحديث (٤٤٤٦) سنن ابن ماجه: كتاب الحدود، باب رجم اليهودي واليهودية (٢/ ٨٥٤۔ ٨٥٥) رقم الحديث (٢٥٥٨) موطأ الإمام مالك: كتاب الحدود، باب ماء في الرجم (٢/ ٨١٩) مسند أحمد (٢/ ٥) الرسالة للشافعي (فقرة: ٦٩٢، بتحقيق أحمد شاكر)

[2] الباجي: المنتقىٰ (٧/ ١٣٣) فتح الباري (١٢/ ١٦٨) عون المعبود (١٢/ ١٣١)

سامنے یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ یہودی اس کتاب کو کھو چکے ہیں، جس کو موسیٰ علیہ السلام نے لکھا تھا، پھر وہ ان کو نہیں ملی۔ اس کے بعد ان کے علما کو جو کچھ اس سے یاد تھا، اس کو دوسری ایسی چیزوں کے ساتھ ملا کر، جو تورات میں موجود نہیں تھی، انھوں نے اس کو از سر نو لکھا، ان کے پاس موجودہ تورات یہی بات ثابت کرتی ہے۔[1]

''بلکہ اناجیل میں تورات سے بھی زیادہ اضطراب ہے۔ زبور کے نسخے بہت سارے الفاظ اور معانی میں ایک دوسرے کے ساتھ متصادم ہیں، جو ان کو دیکھتا ہے، وہ حلفاً یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اس میں اکثر باتیں حضرت داود علیہ السلام کی طرف جھوٹی منسوب ہیں۔''[2]

یہاں اس مسئلے کی تحقیق اور تفصیل کا مقام نہیں، بلکہ ان تحقیقات کے نتائج کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے، جو سابقہ کتابوں پر کی گئیں، جن کا یہ کہنا ہے کہ ان میں کوئی کتاب بھی تحریف سے محفوظ نہیں اور اب وہ اس طرح نہیں، جس طرح نازل ہوئی تھی، مگر شیعہ کی کتابیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے پاس یہ اور دیگر تمام آسمانی کتابیں موجود ہیں، جن میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ اگر ائمہ کے پاس اصل غیر تحریف شدہ آسمانی کتابیں ہوتیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ حتمی طور پر ان سے مطالبہ کرتا کہ وہ ان کتابوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا سامنے کریں، تاکہ وہ ان کو حق کی طرف لوٹاتے اور ان کے سامنے ان کی کتابوں سے وہ اخبار اور روایات پیش کرتے جو ظہور نبوی اور اس کی اتباع کا وجوب ثابت کرتی ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اکثر یہود و نصاریٰ اپنے کفر سے رجوع کر لیتے اور یہ بات نقل کی جاتی اور زبانِ زد عام ہوتی۔

شاید جو یہ دعویٰ سنے، وہ یہ سوال کرے کہ یہ آسمانی کتابیں کہاں ہیں؟ وہ کسی جگہ اور کس کے پاس ہیں؟ ائمہ کے پاس ان کے موجود رہنے کا کیا مقصد ہے؟ کیا وہ ان کے ساتھ شریعتِ اسلام کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں؟ انھوں نے ان کے ذریعے اہلِ کتاب کی تحریف کو کیوں ثابت نہیں کیا، تاکہ ان پر حجت قائم کر دیں؟ اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو کیا یہ ان کی کوتاہی شمار ہوگی؟

ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں، کیوں کہ یہ ایسے افسانے کے متعلق گھومتے ہیں، جس کی کوئی حقیقت نہیں، نیز ایسے دعووں کا ایسی قوم کی طرف سے پیش کیا جانا بھی کوئی باعثِ تعجب نہیں، جنھوں نے اپنے اماموں کے لیے ہر چیز کا دعویٰ کر دیا ہے، لیکن عجیب بات تو یہ ہے کہ دنیا میں آج ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی تصدیق کرتے ہیں؟ چناں چہ شیعہ ان سربستہ کتابوں، آسمانی مصاحف اور انبیا کی میراث کے متعلق ان تمام اوہام

---

[1] تفسیر المنار (٦/ ٣٩٦)

[2] ابن تيمية: دقائق التفسير (٣/ ٥٨)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ان کی جائے قرار اور امانت خانہ موہوم غائب اور مہدی منتظر ہے۔[1]

لہٰذا ان کے پیروکار اس دھوکے پر مبنی سراب کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ یہ صرف کہانیاں ہیں، جو پے در پے جاری ہیں!!

رسولوں پر ایمان:

اس رکن میں شیعہ کی گمراہی متعدد عقائد میں منعکس ہوتی ہے، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ ائمہ کی طرف وحی ہوتی ہے،[2] جس طرح سنت کی فصل اور کتابوں پر ایمان کے مسئلے میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا: ''ائمہ معصوم ہیں اور ان کی بات کی اتباع کرنا ضروری ہے۔''[3] اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے رسول کے بعد کسی کو معصوم قرار دیا، جس کے ہر قول پر ایمان لانا واجب ہو، اس نے اس کو نبوت کے معنی دے دیا ہے، چاہے لفظ نہیں دیا۔''[4]

یعنی اس نے اس کو معنوی طور پر نبی قرار دے دیا ہے، چاہے لفظ ایسا نہ کہا ہو۔ اس گمراہی میں انھوں نے اتنا زیادہ مبالغہ کیا ہے کہ انھوں نے یہ دعویٰ داغ دیا ہے کہ انبیا علیہم السلام حضرت علی کے پیروکار ہیں، بلکہ ان میں سے جس نے ولایت علی کو ٹھکرا دیا، اس کو سزا دی گئی۔ ان کی روایات میں یہاں تک ہے:

''حبہ عرنی نے کہا ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری ولایت اہلِ آسمان اور اہلِ زمین پر پیش کی، جس نے اقرار کیا، اس نے کیا اور جس نے انکار کیا اس نے کیا، یونس علیہ السلام نے اس کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت تک مچھلی کے پیٹ میں محبوس کر دیا، جب تک انھوں نے اس کا اقرار نہ کیا۔''[5]

شیعہ کی اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات ہیں۔[6] یہ بات کہہ کر انھوں نے یہ اقرار کر لیا ہے کہ ائمہ، انبیا سے افضل ہیں اور ائمہ تمام مخلوق پر حجت قائم کرنے کے لیے معجزات لے کر آئے۔ مندرجہ ذیل صفحات میں، مَیں ان دونوں مسئلوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کروں گا۔

---

[1] دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٢٢١)

[2] بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ائمہ وحی کے سوا کلام ہی نہیں کرتے۔ (بحار الأنوار: ١٧/ ١٥٥ و ٥٤/ ٢٣٧)

[3] اسی کتاب کی فصل ''عصمت'' کا مطالعہ کریں۔

[4] منهاج السنة (٣/ ١٧٤)

[5] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٨٢) بصائر الدرجات (ص: ٢٢)

[6] بحار الأنوار باب تفضیلهم علی الأنبیاء (٢٦/ ٢٦٧۔ ٣١٩)

شیعہ کا ائمہ کو انبیا اور رسولوں سے افضل قرار دینا:

رسول تمام انسانوں میں افضل ہیں اور وہ رسالت کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمال عبودیت اور دعوت و تبلیغ اور جہاد کے لیے تیار کیا ہے:۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ [الأنعام: ١٢٤]

''اللہ زیادہ جاننے والا ہے، جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے۔''

لہٰذا وہ مقامِ رسالت کی وجہ سے تمام لوگوں سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔[1] اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوق پر ان کی اتباع واجب قرار دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [النساء: ٦٤]

''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرماں برداری کی جائے۔''

کوئی بشر ان سے افضل نہیں۔ امام طحاوی اہلِ سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں:

''ہم کسی بھی ولی کو کسی بھی نبی سے افضل قرار نہیں دیتے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام اولیا سے افضل ہے۔''[2]

ائمہ کو انبیا پر فضیلت دینا غالی رافضیوں کا مذہب ہے، جس طرح عبدالقادر بغدادی،[3] قاضی عیاض[4] اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ[5] نے اس سے آگاہ کیا ہے۔ امام محمد بن عبدالوہاب نے ذکر کیا ہے:

''جس نے غیر انبیا کے متعلق یہ عقیدہ رکھا کہ وہ ان سے افضل ہے یا ان کے برابر ہے تو ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔'' پھر انھوں نے اس بات پر کئی ایک علما سے اجماع نقل کیا ہے۔[6]

اس لیے قاضی عیاض نے کہا ہے:

---

[1] الحليمي: المنهاج في شعب الإيمان (١/ ٢٣٨)

[2] دیکھیں: العقيدة الطحاوية مع شرح علي بن أبي العز (ص: ٤٩٣) امام ابن ابی العز فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے وحدۃ الوجود کے قائلین اور جاہل صوفیوں کی تردید مقصود ہے۔ (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ٤٩٣) صوفیہ اور رافضہ کے درمیان بہت زیادہ مماثلت اور ان کے باہمی تعلقات ہیں۔ (شرح الطحاوية، ص: ٤٩٣)

[3] البغدادي: أصول الدين (ص: ٢٩٨)

[4] القاضي عياض: الشفاء (ص: ١٠٧٨)

[5] ابن تيمية: منهاج السنة (١/ ١٧٧)

[6] رسالة في الرد على الرافضة (ص: ٢٩)

''ہم غالی رافضہ کے اس قول: ''ائمہ، انبیا سے افضل ہیں'' کی وجہ سے ان کی قطعی تکفیر کرتے ہیں۔''[1]

یہ مذہب بعینہٖ اثنا عشریہ کے اصول میں داخل ہو چکا ہے۔ صاحبِ وسائل نے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ بارہ اماموں کو انبیا پر فضیلت دینا شیعہ مذہب کے اصول میں شامل ہے، جس کو وہ ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[2] وہ کہتا ہے:

''اس سلسلے میں ان کی روایات نا قابلِ شمار ہیں۔''[3]

مجلسی نے بحار الانوار میں اس عنوان: ''ائمہ کو انبیا اور تمام مخلوق پر فضیلت دینے کا باب اور اس کا بیان کہ ان کے متعلق ان سے، فرشتوں سے اور تمام مخلوق سے میثاق لیا گیا ہے اور اولو العزم ان کی محبت کی وجہ سے اولو العزم ہوئے'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔[4] اس قاعدے کو ثابت کرنے کے لیے اس نے بارہ اماموں کی طرف منسوب اپنی احادیث میں سے ۸۸ احادیث سے استشہاد کیا ہے۔[5]

وہ کہتا ہے:

''اخبار، یعنی ان کی احادیث و روایات، اس موضوع پر نا قابلِ شمار ہیں۔ ہم نے اس باب میں ان میں سے بہت تھوڑی ذکر کی ہیں۔ یہ مختلف ابواب میں پھیلی ہوئی ہیں، بالخصوص ان ابواب میں: "باب صفات الأنبياء و أصنافهم"، "باب أنهم كلمة الله"، "باب بدو أنوارهم"، "باب أنهم أعلم من الأنبياء" و "أبواب فضائل أمير المؤمنين و فاطمة"۔''[6]

شیعہ کے عالم ابن بابویہ نے "الاعتقادات" میں، جس کو امامیہ شیعہ کا دین بھی کہا جاتا ہے، اس نظریے کو ثابت کیا ہے، اس نے لکھا ہے:

''یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور ائمہ سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ اس کے محبوب، قابلِ عزت اور سب سے پہلے

---

[1] الشفاء (ص: ۱۰۷۸)

[2] دیکھیں: الفصول المهمة في أصول الأئمة، باب أن النبي والأئمة الإثنى عشر -عليهم السلام- أفضل من سائر المخلوقات من الأنبياء والأوصياء السابقين والملائكة وغيرهم (ص: ۱۵۱)

[3] المصدر السابق (ص: ١٥٤)

[4] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٦/ ٢٦٧)

[5] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٦٧ـ ٣١٩)

[6] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٩٧ـ ٢٩٨)

اس وعدے کا اقرار کرنے والے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عالمِ ارواح میں لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس قدر عطا کیا ہے، جس قدر اس نے ہمارے نبی کی معرفت حاصل کی اور جس قدر جلدی آپ ﷺ کا اقرار کیا اور یہ اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا، سب اس کے لیے اور اس کے اہلِ بیت کے لیے کیا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو وہ آسمان و زمین، جنت و دوزخ، آدم وحوا اور کسی بھی مخلوق کو پیدا نہ کرتا۔'' [1]

صاحبِ بحار نے یہ عبارت ذکر کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جان لو! اس نے جو ہمارے نبی اور ہمارے اماموں کی تمام مخلوقات پر فضیلت بیان کی ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ ہمارے ائمہ تمام انبیا سے افضل ہیں، یہ وہ بات ہے جس میں اس شخص کو کوئی شک نہیں ہوگا، بلکہ اسے یقین کامل حاصل ہوگا، جو ائمہ کی اخبار سے واقفیت رکھتا ہے، اس سلسلے میں روایات ناقابلِ شمار ہیں، امامیہ کا اسی پر دارومدار ہے اور اس عقیدے کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے، جو اخبار اور روایات سے ناواقف اور جاہل ہو۔'' [2]

بلکہ شیعہ کے بعض علما نے اس مذہب کی تائید میں مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ [3]

عصرِ حاضر میں خمینی اور اس کے ہم نوا بھی بانگِ دہل اسی عقیدے کا اظہار کرتے رہے ہیں، جس طرح اس نے یہ بات اپنی کتاب ''اسلامی حکومت'' میں بھی ثابت کی ہے۔ [4]

شیعہ کی یہ روایات جو ائمہ کے بارے میں اس طرح کے اعتقادات رکھنے کی وجہ سے ان کی افضلیت ثابت کرتی ہیں، یہ گمراہی اور غلو میں اتنی زیادہ ڈوب چکی ہیں کہ ان کو سن کر ہی مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ''توحیدِ الوہیت اور ربوبیت میں شیعہ کا عقیدہ'' کے بارے فصلوں میں ان میں سے کچھ امور کا ذکر ہو چکا ہے۔

---

[1] اعتقادات ابن بابویه (ص: ١٠٦۔ ١٠٧)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٩٧۔ ٢٩٨)

[3] مثلاً کتاب تفضيل الأئمة على الأنبياء، و كتاب تفضيل علي عليه السلام على أولي العزم من الرسل كلاهما لشيخهم هاشم البحراني (المتوفىٰ سنة ١١٠٧) و تفضيل الأئمة على غير جدهم من الأنبياء لشيخهم محمد كاظم الهزار، وتفضيل أمير المؤمنين علي علىٰ من عدا خاتم النبيين لمحمد باقر المجلسي (المتوفىٰ ١١١١هـ) طرفہ تماشا ہے کہ ایک شیعہ عالم نے، جس کا نام فتح علی شاہ (١٢٥٠ھ) ہے، فارسی میں ایک کتاب "تفضيل القائم المهدي على سائر الأئمة" کے نام سے لکھی ہے۔ نیز دیکھیں: الذريعة (٤/ ٣٥٨۔ ٣٦٠)

[4] الحكومة الإسلامية فصل دولة الآيات من الباب الرابع.

شیعہ کے نزدیک ائمہ، انبیا سے افضل ہی نہیں بلکہ انبیا کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ بھی ان کے بہ قول ولایت کے طفیل ہے۔ ایک شیعی امام کا کہنا ہے:

''آدم کو جو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ اللہ نے اس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی، یہ صرف علی کی ولایت کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام ولایتِ علی کی وجہ سے کیا اور اس نے عیسیٰ بن مریم کو صرف اس وجہ سے لوگوں کے لیے نشانی بنایا کہ وہ بھی حضرت علی کے سامنے جھک گئے۔'' پھر وہ کہتا ہے: ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق اس کی طرف دیکھنے کی اہل نہیں ہوئی، مگر ہماری غلامی کی وجہ سے۔''[1]

اگر میں شیعہ کی کتاب "بحار الأنوار" سے اس رنگ کی ان کی روایات نقل کرنا شروع کر دوں تو اس میں بہت زیادہ صفحات صرف ہو جائیں گے۔[2]

بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ اثنا عشریہ مذہب مختلف ارتقائی مراحل اور تبدیلی سے گزر کر تفضیلِ انبیا کے مسئلے میں اس موقف پر آ کر ٹھہر گیا ہے، جس طرح ممقانی نے اشارہ کیا ہے کہ غلو کی طرف ارتقائی سفر شیعہ مذہب کے مزاج کا حصہ ہے۔[3]

امام ابو الحسن اشعری کے بہ قول شیعہ کے تفضیلِ انبیا کے مسئلے میں تین فرقے تھے:

''ایک فرقہ کہتا ہے کہ انبیا، ائمہ سے افضل ہیں، البتہ ان میں سے کچھ نے ائمہ کا فرشتوں سے افضل ہونا ناجائز خیال نہیں کیا۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ ائمہ، انبیا اور فرشتوں سے افضل ہیں۔ جب کہ تیسرے فرقے میں وہ لوگ شامل ہیں، جو اعتزال اور امامت کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرشتے اور انبیا ائمہ سے افضل ہیں۔''[4]

شیعہ عالم مفید اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں ان کا ایک چوتھا مسلک بھی ذکر کرتا ہے، جس کے مطابق ائمہ شیعہ، اولو العزم انبیا کے سوا تمام انبیا سے افضل ہیں۔[5] پھر وہ اس مذہب کا کھل کر اظہار نہیں کرتا، جس

---

[1] الاختصاص (ص: ٢٥٠) بحار الأنوار (٢٦/ ٢٩٤)

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (جلد: ٢٦) بالخصوص باب تفضيل الأئمة على الأنبياء" (ص: ٢٦٧۔ ٣١٩) و باب أن دعاء الأنبياء استجيب بالتوسل والاستشفاع بهم ـصلوات الله عليهم أجمعين (٢٦/ ٣١٩ـ ٣٣٤)

[3] اس کے الفاظ صفحہ نمبر (١٠٣٥) میں دیکھیں۔

[4] مقالات الإسلاميين (١/ ١٢٠)

[5] أوائل المقالات (ص: ٤٢ـ ٤٣)

پر وہ ان مذاہب میں سے اعتماد کرتا ہے، بلکہ اس کو محلِ نظر کہہ کر اس میں توقف کرتا ہے۔[1] تاہم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دولتِ صفویہ کے علما اور ان کے ہم مشربوں کی کوششوں کے نتیجے میں یہ تمام مذاہب قصہ پارینہ بن گئے اور ائمہ کے بارے میں غلو مذہب بن گیا۔ یہاں تک کہ مجلسی اپنی کتاب ''بحار الأنوار'' میں اس مقصد کے لیے قائم کردہ ایک باب ذکر کرتا ہے:

''اولوالعزم (انبیا و رسل) تو ان کی محبت کی وجہ سے اولوالعزم ہوئے۔'' وہ اس قول میں کسی رسول کو، حتی کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کو بھی، مستثنیٰ قرار نہیں دیتا۔[2]

یہی نہیں بلکہ ان کی ایسی روایات اور نصوص بھی مذکور ہیں، جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی کے درمیان تقابل کرتی ہیں اور یہ نتیجہ پیش کرتی ہیں کہ علی کو رسول اللہ ﷺ پر اس اعتبار سے امتیازی فضیلت حاصل ہے کہ وہ آپ ﷺ کے خصائص میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے فضائل میں انفرادی حیثیت رکھتے ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ شریک نہیں تھے۔

صاحبِ بحار نے یہ روایت پیش کرنے کے لیے درج ذیل باب قائم کیا ہے:

''یہ باب کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے کہا: تمھیں تین چیزیں دی گئی ہیں، جو مجھے نہیں دی گئیں۔''[3]

کافی اور بحار وغیرہ میں ایسی بہت ساری روایات اور نصوص ذکر ہوئی ہیں، جو کہتی ہیں کہ علی اور ائمہ کی بھی رسول اللہ کی طرح فضیلت اور رسول کی طرح ہی ان کی اطاعت بھی واجب ہے، لیکن پھر یہ روایات قارئین کو جلد ہی اس نظریے کی طرف منتقل کر دیتی ہیں کہ ائمہ رسول اللہ ﷺ سے افضل ہیں، بلکہ وہ اس کو اس قول تک لے جاتی ہیں کہ علی اور ائمہ کی ایسی انفرادی خصوصیات ہیں، جن میں ان کے ساتھ مخلوق میں سے کوئی بھی شریک

---

[1] المصدر السابق (ص: ٤٣)

[2] دیکھیں: صفحہ نمبر (٦٦٠)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٣٩/ ٨٩) اس کی ایک اور مثال ملاحظہ کریں: شیعہ کی روایات میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''مجھے تین چیزیں دی گئیں اور علی ان میں میرا شریک ہے، جب کہ علی کو تین چیزیں عطا ہوئی ہیں، جن میں مَیں اس کا شریک نہیں ہوں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ تین کون سی چیزیں ہیں، جن میں علی آپ ﷺ کے شریک ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: میرا حمد کا جھنڈا ہوگا، جس کو علی نے اٹھایا ہوگا، میری کوثر ہوگی اور علی اس کا ساقی ہوگا، میری جنت اور دوزخ ہوگی، جب کہ علی ان کا تقسیم کار ہوگا اور وہ تین جو علی کو دی گئیں اور مَیں ان میں اس کا شریک نہیں ہوں، وہ یہ ہیں کہ اس کو میرے جیسا چچا زاد بھائی ملا ہے جو مجھ کو نہیں ملا، اس کو فاطمہ جیسی بیوی ملی ہے اور مجھے اس جیسی نہیں ملی اور اس کو دو بیٹے حسن وحسین ملے ہیں، جن جیسے مجھے نہیں ملے۔'' (بحار الأنوار: ٣٩/ ٩٠) نیز اسی معنی ایک روایت میں دیکھیں: عیون أخبار الرضا (ص: ٢١٢) مناقب آلِ أبي طالب (٢/ ٤٧)

نہیں۔ اگر آپ ان خصائص پر تدبر کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ تو رب جل شانہ کی صفات ہیں۔

آپ کو ان صفات کے متعلق یہ جاننے کے لیے جن کو روافض بانگِ دہل حضرت علی کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ ایک مثال ہی کافی ہے، جس میں مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''جو مجھ سے پہلے گزر چکا ہے وہ مجھ سے نہیں چھوٹا، اور جو مجھ سے غائب ہوا ہے، وہ مجھ سے دور اور اوجھل نہیں ہوا۔''[1]

یہ شیعہ کا اللہ پر، اس کے دین پر، اس کے نبی پر، علی پر اور اہلِ بیت پر کتنا بڑا افترا ہے! امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے تو شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) پر بھی اپنی فضیلت کا انکار کیا ہے، بلکہ جس شخص نے یہ دریدہ دہنی کرنے کی جسارت کی، اس کو بہتان کی حد لگانے کی دھمکی دی ہے[2] اور ان سے ۸۰ اسانید وطرق سے تواتر کے ساتھ یہ بات منقول ہے کہ وہ کوفہ کے منبر پر کہا کرتے تھے:

''اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین اشخاص ابوبکر وعمر ہیں۔''[3]

یہ بات خود شیعہ کی کتابوں نے بھی نقل کی ہے،[4] لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کا اس صنف کے ساتھ کیا سلوک ہوتا جو ان کے شیعہ ہونے کے دعوے دار اور ان کو اللہ کے نبیوں پر فضیلت دیتے ہیں؟ بلاشبہہ آپ ان کا انکار اور مخالفت زیادہ شدت کے ساتھ کرتے۔

بعض اہلِ علم نے یہ بات طے کی ہے کہ جس نے حضرت علی کو۔ ان کے بعد والے ائمہ کا کیا ذکر۔ اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی، وہ یہود ونصاریٰ سے زیادہ شدید کفر کا حامل ہے۔''[5]

شیعہ کی کتابیں روایت کرتی ہیں کہ جب امیر المومنین سے کہا گیا کہ آپ نبی ہیں تو ان کا جواب تھا:

''تیرے لیے ہلاکت ہو! میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ہوں۔''[6]

ابن بابویہ کہتا ہے:

---

[1] أصول الکافي (١/ ١٩٧ وما بعدھا) مولف نے اس کی اس مفہوم کی کئی روایات ذکر کی ہیں۔ دیکھیں اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٦٧٠) جہاں میں۔ ان شاء اللہ۔ اس جھوٹ کی نصوص اور روایات شیعہ کتابوں کے حوالے سمیت نقل کروں گا۔

[2] دیکھیں: منھاج السنة (٤/ ١٣٧) یہ بات علی رضی اللہ عنہ سے عمدہ اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ (الفتاویٰ: ٢٨/ ٤٧٥)

[3] المصدر السابق (٤/ ١٣٧۔ ١٣٨)

[4] تلخیص الشافي (٢/ ٤٢٨) عن الشیعة وأھل البیت (ص: ٥٢)

[5] منھاج السنة (٤/ ٦٩)

[6] ابن بابویه: التوحید (ص: ١٧٤۔ ١٧٥) المجلسي: بحار الأنوار (٨/ ٢٨٣) الطبرسي: الاحتجاج (دیکھیں: المصدر السابق)

''اس سے ان کی مراد ہے کہ وہ آپ ﷺ کی فرماں برداری میں آپ کے غلام ہیں، کسی اور چیز میں نہیں۔''[1]

یہاں ایک احتمال ہے کہ یہ غلوآمیز رجحان، جو اثنا عشریہ کا مذہب بن چکا ہے، شیعہ کے ایک فرقے کے، جس کا نام ''العلبائیۃ''[2] تھا، باقی ماندہ آثار میں سے ہے، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت محمد ﷺ پر فضیلت دینے کے قائل تھے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ ان کے ہاں امام کی عصمت کا جو عقیدہ ہے، وہ ان جیسے مذاہب کے ظہور کا سبب اور پیش خیمہ ہے، کیوں کہ یہ ائمہ کو ایسے اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ نوازتے ہیں، جن کے ساتھ کوئی اللہ کے انبیا و رسول کو بھی موصوف نہیں کرتا، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ جو شخص بھی کتاب اللہ کا مطالعہ کرتا ہے، اس کو اس میں شیعہ کے بارہ اماموں کا کہیں کوئی اشارہ تک نہیں ملتا، چہ جائیکہ وہ انھیں انبیا و رسل پر فوقیت دیں!

اسی طرح یہ بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ انبیاے کرام کا چوں کہ رتبہ بلند ہے، اس لیے جب ان کا تذکرہ ہوا ہے تو انھیں دیگر نیک بندوں سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [النساء: ٦٩]

''تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہدا اور صالحین میں سے۔''[3]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بخت اور انعام یافتہ بندوں کو چار مراتب میں تقسیم کیا ہے[4] اور اللہ کی کتاب اپنی تمام آیات میں انبیا کو تمام عالم سے منتخب کرنے اور چننے پر دلالت کرتی ہے۔[5] نیز قرونِ اولیٰ

---

[1] التوحید (ص: ١٧٥)

[2] علبائیہ، شیعہ کا ایک فرقہ ہے۔ یہ علبا بن ذراع الدوسی کے پیروکار تھے۔ یہ حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ پر فوقیت دیتا تھا اور محمد ﷺ کی مذمت میں بکواس کیا کرتا تھا۔ اس کا یہ ناپاک دعویٰ تھا کہ محمد ﷺ علی کی طرف دعوے دینے کے لیے مبعوث کیے گئے، لیکن انھوں نے اپنی نبوت کی دعوت دینا شروع کر دی۔ (الملل والنحل: ١/ ١٧٥، رجال الکشي، ص: ٥٧١) کشی نے ان کا نام علیائیہ ذکر کیا ہے۔ (بحار الأنوار: ٢٥/ ٣٠٥)

[3] مختصر الصواقع (ص: ١٨٧)

[4] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١١/ ٢٢١)

[5] مختصر التحفة (ص: ١٠١)

کا اجماع ہے کہ انبیا دیگر تمام لوگوں سے افضل ہیں اور یہ اجماع ۔شیعہ کے نزدیک بھی۔ حجت ہے، کیوں کہ ان میں ائمہ بھی شامل ہیں۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امت کے سلف صالحین، ائمہ دین اور تمام اولیا اس بات پر متفق ہیں کہ انبیا، ان اولیا سے افضل ہیں، جو نبی نہیں۔''[2]

عقل بھی نبی کو مطلقاً واجب الاتباع، آمر، ناہی اور حاکم قرار دینے پر صراحتاً دلالت کرتی ہے، جب کہ امام اس کا نائب اور تابع ہوگا اور یہ بات اس وقت تک غیر معقول ہے، جب تک نبی کو اس پر فضیلت نہ دی جائے۔ اگر یہ معنی ہر نبی کے لیے موجود ہے تو پھر ہر امام کے حق میں مفقود ہے، لہٰذا امام، نبی سے کسی صورت افضل ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ یہ ناممکن ہے۔[3] پھر خود شیعہ کی کتابوں میں بھی ایسی نصوص روایات ہوئی ہیں، جو نص قرآنی، اجماع اور عقل کے ساتھ اتفاق کرتی ہیں اور اس شذوذ و انحراف کی نفی کرتی ہیں، جس طرح کلینی کی ہشام احول عن زید بن علی کی سند سے یہ روایت ہے:

''انبیا، ائمہ سے افضل ہیں، جس نے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات کہی، وہ گمراہ ہے۔''[4]

ابن بابویہ، صادق سے ایک روایت بیان کرتا ہے، جو صریحاً یہ کہتی ہے:

''انبیا اللہ تعالیٰ کو حضرت علی سے زیادہ محبوب ہیں۔''[5]

بلاشبہہ یہ مذہب واضح طور پر باطل ہے، اس کے باطل ہونے کا ادراک عقل صریح اور دین، تاریخ اور فطرت سلیمہ سے حاصل ہونے والے ضروری اور بدیہی علم سے ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو باطل قرار دینے کے لیے کسی تکلف کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ یہ عقیدہ خود دینِ روافض کے فاسد ہونے کی ایک اہم دلیل ہے۔

---

[1] مختصر الصواقع (ص: ۱۸۶۔ ۱۸۷)

[2] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱۱/ ۲۲۱)

[3] مختصر التحفة (ص: ۱۰۱)

[4] دیکھیں: مختصر الصواقع (ص: ۱۸۷)

[5] دیکھیں: مختصر التحفة (ص: ۱۰۰)

امام کے معجزات:

اہلِ سنت کا یہ موقف ہے کہ معجزات[1] انبیا کے سوا کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکتا،[2] لیکن روافض کا اس کے خلاف مذہب ہے، بلکہ انھوں نے اپنے امام کی یہ علامت مقرر کی ہے کہ اس سے معجزہ صادر ہو، کیوں کہ ان کے نزدیک امامت نبوت ہی کا تسلسل ہے۔[3] جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے، جس کو چاہیں اس کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتے ہیں، پھر اس کی معجزے کے ساتھ تائید کرتے ہیں، ایسے ہی وہ امامت کے لیے بھی منتخب کرتے ہیں۔[4]

شیعہ کی کتبِ احادیث ان معجزات اور ان کے واقعات اور خود ساختہ احوال کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ انھوں نے کرامات کو معجزات کا نام دے دیا ہے۔ بلاشبہہ اولیا کی کرامات اور ان کے ہاتھوں انواع و اقسام کے علوم، مکاشفات، قدرت اور تاثیرات کی مختلف اقسام میں جاری ہونے والے خلافِ عادت امور کی تصدیق کرنا اہلِ سنت والجماعت کے اصول میں شامل ہے، جس طرح سورۃ الکہف وغیرہ میں گذشتہ امتوں سے منقول ہے اور اس امت میں صحابہ و تابعین اور تمام قرونِ امت سے جو کرامات صادر ہوئی ہیں، یہ اس امت میں قیامت تک موجود رہیں گی۔[5]

اگر بات ایسے ہی ہے تو کرامات کو معجزات کا نام دینا محض اصطلاح کا اختلاف ہوگا، اس لیے جب ابن مطہر حلی نے امیر المومنین حضرت علی کے متعلق کہا: ''ان سے بہت زیادہ معجزات ظاہر ہوئے۔'' تو شیخ الاسلام نے

---

[1] معجزات وہ نشانیاں اور دلائل ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ انھیں انبیا کے ہاتھوں جاری کرتے ہیں، جو ان کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے: ''لفظِ معجزات کتاب وسنت میں موجود نہیں، بلکہ اس میں آیت، بینہ اور برہان کا لفظ ذکر ہوا ہے۔'' (الجواب الصحيح: ٤/ ٦٧) وہ فرماتے ہیں: ''لغت میں معجزہ ہر اس کام پر بولا جاتا ہے۔ جو عادت کے خلاف ہو، جب کہ متقدم ائمہ جس طرح امام احمد وغیرہ، اس کو ''آیات'' کے نام سے ذکر کرتے تھے، لیکن اکثر متاخرین لفظ میں فرق کرتے ہیں۔ وہ معجزہ نبی کے لیے قرار دیتے ہیں اور کرامت ولی کے لیے اور دونوں کی اصل یہ ہے کہ وہ عادت کے خلاف یعنی خارق عادت ہوتا ہے۔'' (قاعدة في المعجزات والكرامات، ص: ٢ مطبعة المنار، مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام: ١١/ ٣١١۔ ٣١٢، نیز دیکھیں: النبوات لابن تيمية. التعريفات للجرجاني، ص: ٢٨٢، شرح العقيدة الطحاوية، ص: ٤٩٥)

[2] ابن حزم: المحلی (١/ ٣٥)

[3] دیکھیں: عقائد الإمامية (ص: ٩٤)

[4] أصل الشيعة وأصولها (ص: ٥٨)

[5] مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (٣/ ١٥٦)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''گویا یہ کراماتِ اولیا کو معجزات کا نام دے رہا ہے، یہ بہت سارے لوگوں کی اصطلاح ہے، لٰہذا یہ کہا جائے گا کہ علی ان بہت سارے اصحابِ کرامات بزرگوں سے افضل ہیں، کرامات تو بہت سارے اہلِ سنت کے عوام سے بھی تواتر کے ساتھ منقول ہیں، جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دوسروں پر فوقیت دیتے ہیں، لٰہذا علی رضی اللہ عنہ کے لیے کرامات کیوں ثابت نہیں ہوسکتیں؟ لیکن صرف صاحبِ کرامت ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ دوسروں سے افضل ہے۔''[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی رائے ہے کہ رافضہ اپنے ائمہ کی طرف منسوب کرامات کو اتنی زیادہ اہمیت اس وجہ سے دیتے ہیں:

''رافضہ کی جہالت، ظلم اور اولیاء اللہ کے طریق سے دوری کی بنا پر ان میں متقین اولیاء اللہ کی کرامات کی طرح کوئی قابلِ ذکر کرامت نہیں، لٰہذا کرامات میں ان کے افلاس کی وجہ سے وہ جب کوئی خلافِ عادت چیز سنتے ہیں تو اس کو اس طرح تعظیم اور اہمیت دیتے ہیں، جس طرح ایک مفلس اور نادار تھوڑی سی پونجی کو اور ایک بھوکا روٹی کے ایک ٹکڑے کو اہمیت دیتا ہے۔''[2]

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امامیہ ان خوارق اور خلافِ عادت امور کو اولیا کی کرامات تصور کرتے ہیں اور انھیں صرف معجزات کا نام دیتے ہیں یا کوئی اور بات ہے؟

امامیہ کے مذہب میں راہ وارِ فکر دوڑانے والا یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ وہ ان کرامات کے مسلک میں کسی اور ہی مسافرت پر گامزن ہیں۔ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ امامت کے اِثبات اور مخلوق پر حجت قائم کرنے کے لیے معجزات ہیں، کیوں کہ ائمہ ہی، جس طرح ان کی روایات کہتی ہیں، اس چرخ نیلگوں کے نیچے اور زمین پر چلنے والوں پر حجت بالغہ ہیں۔[3]

بلکہ ان کے دین کا ثقہ فرد کلینی کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر امام کے بغیر حجت قائم ہی نہیں ہوتی۔''[4]

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٤٩)

[2] المصدر السابق (٤/ ١٩٦)

[3] أصول الكافي (١/ ١٩٢) نیز دیکھیں: المظفر: علم الإمام (ص: ٤٣)

[4] یہ کافی کے ایک باب کا عنوان ہے، جو اس معنی سے متعلق چار احادیث پر مشتمل ہے۔ (أصول الكافي: ١/ ١٧٧)

شیعہ کے ہاں اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں، اس لیے ان کا کہنا ہے:

''لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی اس کے بندوں میں حجتیں ہیں۔''[1]

نیز وہ کہتے ہیں:

''اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ کی جاتی۔''[2]

نیز وہ کہتے ہیں:

''اوصیا اللہ تعالیٰ کے وہ دروازے ہیں، جن میں سے اس کے پاس آیا جاتا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ ہوتی اور انہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر حجت قائم کی ہے۔''[3]

اس لیے بحرانی نے معجزاتِ ائمہ کے موضوع پر اپنی کتاب میں کہا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سارے معجزات اور دلائل ظاہر کیے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس کے بندوں پر حجت ہیں۔''[4]

چناں چہ یہ لوگ ائمہ کو انبیا و رسل کی طرح قرار دیتے ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر حجت قائم کرتے ہیں، لہٰذا جس طرح انبیا کو اپنی رسالت کے اِثبات کے لیے معجزات کی ضرورت ہوتی ہے، ان کو بھی ضرورت ہے، بلکہ وہ فضیلت، وجوبِ اطاعت اور معجزات کے وقوع پذیر ہونے میں افضل الرسل والانبیا حضرت محمد ﷺ کے مرتبے تک پہنچ چکے ہیں، بلکہ آپ ﷺ سے بھی دو ہاتھ آگے ہی ہیں!

ابوعبداللہ کہتے ہیں۔ جس طرح ان کا دعویٰ ہے:

''جو علی لے کر آئے ہیں، میں اس کو لیتا ہوں اور جس سے انھوں نے منع کیا ہے، میں اس سے رکتا ہوں۔ جو فضیلت محمد ﷺ کے لیے جاری ہوئی ہے، ان کے لیے بھی اس جیسی فضیلت جاری ہوئی ہے اور اسی طرح ایک ایک کر کے وہ ائمہ ہدیٰ کے لیے جاری ہوتی ہے۔ امیر المومنین اکثر کہا کرتے تھے: مجھے ایسی خصلتیں اور خوبیاں عطا ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کے نصیب میں نہیں آئیں۔ میرے پاس اَموات، مصائب، انساب اور فیصلہ کن بات کا علم ہے۔ جو مجھ سے پہلے ہو چکا

[1] المصدر السابق (١/ ١٩٣)

[2] المصدر السابق.

[3] المصدر السابق (١/ ١٩٣)

[4] هاشم البحراني: ينابيع المعاجز (ص: ٢ المقدمة)

ہے، وہ مجھ سے چُھوٹا نہیں اور جو مجھ سے غائب ہوا ہے، وہ مجھ سے اوجھل نہیں۔ میں اللہ کے حکم سے خوش خبری دیتا ہوں اور اس کی طرف سے پہنچاتا ہوں، ان تمام امور پر مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ قدرت بخشی ہے۔''[1]

یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ نص تاکید کے ساتھ یہ بات ذکر کر رہی ہے کہ جس نے کسی بھی امام سے علم حاصل کیا، وہ ایسا ہی ہے گویا اس نے رسول اللہ ﷺ سے، یا ان سے بھی افضل شخص سے علم حاصل کیا، اس لیے جعفر رسول اللہ ﷺ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اخذ و اکتساب کو ترجیح دے رہے ہیں۔[2]

پھر وہ حضرت علی کو، اس قول میں کہ میں اللہ تعالیٰ کا تقسیم کار ہوں، ان کے ان امتیازی اوصاف اور معجزات کو، جو رسول اللہ ﷺ کو بھی حاصل نہیں تھے، مدلل کرنے کے لیے اور اسی مفہوم کو تاکیداً ذکر کرنے کے لیے اس عبارت کے آخر میں ان کا یہ قول نقل کرتا ہے:

''مجھے ایسی خوبیاں اور خصلتیں عطا ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوئیں۔''

ان الفاظ میں: ''مجھے اموات اور لوگوں کی مصیبتوں کا علم دیا گیا ہے۔'' اور ''جو مجھ سے پہلے ہو چکا ہے، وہ مجھ سے چھوٹا نہیں اور جو مجھ سے غائب ہوا ہے، وہ مجھ سے اوجھل نہیں۔'' حضرت علی کو اللہ جبار کی صفات کا لباس پہنا رہا ہے، کیوں کہ جس سے کوئی چیز اوجھل ہے اور نہ غائب اور جس سے کچھ بھی چھوٹتا نہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکت ہے۔ چناں چہ یہ معجزات نہیں، بلکہ جھوٹ کے پلندے اور ائمہ کو خدائی درجہ دینا ہے۔ لیکن امامیہ شیعہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ معجزات ہیں، جو ائمہ کے ہاتھوں مخلوق پر حجت قائم کرنے کے لیے صادر ہوئے، یہ کرامات نہیں، بلکہ یہ انبیا کے معجزات یا ان سے بھی عظیم تر ہیں۔

صاحبِ بحار نے اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے حسبِ ذیل عنوان کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے:

''وہ مُردوں کو زندہ کرنے، کوڑھی اور برص زدہ کو شفا دینے اور انبیا کے تمام معجزات کی قدرت رکھتے ہیں۔''[3]

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٩٦۔ ١٩٧) مولف نے اس طرح کی کئی روایات ذکر کی ہیں، جو ساری ہی اس باب "أن الأئمة هم أركان الأرض'' میں مذکور ہیں۔ نیز اسی کتاب میں ''عصمت'' کی فصل ملاحظہ کریں۔

[2] ہم جعفر اور تمام ائمہ اہلِ بیت کو اس زندیقیت سے بَری خیال کرتے ہیں۔ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اس کے پاس اللہ کی طرف جانے کے لیے ایسا راستہ ہے، جس کے بعد محمد ﷺ کی کوئی ضرورت نہیں، وہ کافر اور ملحد ہے۔

[3] بحار الأنوار (٢٧/ ٢٩۔ ٣١)

اس باب میں اس نے متعدد جملہ روایات ذکر کی ہیں، اسی لیے شیعہ کے عالم قزوینی نے ائمہ کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزے کی تعریف میں لکھا ہے:

''جو عادت کے خلاف ہو یا چیلنج کے وقت مقابلہ نہ ہونے کے ساتھ ساتھ دعوے کے مطابق ہو اور قدرت کو پھیر دے۔''[1]

پس یہ خارقِ عادت معجزہ ہی ہے، جس سے مقصود دعویٰ قائم کرنے کے لیے چیلنج کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح اہلِ سنت نے معجزاتِ رسول ﷺ کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، اسی طرح شیعہ نے معجزاتِ ائمہ کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔[2] بلکہ ان کی اس موضوع پر روایات ائمہ کو بشر کی حدود سے نکال کر خالقِ کائنات کے

---

[1] قلائد الخرائد (ص: ۷۲)

[2] جیسے کتاب ''عیون المعجزات'' تالیف: حسین بن عبد الوہاب (پانچویں صدی کا شیعہ عالم) اس کی تیسری طباعت ۱۴۰۳ھ میں موسسہ اعلمی نے شائع کی۔ اس میں ان کے درج ذیل معجزات مذکور ہیں:
① مردے کو زندہ کرنا۔ (ص: ۳۲) ② حیوانات کے ساتھ گفتگو کرنا، جو ان کی امامت کی گواہی دیتے ہیں۔ (ص: ۱۷، ۲۲، ۲۵، ۳۲) ③ ما کان اور ما یکون کے بارے میں گفتگو۔ (ص: ۵۷) ④ ولادت کے وقت ہی سے ان کے پاس ایک نور کا ستون ہے، جس کے ذریعے وہ بندوں کے اعمال دیکھتے ہیں۔ (ص: ۸۰) وغیرہ وغیرہ۔
ایسے ہی شیعہ کے عالم ہاشم بحرانی کی ''ينابيع المعاجز و أصول الدلائل'' کتاب ہے، اس میں مولف نے ۲۱ ابواب قائم کیے ہیں۔ ایک باب کا عنوان اس طرح ہے: ''پانچواں باب: ان کے پاس آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم، ما کان و ما یکون کا علم، رات دن کو جو کچھ ہو رہا ہے اور لمحے لمحے کا علم، نیز ان کے انبیا کا علم، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ (ص: ۳۵۔۴۲) چھٹا باب: وہ جب جاننا چاہیں جان سکتے ہیں، ان کے دل اللہ کے ارادے کے مورد اور گھاٹ ہیں، جب وہ کچھ ارادہ کرے تو وہ بھی وہی ارادہ کرتے ہیں۔ (ص: ۴۳۔۴۶)
بحرانی کی اسی موضوع پر ایک اور کتاب ہے، جو شاید شیعہ کی اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتابوں میں سے زیادہ تفصیلی ہے، جس کا نام ''مدينة المعاجز'' ہے۔ وہ ذکر کرتا ہے کہ ہر امام کے معجزات ہیں۔ مثلاً پہلا باب: امیر المومنین کے معجزات میں ہے، جس میں اس نے ۵۵۰ معجزے ذکر کیے ہیں، اس میں ان کی ولادت کے معجزے بھی ہیں۔ (ص: ۵) اللہ کے ساتھ مناجات۔ (ص: ۹) آسمان پر چڑھنا۔ (ص: ۱۲) زمین کا ان کے ساتھ کلام کرنا۔ (ص: ۱۶) ابلیس کا ان کے ساتھ کلام کرنا۔ (ص: ۱۶) اس نے ذکر کیا ہے کہ ان کے وجود سے پہلے بھی ان کے معجزات تھے۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ فرعون کے پاس حاضر ہوئے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ سری طور پر نبیوں کی تائید کی ہے اور میری اس نے تمھارے ساتھ جہری اور ظاہری طور پر تائید کی ہے۔ اسی طرح وہ ہر امام کے معجزات ذکر کرتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس نے اپنے امام منتظر کے، جس کا کوئی وجود ہی نہیں، بھی معجزات بیان کیے ہیں۔ اس کا ایک یہ معجزہ ذکر کرتا ہے: اس نے اپنی ولادت کے وقت ہی آسمانی کتابیں پڑھ لیں اور وہ عرش کے پردوں کی طرف چڑھ گیا۔ پھر وہ ایسی غیر معقول حکایات بیان کرتا ہے، جن کی کوئی صاحبِ عقل تصدیق نہیں کر سکتا، جس کی وجہ سے انسان تعجب و حیرت کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے کہ ان کے علما نے اس حد تک اپنے اَتباع کو غافل بنا دیا ہے اور یہ اَتباع ہیں کہ ان فضولیات پر آنکھیں بند کر کے یقین کیے جا رہے ہیں!

مقام تک پہنچا دیتی ہیں، اس قوم کو کہانیاں بیان کرنے اور عجیب وغریب افسانے تراشنے کا عجیب چسکا ہے، جو بعض اوقات جادوگری اور شعبدہ بازی کا کام محسوس ہوتا ہے تو بعض اوقات خیالات کی چھلانگیں اور عجیب و غریب خوابیں۔ پھر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ان کے اماموں کی امامت کے ثبوت کے اصول ہیں، بلکہ انھوں نے ائمہ کے پیروکاروں کے نام پر ایسے معجزات گھڑ لیے ہیں، جو ائمہ کے معجزات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔[1]

شاید کوئی کہے کہ یہ قصے اور کہانیاں ہیں، جو ائمہ کے جانے کے ساتھ ہی چلی گئی تھیں، ان کا اب کوئی حقیقی وجود نہیں، لیکن بات یہ نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ معجزات اب بھی شیعہ کے ہاں جنم لے رہے ہیں، یہی نہیں کہ انھیں مجالس میں پڑھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ عقول و اَفکار کو پابند سلاسل اور سن کر دیا جاتا ہے، بلکہ یہ حقیقی صورت اختیار کر چکے ہیں، جن کا مندرجہ ذیل دو پہلوؤں میں اظہار ہوتا ہے:

① یہ جن معجزات کو اپنے منتظر امامِ زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان کو ان کے وہ علما باقاعدہ نقل کرتے ہیں، جو اس کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر: ''یہ ابن مطہر حلی ایک شخص سے (جو سنی تھا اور اس نے امامیہ کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی) بہت بڑی ایک کتاب مستعار لینا چاہتا ہے، تا کہ اس کا رد کر سکے۔ جس طرح یہ کہتے ہیں۔ لیکن صاحبِ کتاب اس کو صرف ایک رات کے لیے کتاب مستعار دیتا ہے، پھر اس کے پاس یہ منتظر آتا ہے اور اس کے لیے وہ ساری کتاب لکھ دیتا ہے۔''[2]

اس باب میں ان کی حکایات بہت زیادہ ہیں، جن میں سے جملہ حکایات کو ان کے عالم نوری طبرسی نے اپنی کتاب ''جنة المأوىٰ'' میں رقم کیا ہے، لہٰذا آج بھی ان کے غائب منتظر (امامِ زمانہ) کے ہاتھوں معجزات کا ظہور جاری و ساری ہے، جو ان کے علما اور آیات کی شخصیات میں رونما ہوتے ہیں۔

② یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان (ائمہ) کی قبروں کے نزدیک خوارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دعویٰ پیش کر کے انھوں نے اپنی امت کو گمراہی کی راہ پر لگا کر ان کے لیے شرک کے دروازے کھول دیے ہیں۔ مجلسی نے اپنی بحار کے چند ابواب اس مقصد کے لیے قائم کیے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیں: باب ۲۹:

---

[1] مثال کے طور پر دیکھیں: حسين عبد الوهاب: عيون المعجزات. کاظم کی گواہی، جس طرح یہ دعویٰ کرتے ہیں، کہ رشید ہجری اموات کا علم جانتا ہے۔ (ص: ۱۰۱) رجال الکشی میں ہے: جب وہ کسی آدمی سے ملتا تو اس سے کہتا تم فلاں طرز کی موت مارے جاؤ گے۔ اے فلاں! تم اس اس طرح قتل کیے جاؤ گے، تو وہ جس طرح کہتا، اس کے ساتھ ویسا ہی ہوتا۔ (رجال الكشي، ص: ٧٦)

[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۳۷۲، ۳۷۳) دیکھیں۔

''قبر مبارک کے پاس جو معجزات اور کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔''[1] باب ۵۰: ''خلفا کا اس کی قبر مقدس پر ظلم اور اس کی قبر، مٹی اور زیارت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات۔''[2]

اسی طرح وہ ہر امام کا ذکر کرتے وقت اس کے مزعومہ معجزات بھی ذکر کرتا ہے، بلکہ ان خرافات کے متعلق انھوں نے باقاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔[3]

شیعہ کی یہ کہانیاں قبروں سے ظاہر ہونے والے معجزات کو بھی بیان کرتی ہیں اور مجلسی نے ان میں سے بہت ساری کہانیاں اپنے ان ابواب کے ضمن میں درج کی ہیں، جو اس نے ہر امام کی اخبار و روایات ذکر کرنے کے لیے قائم کیے ہیں۔ اس نے ایسے ایسے خیالی قصے ذکر کیے ہیں کہ جن کو پڑھ کر عقل دھنگ رہ جاتی ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں، جنھوں نے یہ بے سروپا کہانیاں گھڑ لی ہیں اور پھر بڑی آسانی سے ان خرافات نے ان کے دلوں میں جگہ بھی بنا لی ہے؟!

یہ لوگ بے حقیقت افسانے بیان کرتے ہیں کہ قبر سے ناقابلِ علاج امراض سے شفا ملتی ہے۔ اندھا محض قبر پر بیٹھنے کی وجہ سے دیدہ و بینا ہو جاتا ہے۔[4] بلکہ حیوانات بھی طلبِ شفا کے لیے ان کے اماموں کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں۔ لہٰذا ایک حیوان آیا اور اس نے اپنے زخم کی شفا یابی کے لیے قبر پر لوٹ پوٹ ہونا شروع کر دیا تو اس کا زخم مندمل ہو گیا۔[5] بلکہ انھوں نے ائمہ کو، جو قبروں میں آسودہ خاک ہیں، اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ بالکل زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں، لہٰذا ان کے متعلق یہ بے حقیقت افسانے بیان کرتے ہیں کہ امانتیں قبر کے سپرد کی جاتی ہیں تو وہ قبریں ان کی حفاظت کرتی ہیں۔[6]

گویا ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان لغویات کے وضع کرنے والے ان درگاہوں کے وہ چور مجاور ہیں، جن کا پیٹ درباروں کی نذر کیے جانے والے نذرانوں سے نہیں بھرتا تو انھوں نے مزید مال بٹورنے کے لیے دھوکے اور چوری کی یہ راہ اپنائی۔ قبر کو مخاطب کیا جائے تو وہ جواب بھی دیتی ہے۔ ایک زائر قبر کی زیارت کے لیے آیا

---

[1] بحار الأنوار (٤٢/ ٣١١)

[2] المصدر السابق (٤٥/ ٣٩٠)

[3] مثال کے طور پر دیکھیں: المعجزات لشيخهم محمد علي البلداوي، اس میں مولف نے کاظمی اور عسکری کے مزارات پر رونما ہونے والے معجزات قلم بند کیے ہیں۔ دیکھیں: الذريعة (٢١/ ٢١٥)

[4] بحار الأنوار (٤٢/ ٣١٧)

[5] المصدر السابق (٤٢/ ٣١٢)

[6] المصدر السابق (٤٢/ ٣١٨)

اور اس نے قبر کے پاس آ کر اپنی چادر پھاڑ دی اور کہا: میں اس کا عوض تمھارے علاوہ کسی اور سے نہیں جانتا، تو اس کی مراد پوری ہوگئی۔[1]

یہ تمام کہانیاں عام اور سادہ لوح لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے خیالی و افسانوی اسلوب میں ڈھالی جاتی ہیں اور یہ اتنی زیادہ اور طویل ہیں، جو انہی عجیب و غریب باتوں پر ختم ہوتی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی دعوت دیتی ہیں، عقل کو شَل کر دیتی ہیں، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بے کار کر دیتی ہیں، عمل صالح کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں اور ان کے اصحابِ عقل و فکر کو دین کا سرے سے انکار کرنے کی راہ پر لگا دیتی ہیں، کیوں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ خرافات جو دین کے نام پر ہیں، عقل کے تقاضے کے مطابق باطل ہیں۔ جعفر نے بھی ان مبالغات سے نفرت کا اظہار کیا ہے، جو کوفہ کے شیعہ ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔

شیعہ کی کتابیں بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا:

''خدا کی قسم! اہلِ کوفہ جو میرے بارے میں کہتے ہیں، اگر میں اس کا اقرار کر لوں تو مجھے زمین پکڑ لے۔ میں تو ایک زرخرید غلام ہوں، جو نفع اور نقصان جیسی کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔''[2]

یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ائمہ کے بارے میں یہ غلو آمیز دعویٰ جات جو ائمہ کو مقامِ الوہیت تک بلند کر دیتے ہیں اور جن کو یہ معجزات کا نام دیتے ہیں، کہیں انھیں مجوسیت سے وراثت میں نہ ملے ہوں، جو اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے یا اسلام کے نام پر اپنے عقائد کے اظہار کے لیے شیعیت کے مسلک میں داخل ہوگئے، کیوں کہ ''مجوسی زردشت کے بارے میں عیسائیوں کے دعوؤں سے بھی کہیں زیادہ معجزات اور نشانیوں کا دعویٰ کرتے ہیں۔''[3]

جہاں تک ان کی یہ بات ہے کہ ''ائمہ لوگوں پر حجت ہیں، اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ان کے بغیر حجت قائم نہیں ہوگی، اس لیے امامت کے اثبات کے لیے ان کے ہاتھوں معجزات جاری ہوئے'' اس کے متعلق اگر آپ کتاب اللہ میں کچھ تلاش کرتے ہیں تو آپ کو قطعاً کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی، جو اس (عقیدے) پر دلالت کرتی ہو، بلکہ قرآن میں آپ اس کے خلاف دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت رسولوں کے ذریعے قائم ہو چکی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] بحار الأنوار (٤٢/ ٣١٦)

[2] تنقيح المقال (٣/ ٣٣٢)

[3] تثبيت دلائل النبوة (١/ ١٨٥)

﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ١٦٥]

''تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے۔''

یہاں ائمہ کو کوئی ذکر نہیں کیا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ محض بناوٹی ہے اور وہ معجزات جن کو یہ قبروں، درگاہوں یا غائب امامِ زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ سب جھوٹ اور بہتان پر مبنی یا پھر شیطانی وحی ہے اور کچھ نہیں۔

پھر غائب امام کا اثنا عشریہ کے دماغ کے علاوہ کہیں وجود ہی نہیں، جس طرح خود شیعہ کے فرقے یہ بات ثابت کرتے ہیں اور ماہرینِ تاریخ اور علماے انساب کا بھی یہی کہنا ہے۔ قبروں کے معجزات شرک کی شیطانی دعوت ہے۔ یہ تو مر چکے ہیں۔ انھوں نے جو آگے بھیجا تھا، وہ اس تک پہنچ گئے ہیں۔ وہ اب اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں رہے، بلکہ وہ جب زندہ تھے تو تب بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہی پناہ لیا کرتے تھے اور اپنے آپ سے ہر طرح کی قوت و طاقت کی نفی کیا کرتے تھے۔ خود شیعہ کی کتابوں نے اس مفہوم کی بہت زیادہ روایات ذکر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ کہیں:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ [آل عمران:١٨٨]

''کہہ دے میں اپنی جان کے لیے نہ کسی نفع کا مالک ہوں اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو اللہ چاہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ [یونس: ٤٩]

''کہہ دے میں اپنی ذات کے لیے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں اور نہ کسی نفع کا، مگر جو اللہ چاہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ [الأنعام: ٥٠]

''کہہ دے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [الإسراء: ٩٣]

''کہہ میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر کے سوا کچھ نہیں جو رسول ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ [الكهف: ١١٠]

''کہہ دے میں تو تم جیسا ایک بشر ہی ہوں۔''

جب رسولِ ہدایت، خاتم الانبیا اور سید الاولین والآخرین کی یہ کیفیت ہے تو جو آپ ﷺ سے کم تر ہیں، ان کی کیا مجال ہوگی؟

یومِ آخرت پر ایمان:

اس رکنِ عظیم کے بارے میں شیعہ کے بہت سارے منکر اقوال اور بہت زیادہ بدعات ہیں، انھوں نے یومِ آخرت کے متعلقہ آیات کی ''رجعت'' کے ساتھ تاویل کی ہے۔[1] یہ ان روایات کے وضع کرنے والوں کی ''آخرت کا کلیتًا انکار کرنے کے لیے ایک مکارانہ چال ہے، جس کا کم سے کم اثر یہ ہے کہ یہ شیعہ کے دلوں کو آخرت کے دن سے بے گانہ کر دیتی ہے یا ان کے نہاں خانوں میں یومِ آخرت کے جو عظیم معانی ہیں، ان کو مٹا دیتی ہے، کیوں کہ وہ یومِ آخرت کی آیات کی رجعت کے ساتھ تاویل پڑھتے ہیں، جو ان کے علمانے کی ہے۔

شیعہ کی ایک یہ بدعت بھی ہے کہ آخرت کا معاملہ امام کے ہاتھ میں ہے۔ صاحبِ کافی اپنی روایات میں کہتا ہے:

''آخرت امام کی ہے۔ وہ جہاں چاہے اس کو رکھ دے اور جس کو چاہے دے دے، وہ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجاز ہے۔''[2]

لیکن یہ بات کہ آخرت کا معاملہ امام کے ہاتھ میں کیوں ہے؟ یہ ان کے جنت و دوزخ کے معاملات کے تصور کا نتیجہ ہے، کیوں کہ وہ کہتے ہیں:

''اگر ائمہ نہ ہوتے تو جنت و دوزخ پیدا نہ کی جاتی۔''[3]

''اللہ تعالیٰ نے جنت کو حسین کے نور سے پیدا کیا ہے۔''[4]

شیعہ کے عالم بحرانی نے اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے اسی مذکورہ بالا عنوان کے ساتھ ایک باب

---

[1] اس کے متعلق تفصیل کے لیے ''رجعت'' کی فصل دیکھیں۔

[2] أصول الكافي (١/ ٤٠٩)

[3] ابن بابویہ کہتا ہے کہ ''یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ زمین و آسمان، جنت وجہنم، آدم وحوا، فرشتے اور اپنی کوئی مخلوق بھی پیدا نہ کرتے۔'' (الاعتقادات، ص: ١٠٦، ١٠٧)

[4] المعالم الزلفیٰ (ص: ٢٤٩) نیز دیکھیں: نزهة الأبرار، و منار الأنظار في خلق الجنة والنار لهاشم البحراني أيضاً (ص: ٣٩٥)

بھی قائم کیا ہے۔[1] کبھی یہ کہتے ہیں کہ جنت حضرت فاطمہ کو حضرت علی کے ساتھ شادی کرنے کی وجہ سے حق مہر میں ملی ہے۔ خدا جانے یہ جنت ان کا مہر کس طرح بن گئی ہے، حالانکہ وہ ان کے بیٹے حسین کے نور سے پیدا کی گئی ہے؟

مہر میں یہ قانون ہے کہ وہ خاوند کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے، تاہم شیخ طوسی نے اپنی مجالس میں ابوبصیر عن ابی عبداللہ کی سند سے روایت پیش کی ہے کہ انھوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے فاطمہ کو ایک چوتھائی دنیا مہر میں دی، لہٰذا دنیا کا چوتھا حصہ ان کا ہے اور جنت و دوزخ بھی ان کو مہر میں دی، وہ اپنے دشمنوں کو جہنم میں داخل کرے گی اور اپنے اولیا کو جنت میں۔''[2]

''المعالم الزلفیٰ''، کے مولف نے اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے اس عنوان ''چوتھا باب: جنت فاطمہ کے مہر میں ہے'' کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے۔[3] یعنی جنت فاطمہ کے مہر کا ایک حصہ ہے۔

پھر اصل مہر اس کے مستحق تک دنیا ہی میں پہنچنا چاہیے، اس لیے انھوں نے کہا ہے کہ ائمہ دنیا میں جنت کی نعمتیں کھاتے ہیں، اس مسئلے کے لیے شیعہ عالم بحرانی نے ایک باب مخصوص کیا ہے، جس کا عنوان ہے:

''یہ باب کہ جنت کے کھانے کو دنیا میں نبی یا وصی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا۔''

اس باب میں اس نے اپنی معتبر کتابوں سے کئی روایات نقل کی ہیں، جو اس مفہوم پر مشتمل ہیں کہ پھل، انار، انواع و اقسام کے کھانوں سے بری پلیٹیں؛ ان کے پاس جنت سے آتی ہیں، وہ ان سے کھاتے ہیں۔ اس نے ان تمام خرافات کو بڑی طویل کہانیوں کی شکل میں ڈھال دیا ہے۔

لیکن یہ بات ان کے ذہن سے نکل گئی کہ جب انھوں نے کہا کہ جنت کا کھانا نبی یا وصی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا، اس میں نبی کی بیٹی کا بھی اضافہ کر دیتے، کیوں کہ انھوں نے نبی کی بیٹی کو شامل نہ کر کے حضرت فاطمہ کو ان کے مہر اور جو ان کے بیٹے کے نور سے پیدا ہوئی ہے، اس سے محروم کر دیا ہے، کیوں کہ وہ شیعہ کے اتفاق کے ساتھ اوصیا میں شامل نہیں، لہٰذا وہ جنت کا کھانا نہیں کھائے گی!

بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ انھوں نے اس خدشے کے پیشِ نظر انھیں ان میں شامل نہیں کیا کہ پھر نبی علیہ السلام کی دیگر بیٹیوں کو بھی اوصیا میں شامل کرنا پڑے گا، جن کے لیے شیعہ کے مذہب میں محبت کا کوئی گوشہ نہیں، چوں کہ

---

[1] المعالم الزلفیٰ (ص: ٢٤٩)

[2] المصدر السابق (ص: ٣٥٠)

[3] المصدر السابق (ص: ٣١٧۔ ٣١٩)

اس ٹولی کی نظر میں ان مذکورہ وجوہ کی بنا پر آخرت کا معاملہ امام کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اخروی زندگی کے تمام مراحل کو شیعہ نے امام اور ائمہ کے بارے میں اپنے غلو آمیز اعتقاد کے آثار کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ چناں چہ ائمہ موت کے وقت بھی حاضر ہوتے ہیں۔ مجلسی اپنے گروہ کے اعتقادات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''نیک، بد اور مومن، کافر کی موت کے وقت نبی اور ائمہ کے حاضر ہونے کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ وہ مومنوں کو موت کی سختیوں کو آسان کرنے کی سفارش کر کے فائدہ پہنچاتے ہیں اور منافقین اور آلِ بیت کے ساتھ بغض رکھنے والوں پر سختی کرتے ہیں، لیکن ان کے حاضر ہونے کی کیفیت کے بارے میں تفکر کرنا جائز نہیں کہ وہ اصل جسموں میں آتے ہیں یا تمثیلی طور پر یا کسی بھی انداز میں۔''[1]

جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو اس کے ساتھ حسین کی قبر کی مٹی بھی رکھی جائے، کیوں کہ یہ ان کے عقیدے کے مطابق اس کے لیے امان ہوتی ہے۔ اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے حر عاملی نے یہ باب قائم کیا ہے:

''میت کو حنوط کرتے وقت کفن میں اور قبر میں تربت حسینی رکھنے کا استحباب۔''[2]

اسی طرح صاحبِ ''مستدرک الوسائل'' نے بھی اس کے لیے اس مذکورہ عنوان کے نام پر ایک باب مخصوص کیا ہے۔[3] ان کی اس وقت کے لیے ایک یہ وصیت ہے:

''اس کے ساتھ کچھ تربتِ حسین رکھی جائے، کیوں کہ یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ امان ہے۔''[4] شیعہ کی اس مسئلے میں بہت زیادہ احادیث ہیں۔[5]

ان کے گمان کے مطابق، شیعہ مردہ قبر میں بھی مکلّف ہوتا ہے، لہٰذا وہ نیک عمل بھی کرتا ہے اور اس کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ کلینی کافی میں حفص سے روایت کرتا ہے کہ میں نے موسیٰ بن جعفر کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''کیا وہ آدمی دنیا میں باقی رہنا پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انھوں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے جواب دیا: کیوں کہ وہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھتا ہے۔ پھر وہ خاموش ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کہا: اے حفص! ہمارے احباب اور شیعہ میں سے جو مر گیا اور وہ قرآن صحیح طرح نہیں

---

[1] الاعتقادات (ص: ٩٣۔ ٩٤)

[2] وسائل الشيعة (٢/ ٧٤٢)

[3] مستدرك الوسائل (١/ ١٠٦)

[4] مستدرك الوسائل (١/ ١٠٦)

[5] دیکھیں: حوالہ جات سابقہ۔ الطوسي: تهذيب الأحكام (٢/ ٧٢) الطبرسي: الاحتجاج (ص: ٢٧٤) الكفعمي: المصباح (ص: ٥١١)

پڑھ سکتا تھا تو اس کو قبر میں سکھا دیا جائے گا، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند کر دے، کیوں کہ جنت کے درجات قرآنی آیات کی تعداد کے مطابق (کم زیادہ ہوتے) ہیں۔"[1]

چناں چہ شیعہ کو اس کی قبر میں قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتا ہے، اس طرح مرنے کے بعد بھی اس کی نیکیوں کا عمل جاری رہتا ہے! یہ ان کے تفردات میں سے ایک منفرد خصوصیت ہے! کیا یہ درپردہ قرآن کریم سے ترکِ تعلق کی دعوت دینے کی چال نہیں کہ اس انتظار کے ساتھ کہ یہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ قبر میں ہوگا، دنیا میں اس کی تلاوت اور تعلیم سے کنارہ کشی کی جائے؟

قبر میں مردے سے پہلا سوال بارہ اماموں کی محبت کے بارے میں ہوگا، ان کا کہنا ہے:

"بندے سے سب سے پہلے ہماری یعنی اہلِ بیت کی محبت کا سوال ہوگا۔"[2]

دونوں فرشتے اس سے پوچھیں گے:

"وہ ترتیب کے ساتھ کس کس کی امامت کا اعتقاد رکھتا ہے؟ اگر وہ ایک سے بھی چوک گیا تو وہ اس کو آگ کے ایک ستون کے ساتھ ماریں گے، جس سے قیامت تک کے لیے اس کی قبر آگ سے بھر جائے گی۔"[3]

ایک جگہ فرمایا:

"اگر وہ اپنی زندگی میں ان کا اعتقاد رکھتا رہا تو وہ ان کے سوالات کا جواب دینے کی اہلیت رکھے گا اور وہ حشر تک عیش میں رہے گا۔"[4]

شیعہ موت کے بعد حشر کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ اس قول میں کوئی بھی (فرقہ) شریک نہیں۔ مجلسی اعتقادات میں کہتا ہے:

"اللہ تعالیٰ قائم (مہدی منتظر) کے زمانے میں یا اس سے تھوڑا عرصہ قبر مومنوں کی ایک جماعت کا حشر برپا کریں گے، تاکہ اپنے امام اور حکومت کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور کافروں اور مخالفین سے دنیا ہی میں انتقام لینے کے لیے ان کی ایک جماعت کو بھی اکٹھا کریں گے۔"[5]

---

[1] أصول الكافي (٢/ ٦٠٦) المعالم الزلفى (ص: ١٣٣)

[2] بحار الأنوار (٢٧/ ٧٩) عيون أخبار الرضا (ص: ٢٢٢)

[3] الاعتقادات: للمجلسي (ص: ٩٥)

[4] محمد الحسيني الجلالي: الإسلام عقيدة و دستور (ص: ٧٧)

[5] الاعتقادات (ص: ٩٨)

لیکن جہاں تک قیامت کے دن حشر کے بارے میں شیعہ کا اعتقاد ہے تو اس میں ان کے بہت سارے غلط اور منکر اقوال ہیں۔ ان کی روایات میں ہے کہ قیامت کے دن حشر تمام انسانیت پر مشتمل نہیں ہوگا، جس طرح مسلمانوں کا عقیدہ ہے، بلکہ ایک گروہ ایسا ہوگا جو حشر میں شامل نہیں ہوگا نہ قیامت کی ہولناکیوں سے ان کو کوئی تعرض ہوگا نہ وہ اس موقف عظیم میں ٹھہریں گے، نہ پل صراط ہی پر چلیں گے، بلکہ وہ براہِ راست اپنی قبروں سے اٹھ کر جنت کی طرف چلے جائیں گے۔ یہ کون ہوں گے؟ یہ قم شہر کے باسی ہوں گے۔ شیعہ کی ایک روایت کہتی ہے:

''قم شہر کے باسیوں کا ان کی قبروں ہی میں حساب ہوگا اور وہ اپنی قبروں ہی سے جنت کی طرف بھیج دیے جائیں گے۔''[1]

یہیں پر بس نہیں، بلکہ ان کے زعم کے مطابق جنت کا ایک دروازہ اہلیانِ قم کے لیے مخصوص ہے۔

ابوالحسن رضا سے مروی ہے:

''جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک اہلیانِ قم کے لیے ہے، پس خوش خبری ہے ان کے لیے، پھر خوش خبری ہے۔''[2]

''وہ تمام بلادِ عالم میں ہمارے بہترین شیعہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی مٹی میں ہماری ولایت کا خمیر بھر دیا ہے۔''[3]

شیعہ کا ایک معاصر عالم عباس قمی کہتا ہے:

''قم اور اہلیانِ قم کی مدح میں ائمہ سے بہت زیادہ روایات مروی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جنت کا ایک دروازہ اس کی طرف کھول دیا گیا ہے۔''[4]

انھوں نے قم کے اور بھی کئی دیگر فضائل مخصوص کیے ہیں۔[5] یہاں تک کہ انھوں نے اپنے شیعہ کو قم کی زمین خریدنے کے لیے بہت زیادہ بھلایا پھسلایا ہے اور یہ کہہ کر دھوکا دیا ہے:

''قم کی آبادی اتنی ہوجائے گی کہ اس میں ایک گھوڑے جتنی جگہ ایک ہزار درہم میں خریدی جائے گی۔''[6]

---

[1] بحار الأنوار (٦٠/ ٢١٨) عباسي القمي: الكنىٰ والألقاب (٣/ ٧١)

[2] بحار الأنوار (٦٠/ ٢١٥) سفينة البحار (١/ ٤٤٦)

[3] بحار الأنوار (٦٠/ ٢١٦)

[4] الكنىٰ والألقاب (٣/ ٧)

[5] دیکھیں: بحار الأنوار (٦٠/ ٢١٢۔ ٢٢١)

[6] بحار الأنوار (٦٠/ ٢١٥)

چناں چہ انھوں نے اپنے عوام پر روحانی پہلو کے ساتھ ساتھ مادی پہلو کے لحاظ سے بھی اثر انداز ہونے کی کوشش کی ہے، بلکہ اس میں کسی قدر سیاسی پہلو بھی موجود ہے، کیوں کہ قم، کفر و زندیقیت پھیلانے اور شیعہ کو اسلام سے دور کرنے کی قابلِ نفرت ہدف کے ساتھ ساتھ جس کو حاصل کرنے کے لیے یہ ٹولہ دن رات محنت کرتا ہے اور جھوٹی روایات وضع کرتا ہے، ایران میں دولتِ صفویہ کا مرکز بھی رہا ہے اور آپ کو اس کی مدد کرنے والے شیطانی جن بھی ملیں گے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں، کیوں کہ وہ ان کے پاس مہدی منتظر کے لبادے میں آتے ہیں اور جو چاہتے ہیں، ان کے دین میں بنا کر داخل کر دیتے ہیں۔

شیعہ کے ایک ہم عصر عالم نے قم پر جنت کے کھلے دروازوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے، لہٰذا وہ ذکر کرتا ہے کہ ان کی روایات میں ہے کہ رضا نے کہا:

''جنت کے آٹھ دروازے ہیں، جن میں سے تین اہلِ قم کے لیے ہیں۔''[1]

انھوں نے حساب، پلِ صراط، ترازو اور جنت و دوزخ کے امور ائمہ کے ہاتھوں میں رکھ دیے ہیں۔

ابوعبداللہ کہتے ہیں:

''صراط، میزان اور ہمارے شیعہ کا حساب سب ہماری ہی طرف ہے (یعنی ہمارے ہی پاس ہے)۔''[2]

شیعہ عالم حر عاملی نے اس بات پر ایمان لانا کہ روزِ قیامت تمام مخلوقات کا حساب کتاب ائمہ کے سپرد ہے، ائمہ کے بنیادی عقائد میں شمار کیا ہے۔[3]

شیعہ کی اکثر روایات کہتی ہیں:

''کوئی اس وقت تک پلِ صراط سے نہیں گزر سکے گا، جب تک اس کے پاس علی کی ولایت نہ ہو۔''[4]

''یا علی کی ولایت کا پروانہ اجازت نہ ہو۔''[5] یا ''کتاب ہو، جس میں ولایتِ علی کا تصدیق نامہ ہو۔''[6]

ابن بابویہ کی کتاب ''الاعتقادات'' کے ''باب الاعتقاد في الصراط'' میں ہے:

''... پلِ صراط ایک دوسرے انداز میں اللہ تعالیٰ کی حجتوں ہی کا نام ہے۔ جس نے ان کو دنیا میں

---

[1] محمد مهدي الكاظمي: أحسن الوديعة (ص: ٣١٣۔ ٣١٤)

[2] رجال الكشي (ص: ٣٣٧)

[3] الفصول المهمة في أصول الأئمة (ص: ١٧١)

[4] المعالم الزلفىٰ (ص: ٢٣٩)

[5] بحار الأنوار (٨/ ٦٨) البرهان (٤/ ١٧)

[6] بحار الأنوار (٨/ ٦٦)

پہچانا اور ان کی اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ اس کو صراط سے، جو جہنم کا پل ہے، گزرنے کا اجازت نامہ دے دیں گے۔ نبی ﷺ نے علی (رضی اللہ عنہ) سے کہا: اے علی! جب قیامت کا دن ہوگا، میں، تم اور جبرائیل صراط پر بیٹھ جائیں گے اور اس سے وہی گزر سکے گا، جس کے پاس تمھاری ولایت کا تصدیق نامہ ہوگا۔''[1]

وہ مزید کہتا ہے:

''صراط پر ایک گھاٹی ہے، جس کا نام ولایت ہے۔ تمام مخلوقات کو اس کے پاس روکا جائے گا اور ان سے ولایتِ علی اور ان کے بعد والے ائمہ کی ولایت کے بارے میں پوچھا جائے گا، چناں چہ جو اس کو لے کر آیا ہوگا، وہ نجات پا جائے گا اور صراط سے گزر جائے گا اور جو اس کو نہ لے کر آیا ہوگا، وہ وہیں رہے گا۔''[2]

مجلسی نے بایں عنوان ایک باب قائم کیا ہے:

"باب أنه ـعليه السلام ـ قسيم الجنة والنار، وجواز الصراط"[3]

یعنی علی جنت اور دوزخ کا تقسیم کار اور صراط سے گزرنے کا اجازت نامہ ہے۔

بحرانی نے بھی اسی سے ملتا جلتا ایک باب قائم کیا ہے۔[4] ان دونوں نے ان ابواب میں اپنے اساطینِ مذہب اور معتبر کتابوں سے متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ علی کے جنت دوزخ کے تقسیم کار ہونے کے متعلق معلومات یہ لوگ صرف اپنے خواص کو مہیا کرتے ہیں۔ شیعہ روایات کے مطابق جب مامون نے علی کے جنت و جہنم کے تقسیم کار ہونے کے معنی کے بارے میں سوال کیا تو رضا نے اس کو یہ جواب دیا، یعنی علی کے ساتھ محبت رکھنا ایمان ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا کفر، لہٰذا اس معنی میں وہ جنت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں، لیکن جب بعد میں ابو الصلت ہروی، رضا سے ملا تو انھوں نے اس سے کہا:

''میں نے اس کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق گفتگو کی ہے۔ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے، وہ اپنے آبا و اجداد سے بیان کرتے ہیں، وہ علی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: مجھ سے رسول

---

[1] الاعتقادات (ص: ٩٥)

[2] الاعتقادات (ص: ٩٦)

[3] بحار الأنوار (٣٩/ ١٩٣)

[4] المعالم الزلفی (ص: ١٦٧) باب علي قسيم الجنة والنار.

اللہ ﷺ نے کہا: اے علی! تم قیامت کے دن جنت دوزخ تقسیم کرو گے۔ تم آگ سے کہو گے: یہ تمھارے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہے۔''[1]

شیعہ کہتے ہیں کہ وہ جنت و دوزخ کا مالک ہے، ان کی ایک روایت میں ہے:

''جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منبر رکھا جائے گا، جس کو مخلوقات دیکھ رہی ہوں گی، اس پر ایک آدمی چڑھے گا، ایک فرشتہ اس کی دائیں جانب کھڑا ہو جائے گا اور دوسرا بائیں جانب۔ دائیں جانب والا فرشتہ یہ منادی کرے گا: اے مخلوقوں کی جماعت! یہ جنت کے مالک علی بن ابی طالب ہیں، یہ جس کو چاہیں گے اس میں داخل کریں گے۔ بائیں جانب والا فرشتہ یہ اعلان کرے گا: اے مخلوقوں کی جماعت! یہ جہنم کے مالک علی بن ابی طالب ہیں، یہ جس کو چاہیں گے، اس میں داخل کریں گے۔''[2]

بلکہ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ قیامت کے دن علی ہی لوگوں کے فیصلے کریں گے۔ مفصل بن عمر جعفی، ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ میں ان کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''بے شک امیر المومنین علی بن ابی طالب قیامت کے دن دیّان یعنی لوگوں کے فیصلے کرنے والے اور جزا وسزا کے مالک ہوں گے۔''[3]

یہ بھی یاد رہے کہ یہ جنت جس کے بارے میں یہ گفتگو کرتے ہیں یہ صرف روافض تک محدود ہے، جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ ان کے اماموں کی ملکیت ہے۔ ایسے ہی جہنم کی کنجیاں بھی اماموں ہی کے ہاتھوں میں ہوں گی اور یہ ان کے دشمنوں کے لیے ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''جنت تو صرف اہلِ بیت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور جہنم ان کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لیے بنائی گئی ہے۔''[4]

لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں اور کہتے ہیں:

''شیعہ تمام امتوں کے تمام افراد سے ۸۰ سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔''[5]

---

1. ابن بابویه: عیون أخبار الرضا (ص: ۲۳۹) بحار الأنوار (۳۹/ ۱۹۴)
2. بحار الأنوار (۳۹/ ۲۰۰) بصائر الدرجات (ص: ۱۲۲)
3. دیکھیں: حوالہ جات سابقہ۔ نیز دیکھیں: تفسیر فرات (ص: ۱۳)
4. المعالم الزلفی (ص: ۲۵۱)
5. المعالم الزلفی (ص: ۲۵۵) اسی معنی کی خبر کے لیے دیکھیں: ابن قولويه: كامل الزيارات (ص: ۱۳۷) الحر العاملي: وسائل الشيعة (۱۰/ ۳۳۱)

شیعہ کا یہ بھی ایک قاعدہ ہے:

''تمام لوگ، شیعہ کے سوا، اپنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے، صرف شیعہ اپنے باپوں کے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے۔''[1]

اس کے ساتھ ساتھ وہ جنتِ خلد کے علاوہ ایک اور جنت کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں، جس کو وہ جنت ارضی یا دنیاوی جنت کا نام دیتے ہیں۔ مجلسی کہتا ہے:

''یہ اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جنتِ خلد اور جہنم کے علاوہ بھی ایک جنت اور ایک جہنم ہے۔''[2]

نیز وہ کہتے ہیں کہ اہلِ قبور کبھی ان دونوں میں منتقل بھی کر دیے جاتے ہیں، ''کیوں کہ وہ سوال اور قبر کے دبوچنے کے بعد اپنے مثالی (لطیف) جسموں میں منتقل ہوجاتے ہیں، وہ کبھی اپنی قبروں پر ہوتے ہیں اور اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں تو کبھی نجف منتقل ہوجاتے ہیں۔''[3]

حقیقت میں شیعہ کے اس باب میں اتنے زیادہ مزاعم، خوش گمانیاں اور منکرات و بدعات ہیں، جو احاطۂ شمار سے باہر ہیں۔ یہاں ہم نے صرف اشارات ذکر کیے ہیں۔ اگر ہم ان تمام نصوص پر تبصرہ اور ان کا تجزیہ کرنا شروع کر دیں تو اس میں بہت زیادہ صفحات سیاہ ہو جائیں گے۔ یہ تمام باتیں بدعات ہیں، جن کی کتاب اللہ میں کوئی دلیل و برہان ہے نہ امت کی کتابوں ہی میں ان کا کوئی شاہد یا کوئی خبر و روایت ہے۔ شیعہ کے جھوٹ کا پول کھولنے کے لیے ان کو محض بیان کر دینا ہی کافی ہے، ان لوگوں نے آخرت ائمہ کے ہاتھوں میں دے دی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴾ [النجم: ٢٥]

''سو اللہ ہی کے لیے پچھلا اور پہلا جہان ہے۔''

شیعہ کا یہ قول یہودیوں کی اس خوش گمانی کے ساتھ کس قدر مماثلت رکھتا ہے کہ انھوں نے خیال کیا تھا

---

[1] الفصول المهمة في أصول الأئمة (ص: ١٢٤)

[2] الاعتقادات للمجلسي (ص: ٩٨) وہ کہتا ہے کہ وہی آدم والی جنت ہے۔ (المصدر السابق) شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: وہ جنت جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا کو ٹھہرایا تھا، وہ سلف صالحینِ امت اور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک جنتِ خلد ہے۔ جس نے یہ کہا کہ وہ کوئی جنت ارضی تھی تو اس قول کا قائل یا تو ملحد فلسفی ہے یا ان کا کوئی بدعتی بھائی، کیوں کہ یہ بعض فلاسفہ اور معتزلہ کا موقف ہے۔'' (فتاویٰ: ٤/ ٣٤٧)

[3] الاعتقادات للمجلسي (ص: ٩٧)

کہ آخرت ان کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے کہا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرة: ٩٤ ـ ٩٥]

''کہہ دے اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں سب لوگوں کو چھوڑ کر خاص تمھارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کرو، اگر تم سچے ہو۔ اور وہ ہرگز اس کی آرزو کبھی نہیں کریں گے، اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔''

ایسے ہی ان لوگوں نے قیامت کے دن فیصلے کرنے کا اختیار بھی ائمہ کو سونپ دیا ہے، لیکن اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [القصص: ٧٠]

''اسی کے لیے دنیا اور آخرت میں سب تعریف ہے اور اسی کے لیے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

نیز انھوں نے کہا کہ جنت صرف ان کے لیے ہے، جس طرح یہود نے کہا تھا:

﴿ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ [البقرة: ١١١، ١١٢]

''جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے مگر جو یہودی ہوں گے یا نصاریٰ۔ یہ ان کی آرزوئیں ہی ہیں، کہہ دے لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔ کیوں نہیں، جس نے اپنا چہرہ اللہ کے تابع کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

ہم ان تمام گذشتہ مزاعم اور دعووں کے متعلق ان سے صرف یہ کہتے ہیں:

﴿ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرة: ١١١] ''لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔''

بلکہ تم بھی تمام انسانوں کی طرح انسان ہی ہو اور جو تم دعویٰ کرتے ہو، وہ عاجز کا حیلہ، حاسد کی کارستانی

اور زندیق کی چال ہے۔ ہمارے سامنے اللہ کی کتاب موجود ہے، جو اس کو اپنا امام، قائد اور حاکم تصور کرتا ہے، یہ اس کے دل میں ان اوہام، بے بنیاد خیالات اور خوش گمانیوں کے کسی راہ کو جگہ نہیں دیتی۔ لیکن جس کی عقل پر تالے پڑ چکے ہیں، اس کو جھوٹی اَنا نے متکبر بنا دیا ہے اور تعصب و تنگ نظری نے اس کی تفکیر کو اندھا کر دیا ہے، اس کو اس کا انجام اس دن نظر آئے گا، جس دن کوئی جان کسی کو کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی:

﴿ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۲۳]

''جب نہ کوئی جان کسی جان کے کچھ کام آئے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔''

تقدیر پر ایمان:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اولین شیعہ تقدیر کے اِثبات پر متفق تھے، ان میں تقدیر کی نفی کا نظریہ اس وقت رائج ہوا، جب ان کا معتزلہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع ہوا۔''[1]

تیسری صدی میں جب مفید اور اس کے اَتباع نے ان کی تصانیف کی تدوین کا کام شروع کیا، تب ان میں یہ نظریہ بہ کثرت پھیل گیا۔[2] ایسے ہی تمام علماے اہلِ بیت بھی تقدیر کے اثبات پر متفق ہیں۔[3] امام اشعری ذکر کرتے ہیں کہ رافضہ کے افعال العباد (بندوں کے اعمال) کے مسئلے میں تین گروہ ہیں:

''ایک گروہ کہتا ہے کہ بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، اس کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں، وہ اس کی یکسر نفی کرتے ہیں، جب کہ تیسرا گروہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جبر نہیں، جس طرح جہمی کہتے ہیں اور نہ تفویض ہے، جس طرح معتزلہ کہتے ہیں، کیوں کہ جس طرح ان کا دعویٰ ہے، ائمہ سے اس کے متعلق روایت منقول ہے، لہٰذا انھوں نے بندوں کے اعمال کے متعلق یہ کہنے کا تکلف نہیں کیا کہ آیا

---

[1] منهاج السنة (٢/ ٢٩)

[2] المصدر السابق (١/ ٢٢٩)

[3] المصدر السابق (٢/ ٢٩)

وہ مخلوق ہیں یا کچھ بھی نہیں۔"[1]

شیخ الاسلام نے اس گروہ کو توقف کرنے والے، دوسرے کو ثابت کرنے والے اور تیسرے کو نفی کرنے والے شمار کیا ہے۔[2] تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف نے امامیہ کا یہی ایک قول نقل کیا ہے: "بندہ اپنا فعل خود تخلیق کرتا ہے۔"[3]

یہ ساری وہ باتیں تھیں، جو اہلِ سنت کے مآخذ میں ہیں، جب ہم شیعہ مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

ہم دیکھتے ہیں کہ صدوق کے لقب سے ملقب ابن بابویہ نے اپنے عقائد میں کہا ہے، جو "عقائد الصدوق" کے نام سے مشہور ہے اور شیعہ عقائد کی نمائندگی میں تحریر کیے گئے ہیں:

"افعالِ عباد کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہ مخلوق ہیں، لیکن تکوینی مخلوق نہیں، بلکہ تقدیری مخلوق ہیں، جس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تقدیروں کو جانتے ہیں۔"[4]

اس عبارت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کے متعلق محض جانتے ہیں، یہاں سے اس کی عمومی مشیت اور ارادہ ثابت نہیں ہوتا، اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کے خالق بھی ہیں، لیکن اس عبارت سے کے اس عمومی مفہوم کے باوجود شیعہ کا عالم مفید اس پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"آلِ محمد سے جو صحیح روایت ثابت ہے، اس کے مطابق بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں۔ جس امر کا ابوجعفر نے ذکر کیا ہے، اس کا ذکر ایسی روایت میں ہوا ہے، جس پر عمل نہیں ہوتا اور اس کی سند بھی پسندیدہ نہیں۔ جب کہ صحیح روایات اس کے خلاف ہیں۔ لغتِ عرب میں یہ بات غیر معروف ہے کہ کسی چیز کا علم ہونا، اس کی تخلیق کرنا بھی ہوتا ہے۔"[5]

پھر وہ کہتا ہے:

"ابوالحسن سے مروی ہے کہ ان سے بندوں کے اعمال کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ

---

[1] مقالات الإسلاميين (١/ ١١٤، ١١٥)

[2] منهاج السنة (١/ ٢٨٦)

[3] مختصر التحفة (ص: ٩٠)

[4] عقائد الصدوق (ص: ٧٥)

[5] شرح عقائد الصدوق (ص: ١٢)

کے پیدا کردہ ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: اگر وہ ان کا خالق ہوتا تو ان سے براءت کا اظہار نہ کرتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ [التوبة: ٣] (اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکوں سے بَری ہیں) یہاں بالذات مخلوق سے براءت ذکر نہیں ہوئی، بلکہ ان کے شرک اور برے اعمال سے براءت کا اظہار کیا گیا ہے۔‘‘[1]

بہ ظاہر یوں لگتا ہے کہ اس استدلال میں، جس کو شیعہ کے عالم مفید نے اپنے امام رضا کی طرف منسوب کیا ہے، کھلم کھلا تکلف ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشرکوں سے براءت ان کے عمل سے ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور مشیئت شاملہ اور نافذہ کی نفی نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا﴾ [الأنعام: ١٠٧] ’’اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شریک نہ بناتے۔‘‘

شیعہ کی روایات میں بھی ایسی باتیں مذکور ہیں، جو اس بات کی مخالفت کرتی ہیں اور حق کے ساتھ متفق ہیں، مثلاً ان کی ایک روایت میں ہے:

’’اللہ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔‘‘[2]

پھر مفید اس خیال کا حامل بھی ہے کہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں، لیکن وہ اس تعبیر اور اسلوب کو مستحسن نہیں سمجھتا، لہٰذا وہ کہتا ہے:

’’میں کہتا ہوں کہ بندے خود کام کرتے ہیں، عمل پیدا کرتے ہیں، ایجاد کرتے ہیں، بناتے ہیں اور کماتے ہیں۔ میں ان پر یہ اطلاق نہیں کروں گا کہ وہ پیدا کرتے ہیں یا وہ خالق ہیں، جس معنی میں اس کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، میں اس کو اس معنی سے تجاوز کرتے ہوئے اور جو قرآن میں ذکر ہوا، اس سے آگے بڑھ کر اس کو ذکر نہیں کروں گا۔ اس قول پر امامیہ، زیدیہ، معتزلہ میں سے بغدادیہ، اکثر مرجیہ اور اصحابِ حدیث کا اجماع ہے۔ بصری معتزلہ نے اس کی مخالفت کی ہے اور بندوں پر اپنے اعمال کے خالق ہونے کا اطلاق کیا ہے، چنانچہ یہ موقف اختیار کر کے انھوں نے اجماعِ مسلمین سے خروج کی راہ اپنائی ہے۔‘‘[3]

گویا وہ بزعم خویش قرآنی منہج پر عمل پیرا ہے، کیوں کہ اس نے ان کو فاعلین اور عاملین کا نام دیا ہے،

---

[1] شرح عقائد الصدوق (ص: ١٣)

[2] الحر العاملي: الفصول المهمة (ص: ٣٥)

[3] أوائل المقالات (ص: ٢٥)

خالقین کا نام نہیں دیا، البتہ اس کے فرقے کا اجماع جاری نہیں رہ سکتا، اگر چہ وہ ہوا ضرور ہے، کیوں کہ ان کے علما کی ایک جماعت نے لفظِ خلق[1] کے اطلاق میں بصری معتزلہ کا موقف اختیار کیا ہے۔ اسی طرح ان کے اور بصری معتزلہ کے درمیان لفظی فرق بعد میں اساطینِ مذہب کی ایک سرکردہ جماعت کے ہاتھوں توریے میں لپٹا رہا ہے۔ چناں چہ شیعہ کے عالم حر عاملی (المتوفی ۱۱۵۴ھ)، وسائلِ شیعہ کے مصنف، نے اپنی اصولِ ائمہ کے موضوع پر کتاب میں اس عنوان کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کے افعال کے سوا ہر چیز کے خالق ہیں۔''[2]

وہ کہتا ہے:

''مَیں کہتا ہوں: امامیہ اور معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ بندوں کے افعال ان سے صادر ہوتے ہیں اور وہ خود ان کے خالق ہیں۔''[3]

اسی طرح شیعہ کا عالم طبطبائی کہتا ہے:

''امامیہ اور معتزلہ کا یہ موقف ہے کہ بندوں کے افعال وحرکات ان کی اپنی قدرت اور اختیار سے

---

[1] شیعہ کا کہنا ہے کہ ابو الحسن سے پوچھا گیا: کیا خالق جلیل کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے؟ انھوں س نے جواب دیا: اللہ تبارک وتعالیٰ کہتے ہیں: ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ﴾ [المؤمنون: ١٤] اس کے بندوں میں خالق اور غیر خالق دونوں ہیں اور خالقوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جنھوں نے مٹی سے پرندے کی ہیئت پر پرندہ تخلیق کیا۔ (فصول مهمة، ص: ٨١) اس جیسی توجیہ بعض سلف کی طرف بھی منسوب ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ خالقین خالق کی جمع ذکر ہوئی ہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰ بھی پیدا کرتے تھے، جس طرح ان کا قول ہے: ﴿اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ﴾ [آل عمران: ٤٩] تو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق یہ بتایا کہ وہ تمام خالقوں سے بہتر ہے۔ (تفسير الطبري: ١٢/ ١١، تفسير البغوي: ٣/ ٣٠٤) لیکن حضرت عیسی اللہ کی اجازت سے پیدا کرتے تھے، لہٰذا اللہ کے ساتھ کوئی خالق نہیں، اس لیے اکثر اہلِ علم کا کہنا ہے کہ خلق تقدیر کے معنی میں ہے۔ عربی لغت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ مجاہد کا قول ہے: وہ بناتے ہیں اور اللہ بھی بناتا ہے، مگر اللہ بہترین بنانے والا ہے۔ (تفسير البغوي: ٣/ ٣٠٤) ابن جریر طبری، جریج اور مجاہد کے اقوال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان دونوں اقوال میں زیادہ صحیح مجاہد کا قول ہے، کیوں کہ عرب ہر صانع اور بنانے والے کو خالق کہتے ہیں۔ (تفسير طبري: ١٢/ ١١)
روافض کے ہاں لفظ کے اطلاق میں کوئی مسئلہ نہیں، جس کا لغت میں ایجاد کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بھی ہے، بلکہ مسئلہ ان کے اس قول میں ہے کہ بندہ خود اپنے فعل کا خالق ہے۔ اسی طرح شیعہ کے امام کی یہ توجیہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی پیدا کرتے ہیں، ان کے اس موقف کی دلیل نہیں کہ بندہ خود اپنے فعل کا خالق ہے، کیوں کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، جو بہ حکمِ الٰہی صادر ہوتا تھا اور اس کا قرآن میں بھی ذکر ہے: ﴿اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ﴾ لیکن یہ لوگ اس لفظ کے اطلاق میں عمومیت پیدا کرتے ہیں۔

[2] الفصول المهمة في أصول الأئمة (ص: ٨٠)

[3] المصدر السابق (ص: ٨١)

سرزد ہوتے ہیں، چناں چہ وہ خود ان کے خالق ہیں، لیکن جو قرآنی آیات میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور اس مفہوم کی دیگر آیات تو وہ یا تو افعالِ عباد کے علاوہ دیگر اشیا کے ساتھ مخصوص ہیں یا پھر ان کی یہ تاویل ہوگی کہ وہ ہر چیز کا بلاواسطہ یا اپنی مخلوق کے واسطے سے خالق ہے۔‘‘[1]

شیعہ قزوی کہتا ہے: ’’بندوں کے افعال ان کے اپنے پیدا کردہ ہیں۔‘‘[2]

ان کے علاوہ دیگر بھی بہت زیادہ لوگ ہیں، جو یہی موقف رکھتے ہیں۔[3] آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بعینہٖ معتزلہ کا مذہب ہے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان کا یہ نظریہ شیعہ مذہب میں ہنگامی طور پر کہیں سے داخل ہوا ہے، جس طرح شیخ الاسلام وغیرہ کا خیال ہے یا متقدمین شیعہ اور ان کے بعد والوں کا بھی یہی مذہب ہے؟

اس حقیقت کی جان کاری اور استقرا کے لیے شیعہ کی کتبِ حدیث کے علاوہ کوئی بہترین مرجع نہیں ہوسکتا، اس لیے میں نے شیعہ کی روایتِ حدیث میں معتبر کتابوں بالخصوص ان کے اساسی مصادر کی طرف رجوع کیا تو میں نے دیکھا کہ ان کی روایات کی ایک بہت بڑی تعداد، شیعہ مذہب کے بارے میں یہ جو مشہور ہے کہ افعالِ عباد میں ان کا مذہب معتزلہ کے مذہب کی طرح ہی ہے، اس کی مخالفت کرتی ہیں اور اس سلسلے میں شیعہ شیوخ کے ایک سرکردہ حلقے نے جو مسلکِ اہلِ اعتزال کو اختیار کیا ہے، اس کی تردید کرتی ہیں۔

ہم نے ابھی مفید، ابن مطہر، حر عاملی اور ان کے ہم نواؤں کے اقوال سے اس کے بعض شواہد ذکر کیے ہیں، جو انھوں نے اپنے شیعہ مذہب کے عقائد کی نمایندہ کتابوں میں درج کیے ہیں۔ یہاں پر وہ چند روایات ذکر کی جاتی ہیں، جو ہم نے ابھی بیان کی ہیں:

’’ابو جعفر اور ابو عبداللہ نے کہا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ اس سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں کہ وہ اس کو پہلے گناہوں پر مجبور کریں، پھر ان پر اس کو عذاب دیں! اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے کہیں بلند تر ہیں کہ وہ کسی کام کا ارادہ کریں، پھر وہ کام نہ ہو! راوی نے کہا: ان دونوں سے پوچھا

---

[1] مجالس الموحدين في بيان أصول الدين: محمد صادق الطبطبائي (ص:٢١)

[2] قلائد الخرائد (ص: ٦٠)

[3] مثال کے طور پر ابن المطہر حلی اپنی کتاب ’’نهج المشركين‘‘ (ص: ٥٢) میں کہتا ہے: ’’چوتھی بحث: اعمال کی تخلیق کے متعلق، اس میں اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ معتزلہ اور اس کے اپنے فرقے کا یہی مذہب ہے۔ اسی طرح کی تصریح اس نے اپنی ان کتابوں میں بھی کی ہے: الباب الحادي عشر (ص: ٣٢) كشف المراد (ص: ٣٣٢) ایسے ہی مجلسی کہتا ہے: امامیہ اور معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ بندوں کے افعال اور حرکات ان کی اپنی قدرت اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں، لہٰذا وہ ان کے خالق ہیں۔ (بحار الأنوار: ٤/ ١٤٨) المقداد الحلي (دیکھیں: النافع يوم الحشر في شرح الباب الحادي عشر، ص: ٣٢۔ ٣٣)

گیا کہ کیا قدر و جبر کے درمیان کوئی تیسرا مرتبہ بھی ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں، زمین اور آسمان کے فاصلے سے بھی زیادہ وسیع۔''[1]

یعنی جبر اور نفیِ تقدیر کے درمیان ایک تیسرا درمیانہ مرتبہ بھی ہے۔ شیعہ کی روایات کا ایک مجموعہ مذکور ہے، جو کہتا ہے کہ تقدیر کے متعلق ان کا مذہب جبر و قدر کا درمیانی مذہب ہے، لہٰذا جبر ہے نہ تفویض۔[2]

اسی لیے مجلسی کہتا ہے:

''جان لو! ائمہ سے جو بات مشہور ہے، وہ جبر اور تفویض کی نفی اور دونوں کی درمیانی راہ کا اثبات ہے۔''[3]

جبر کی نفی کی مراد تو بالکل واضح ہے کہ یہ جبریہ کے مذہب سے خروج اور اس کی مخالفت ہے، لیکن تفویض سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مجلسی کہتا ہے:

''تفویض سے مراد معتزلہ کا مذہب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کو عدم سے وجود بخشا، ان کو ان افعال کی قدرت سے نوازا اور اختیار ان کے سپرد کر دیا۔ چناں چہ وہ اپنی مشیت اور قدرت کے مطابق ان کو وجود میں لانے میں خود مختار اور مستقل بالذات ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان کے افعال میں کوئی کارسازی نہیں۔''[4]

اسی طرح ان کی کئی دوسری روایات بھی ہیں، جو معتزلہ کے مذہب کو ہدفِ تنقید بناتی ہیں اور اس کے قائلین کی مذمت اور ان پر طعن کرتی ہیں، جو بہ ذاتِ خود شیعہ کا معتزلہ کے مسلک کو اپنانے پر رد ہے۔

معتزلہ میں سے تقدیر کے منکرین اور ان کے ہم مسلک گروہوں کی مذمت کے سلسلے میں تفسیر قمی میں ان کے امام کا یہ قول مذکور ہے:

''...قدریہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تقدیر نہیں، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ ہدایت و ضلالت پر قدرت رکھتے ہیں۔ یہ ان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہیں تو راہِ ہدایت اختیار کر لیں، چاہیں تو گمراہی کے راہ گزر بن جائیں۔ وہ اس امت کے مجوسی ہیں، ان اللہ کے دشمنوں نے مشیت ایزدی اور قدرت الٰہی کا انکار کیا ہے۔ فرمایا:

---

[1] أصول الكافي (١/ ١٥٩)

[2] دیکھیں: أصول الكافي: باب الجبر والقدر والأمر بين الأمرين (١/ ١٥٥) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٥/ ٢٢) الفصول المهمة (ص: ٧٢)

[3] بحار الأنوار (٥/ ٨٢)

[4] بحار الأنوار (٥/ ٨٣)

﴿ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ [الأعراف: ٢٩۔ ٣٠]

''اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔ ایک گروہ کو اس نے ہدایت دی اور ایک گروہ، ان پر گمراہی ثابت ہو چکی۔''

''جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے دن ہی بد بخت لکھ دیا تو وہ اس کے پاس بد بخت ہی لوٹ کر آئے گا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور نیک بخت لکھ دیا تو وہ اللہ کے پاس نیک بخت ہی آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بد بخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بد بخت ہے اور نیک بخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں نیک بخت ہے۔''[1]

ابو عبداللہ نے کہا ہے:

''تم مجھ سے اہلِ قدر کے کلام کے بارے میں پوچھتے ہو تو وہ نہ تو میرا دین ہے، نہ میرے آبا و اجداد کا اور نہ ہی میں نے اپنے اہلِ بیت ہی میں سے کسی کو اس کا قائل پایا ہے۔''[2]

نیز انھوں نے کہا ہے:

''ان قدریہ کے لیے ہلاکت ہو! کیا وہ یہ آیت نہیں پڑھتے: ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ [الحجر: ٦٠] ان کے لیے ہلاکت ہو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کس نے اس کو (پیچھے رہنے والوں میں) لکھا ہے۔''[3]

اس کے علاوہ بھی ان کی بہت زیادہ روایات ہیں۔[4] یہ روایات تقدیر کے اِثبات میں ائمہ کا مذہب بیان کرتی ہیں، ان میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ پہلے شیعہ بھی اِثبات کے مذہب ہی پر تھے، لیکن متاخرین شیعہ نے معتزلہ کی تقلید کے علاوہ کسی بھی دلیل کے بغیر ان روایات سے روگردانی کی ہے اور اس کے معارض بہت ساری روایات سے چشم پوشی کی ہے، بلکہ شیعہ نے معتزلہ کے قدم کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے ''عدل'' کو اپنے مذہب کا بنیادی قاعدہ قرار دیا ہے۔

---

[1] تفسیر القمي (١/ ٢٢٦۔ ٢٢٧) بحار الأنوار (٥/ ٩)

[2] بحار الأنوار (٥/ ٥٦) البرهان (١/ ٣٩٨)

[3] بحار الأنوار (٥/ ٥٦)

[4] دیکھیں: بحار الأنوار (٥/ ١١٦ وما بعدها) رقم (٤٩، ٥٠، ٥١، ٥٢، ٥٣، ٥٤، ٥٧، ٥٨، ٥٩، ٦٠، ٦١، ٦٩ وغيرها)

یہ لفظ بہ ظاہر تو بڑا خوبصورت ہے، لیکن اس کی آڑ میں اللہ کی تقدیر کے انکار جیسا خطرناک معنی چھپا ہوا ہے۔ شیعہ کے ایک عالم کا کہنا ہے:

''امامیہ کے نزدیک عدل ارکانِ ایمان بلکہ اصولِ اسلام میں شامل ہے۔''[1]

باوجودیکہ اقوالِ ائمہ، جس طرح ان کی معتبر کتابیں ثابت کرتی ہیں، اکثر روایات میں، جس طرح گزر چکا ہے، نفیِ قدر کی صراحت نہیں کرتے، بلکہ معتزلہ پر چڑھائی کرتے ہیں اور ان کے مسئلہ تقدیر کے متعلق مذہب کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں، ان کی جملہ روایات بھی یہ ثابت کرتی ہیں کہ حق معتزلہ قدریہ کے ساتھ ہے نہ جبریہ کے ساتھ ہی، بلکہ حق ایک تیسرا مرتبہ ہے اور یہ سچ ہے، لیکن اس مرتبے یا دونوں امور کے درمیانی امر کی تفسیر کیا ہے؟ ان کے بعض علما روایات نے اس کی تفسیر کرنے پر خاموشی کو ترجیح دی ہے اور اس بات کے اطلاق پر اکتفا کیا ہے۔ جب ابوعبداللہ سے اس کے معنی کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب نہ دیا۔ ان کی روایات اس سوال کے متعلق ان کے موقف کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

''اس نے دو یا تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کیا، پھر کہا: اگر میں تجھ کو اس کے متعلق جواب دے دوں تو تم کافر ہو جاؤ گے۔''[2]

شیعہ کے بعض شیوخ نے جعفر کا یہ موقف تقیے پر محمول کیا ہے، کیوں کہ، وہ ان کے دعوے کے مطابق، جانتا تھا کہ سائل کی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکے گی، وہ اس میں شک کرنے لگ جائے گا یا اس کا انکار کر دے گا اور کفر کر بیٹھے گا۔[3] شاید اشعری نے بھی اسی توقف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ روافض کے تین مذاہب میں سے ایک مذہب ہے۔ پہلا مذہب شیعہ کے عالم مفید کی زبان سے یوں ذکر ہوا ہے:

''بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں۔''[4]

پہلے یہ ملاحظہ کیا گیا ہے کہ تیسرا مذہب، جو اثبات کا ہے، ان کی روایات کا ایک مجموعہ اس کو ذکر کرتا

---

[1] هاشم معروف: الشيعة بين الأشاعرة والمعتزلة (ص: ٢٤٠) عبد الأمير قبلان: عقيدة المؤمن (ص: ٤٣)

[2] ابن بابويه: التوحيد (ص: ٣٦٣) بحار الأنوار (٥/ ٥٣) شیعہ کی ان کے ساتھ ملتی جلتی اور بھی روایات مذکور ہیں۔ کچھ میں ذکر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ (بحار الأنوار: ٥/ ١١٦) یا ''ان دونوں میں اتنی مسافت ہے، جتنی زمین و آسمان کے درمیان ہے۔'' المصدر السابق: ٥/ ١١٦) وغیرہ۔

[3] المجلسي: بحار الأنوار (٥/ ٥٣۔ ٥٤)

[4] شرح عقائد الصدوق (ص: ١٠۔ ١٢)

ہے۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ روافض کے تین مذاہب جن کی طرف اشعری نے اپنے ''مقالات'' میں اشارہ کیا ہے، وہ تمام کے تمام اثنا عشریہ کے مقالات اور ان کی روایات کے ضمن میں پائے گئے ہیں، شیعہ عالم صدوق نے اپنے عقائد میں ایک روایت ذکر کی ہے، جو شیعہ کے قول "الأمر بين الأمرين" (دو امور کے درمیان تیسرا امر) کی تفسیر کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ابو عبداللہ سے پوچھا گیا: دو امور کے درمیان تیسرا امر کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ اس آدمی کی مثال ہے، جس کو تم نے گناہ پر دیکھا، پھر تم نے اس کو اس سے روکا، لیکن وہ اس سے باز نہ آیا تو تم نے اس کو چھوڑ دیا، چناں چہ اس نے وہ گناہ کیا، لیکن یہ اس طرح تو نہیں کہ اس نے تمھاری نصیحت قبول نہ کی تو تم نے اس کو چھوڑ دیا، لہٰذا تم ہی نے اس کو گناہ کا حکم دیا۔''[1]

یہاں وہ تقدیر کی صرف امر اور نہی کے ساتھ تفسیر کر رہا ہے، لیکن یہ تقدیر میں مذہبِ حق بیان کرنے کے لیے کافی نہیں، کیوں کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندے پر امر اور نہی کے سوا کوئی اختیار اور اقتدار نہیں۔ لیکن ہم ان کے کچھ ایسے علما بھی دیکھتے ہیں، جو اس کی مذہب اہلِ سنت کے تقاضے کے مطابق تفسیر کرتے ہیں اور ان کی روایات میں جو اِثبات تقدیر کے متعلق وارد ہوا ہے، اس کے قائل ہیں۔ شیعہ علما کے ایک گروہ نے اس کے متعلق جو موشگافیاں کی ہیں، ان سے وہ سردست اعراض کرتے ہیں۔

وہ جبریہ اور قدریہ کے مذہب کی گمراہی اور ان کے قول کے قائل کے ظلم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کو واضح کرنے کے بعد کہتا ہے:

''اس کے بارے میں ہمارا اعتقاد، ائمہ سے جو درمیانی امر اور دونوں اقوال کی وسطی راہ منقول ہوئی ہے، اسی کے مطابق ہے ... ہمارے امام صادق نے درمیانی راہ بیان کرتے ہوئے وہ بڑا مشہور جملہ کہا ہے کہ نہ جبر ہے اور نہ تفویض، لیکن دونوں امور کے درمیان امر ہے۔''

یہ اس کا کتنا خوبصورت نتیجہ اور کتنا دقیق معنی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''ہمارے افعال وہ اس اعتبار سے ہیں کہ وہ حقیقت میں ہمارے اپنے کام ہیں اور ہم ان کے طبعی اسباب ہیں اور یہ ہمارے اختیارات اور قدرت میں ہیں، لیکن دوسری طرف سے یہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] عقائد الصدوق (ص: ۷۵)

مقدور اور اس کے اقتدار اور قبضے میں داخل ہیں، کیوں کہ وہی ان کو وجود عطا کرنے والا ہے۔

''چناں چہ اس نے ہمیں ہمارے افعال پر مجبور نہیں کیا کہ گناہوں پر مجبور کر کے وہ ہم پر ظلم کرتا، کیوں کہ ہم جو کرتے ہیں، اس کا اختیار اور قدرت رکھتے ہیں، لیکن اس نے ہمارے افعال کی تخلیق بھی ہمارے سپرد نہیں کی کہ وہ اس کو اپنے اقتدار سے خارج کر دیتا، بلکہ خلق اور امر اسی کا ہے، وہ ہر چیز پر قادر اور اپنے بندوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''[1]

یہ کلمات، افعال العباد کے متعلق جو کچھ اہلِ سنت نے کہا ہے، اس کے مخالف نہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کے بعض متاخر شیوخ بھی ان کے اوائل کے مذہب کے حامل اور ان کی اکثر روایات نے جو ثابت کیا ہے، اس کے قائل ہیں، بشرطیکہ اس کے کلمات کو تاویل یا تقیے کے رنگ میں نہ دیکھا جائے۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن یہ بات اس امر کی نفی نہیں کرتی کہ شیعہ مذہب کے علما اور سرکردہ اشخاص بالعموم اہلِ اعتزال کے مسلک پر گامزن ہوئے ہیں۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پرانے زمانے میں اثبات اصل تھا اور نفی ہنگامی طور پر اعتزالی رجحان سے متاخر ہونے کے نتیجے میں وارد ہوئی اور متاخرین کے ہاں نفی ہی زیادہ اور غالب ہے، جب کہ بعض کے ہاں اثبات بھی موجود ہے۔ بلاشبہہ جو نفی کا قائل ہوا، اس نے دلائل کے ایک حصے کو اپنایا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور جس نے جبر کا قول اختیار کیا تو اس نے اس دوسرے حصے پر عمل کیا اور باقی کو چھوڑ دیا، لیکن جس نے درمیانی راہ اپنائی، اس نے تمام دلائل کو عمل میں لایا۔ قرآنی آیات نے بندے کے لیے فعل، قدرت اور مشیت ثابت کی ہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [التكوير: ٢٩] ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔''

شیخ الاسلام کا قول:

''پہلے اور پچھلے جمہور اہلِ سنت کہتے ہیں کہ بندے کے لیے قدرت، ارادہ اور فعل ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے، جس طرح وہ ہر چیز کا خالق ہے، اسی پر کتاب و سنت دلالت کرتے ہیں۔''

[1] المظفر: عقائد الإمامية (ص: ٦٧۔ ٦٨) شیعہ عالم زنجانی نے بھی اپنی کتاب "عقائد الشيعة الإمامية الاثنى عشرية" (٣/ ١٧٥۔ ١٧٦) میں اسی سے ملتا جلتا معنی ذکر کیا ہے۔

پھر انھوں نے اس کے دلائل ذکر کیے ہیں۔[1]

رافضہ کی کثیر روایات، جن میں سے چند ایک کا ذکر ہوا ہے، یہ ان کے اپنے مذہب کی طرف سے ان کے علما کے اس مذہب کے بطلان کی سب سے بڑی شاہد ہیں، جو انھوں نے تقدیر کے مسئلے میں اہلِ اعتزال کا مسلک اپنایا ہے۔[2]

---

(1) دیکھیں: منهاج السنة (١/ ٢٠/ ٢١)

(2) تقدیر کے بارے میں تفصیلی مذہب جاننے کے لیے اور معتزلہ اور ان کے مقلدین رافضہ کے شبہات کا رد ملاحظہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب دیکھیں: منهاج السنة النبوية (١/ ٣٩۔ ٤٥، ٢٨٥، ٣٥٦ وما بعدها) و (٢/ ٢ وما بعدها) مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (ج: ٨) نیز دیکھیں: (٣٦/ ١٤٣۔ ١٥٣) شرح الطحاوية (ص: ٢١٧ وما بعدها ٣٤٧، ٣٥٢) الشيخ عبد الرحمن المحمود: القضاء والقدر.